جلد 37 شمارہ 9
ستمبر 2015ء
قیمت -/60 روپے

اسلامیات

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com
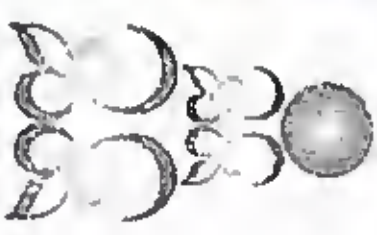
قارئین کرام! ستمبر 2015ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ دنوں سیلاب نے پورے ملک میں تباہی پھیلا دی، جس سے قیمتی انسانی جانوں اور املاک کا نقصان ہوا۔ پاکستان میں ناگہانی سیلابوں کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے۔ لیکن کسی حکومت نے بھی اس کے سدباب کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ حکومت نے ایک ڈیزاسٹر مینجمنٹ کا ادارہ 2005 کے زلزلے کے بعد بنایا تھا، مگر اس کی کارکردگی بھی صرف کاغذوں میں نظر آتی ہے۔ سیلاب کی شدت میں اضافہ موسمی تغیرات کا نتیجہ ہے جس کی طرف ہماری حکومت کی توجہ نہیں ہے۔ ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ماحولیاتی وموسمی تبدیلیوں سے متاثرہ ممالک میں پاکستان تیسرے نمبر پر ہے جو معاملے کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔

بے شک موسمی تغیرات ایک عالمی مسئلہ ہے مگر حکومت کی نااہلی کی وجہ سے پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جو اس سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ جنگلات کی کٹائی اور نئے درختوں کی افزائش نہ ہونا ایک ایسا عمل ہے جس سے سیلابوں کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے، ان کے علاوہ نایاب پرندوں کا بے رحمانہ شکار بھی جنگلی حیات کی معدومی کا سبب بن رہا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر گزشتہ دنوں عدالت عظمیٰ پاکستان میں بھی ایک آبزرویشن دی گئی ہے۔ جنگلات کی لکڑی کو بے دریغ کاٹا جا رہا ہے اور نئے درخت صرف کاغذوں میں لگائے جاتے ہیں۔ اس سے ملک کے سرسبز پہاڑی علاقوں کا حسن ماند پڑ رہا ہے۔ درخت ماحولیاتی تبدیلیوں کا راستہ روکنے کے لئے فصیل کا کام دیتے ہیں ہم اپنی فصیل خود گرا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جنگلات اور جنگلی آبی حیات کے تحفظ کے لئے ہنگامی بنیادوں پر کوئی پالیسی بنائی جائے اور اس پر سختی سے عمل بھی کیا جائے۔

17 ستمبر:۔ 17 ستمبر کو میری اہلیہ مرحومہ کو وفات پائے چار سال ہو جائیں گے، آپ سے التماس ہے کہ مرحومہ کی سالانہ برسی پر ان کے ایصال ثواب کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ مہمان معصومہ منصور، حنا اصغر، ہماراؤ اور شازیہ رفیق کے مکمل ناول، سمیرا گل کا ناولٹ، فرح طاہر، عائزہ خالد، ثمینہ بٹ، مریم ماہ منیر اور طیبہ مرتضٰے کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تو ہی کرتا ہے

شکست فاش دیتا ہے ہمیشہ تو ہی باطل کو
ہر اک موقع پہ حق کا بول بالا تو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقت پیدائش سے لے آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ آسماں پر انجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا تو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تو ہی کرتا ہے

یہ بزمی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہونگے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تو ہی کرتا ہے

خالد بزمی

نعت رسول مقبول ﷺ

جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکر سرورؐ آئے گا

دیکھنا ہے سایہ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبش نوک قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربت دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقی کوثر آئے گا

میں ہوں مداح نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کوکب محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثل خاور آئے گا

کوکب مظہر خان

سید اختر ناز

اللہ کی محبت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے کر، پھر جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے دشمنی رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں کا دشمن ہوں تو بھی اس کا دشمن ہو تو پھر وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے، تم بھی اس کو دشمن رکھو، وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے۔'' (یعنی زمین میں بھی اللہ کے جو نیک بندے یا فرشتے ہیں، وہ اس کے دشمن رہتے ہیں۔) (مسلم)

بھائی چارہ

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مومن (دوسرے) مومن کے لئے ایسا ہے جیسے عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے (اسی طرح ایک مومن کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کا مددگار رہے۔''

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مومنوں کی مثال ان کی دوستی، اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی، (یعنی سب مومن مل کر ایک قالب کی طرح ہیں) بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس (تکلیف) میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی اور بخار آ جاتا ہے۔'' (اسی طرح ایک مومن پر آفت آئے خصوصاً وہ آفت جو کافروں کی طرف سے پہنچے تو سب مومنوں کو بے چین ہونا چاہیے اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔) (مسلم)

پردہ پوشی کے بیان میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا عیب چھپائے گا۔'' (مسلم)

نرمی کے بارے میں

سیدنا جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

''جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ بھلائی سے محروم ہے۔''

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی میں نرمی ہو تو اس کی زینت ہو جاتی ہے اور جب نرمی نکل جائے تو عیب ہو جاتا ہے۔'' (مسلم)

تکبر کرنے والے کے بارے میں

سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عزت اللہ تعالیٰ کی چادر ہے اور بڑائی اس کی چادر ہے (یعنی یہ دونوں اس کی صفتیں ہیں) پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جو کوئی یہ دونوں صفتیں اختیار کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔'' (مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے والے کے متعلق

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔

''ایک شخص بولا کہ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔''

''اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا، میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیئے۔'' (مسلم)

برے شخص کا بیان

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کو اجازت دو یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے۔''

جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت میں وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔'' (مسلم شریف)

درگزر کرنے کے بیان میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔'' (مسلم)

غصہ کے وقت پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گالی گلوچ کی، ایک کی آنکھیں لال ہو گئیں اور گلے کی رگیں پھول گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ اگر یہ شخص اس کو کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے، وہ کلمہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔'' (مسلم شریف)

راستہ صاف کرنے کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ایک شخص نے راہ میں کانٹوں کی ڈالی دیکھی تو کہا کہ اللہ کی قسم میں اس کو مسلمانوں کے آنے جانے کی راہ سے ہٹا دوں گا تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کیا۔''

سیدنا ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ''یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسی بات بتلایئے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔
''مسلمانوں کی راہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے۔''

مومن کی مصیبت کا بیان

اسود کہتے ہیں کہ قریش کے چند جوان لوگ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہ منیٰ میں تھیں وہ لوگ ہنس رہے تھے۔
ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔
''تم کیوں ہنستے ہو؟''
انہوں نے کہا۔
''فلاں شخص خیمہ کی طناب پر گرا اور اس کی گردن یا آنکھ جاتے جاتے بچی۔''
ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔
''مت ہنسو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسلمان کو ایک کانٹا لگے یا اس سے زیادہ کوئی دکھ پہنچے تو اس کے لئے ایک درجہ بڑھے گا اور ایک گناہ اس کا مٹ جائے گا۔'' (مسلم شریف)

مومن کی تکلیف

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔
''مومن کو جب کوئی تکلیف یا ایذا یا بیماری یا رنج ہو یہاں تک کہ فکر جو اس کو ہوتی ہے تو اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ۔
''جو کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا، تو مسلمانوں پر بہت سخت گزرا (کہ ہر گناہ

کے بدلے ضرور عذاب ہوگا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میانہ روی اختیار کرو اور ٹھیک راستہ کو ڈھونڈو اور مسلمان کو (پیش آنے والی) ہر ایک مصیبت (اس کے لئے) گناہوں کا کفارہ ہے، یہاں تک کہ ٹھوکر اور کانٹا بھی۔" (لگے تو بہت سے گناہوں کا بدلہ دینا ہی میں ہو جائے گا اور امید ہے کہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو) (مسلم شریف)

دوسرے مسلمان سے برتاؤ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک دوسرے سے بغض مت رکھو اور ایک دوسرے سے حسد مت رکھو اور ایک دوسرے سے دشمنی مت رکھو اور اللہ کے بندو بھائیوں کی طرح رہو اور کسی مسلمان کو حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ تک (بغض کی وجہ سے) بولنا چھوڑ دے۔" (مسلم شریف)

سلام میں پہل

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کسی مسلمان کو یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ تک (بولنا) چھوڑ دے، اس طرح کہ وہ دونوں ملیں اور ایک اپنا منہ ادھر اور دوسرا اپنا منہ ادھر پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام میں پہل کرے گا۔"

کینہ رکھنا اور آپس میں قطع کلامی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، پھر ہر ایک بندے کی مغفرت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن وہ شخص جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے اس کی مغفرت نہیں ہوتی اور حکم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو دیکھتے رہو جب تک کہ صلح کر لیں۔" (جب صلح کر لیں گے تو ان کی مغفرت ہو گی۔)

بدگمانی سے بچنے کا حکم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے اور کسی کی باتوں پر کان مت لگاؤ اور جاسوسی نہ کرو اور (دنیا میں) رشک مت کرو (لیکن دین میں درست ہے) اور حسد نہ کرو اور بغض مت رکھو اور دشمنی مت کرو اور اللہ کے بندے اور (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔" (مسلم)

گلہ کرنے کی ممانعت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟"

لوگوں نے کہا۔

"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح پر کرے کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار گزرے۔"
لوگوں نے کہا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر ہمارے بھائی میں وہ عیب موجود ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"جب ہی تو یہ غیبت ہو گی نہیں تو بہتان ہے۔" (مسلم شریف)

چغل خوری کی ممانعت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کیا میں تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ بہتان قبیح کیا چیز ہے؟ وہ چغلی ہے جو لوگوں میں عداوت ڈالے" اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"آدمی سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک سچا لکھا جاتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔" (مسلم شریف)

چغل خور آدمی جنت میں نہ جائے گا

ہمام بن حارث کہتے ہیں کہ ہم سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور ہمارے پاس آکر بیٹھ گیا تو لوگوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔
"بادشاہ تک بات پہنچاتا ہے۔" سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو سنانے کی نیت سے کہا کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔" (مسلم شریف)

سچ اور جھوٹ کے بارے میں

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"تم سچ کو لازم کرلو کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف راہ دکھاتا ہے اور برائی جہنم کو لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔" (مسلم شریف)

جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے اس کا بیان

سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے اور وہ مہاجرات اول میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے۔
"جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں میں صلح کرادے اور بہتر بات کہے یا لگائے۔" ابن شہاب نے کہا۔
"میں نے نہیں سنا کہ کسی جھوٹ میں رخصت دی گئی ہو مگر تین موقعوں پر ایک تو لڑائی میں، دوسرے لوگوں میں صلح کرانے کے لیے۔

☆☆☆

ابن انشاء

یہ جو ہم اتنے دن کالم نہیں لکھ سکے اس کی وجہ یہ نہیں کہ کہیں باہر چلے گئے تھے، جائیں ہمارے دشمن، ہم کیوں ملک سے باہر جائیں، بس یہیں کراچی میں بیٹھے بارش کا انتظار کر رہے تھے، ایک ہاتھ میں ہمارے چھاتا، دوسرے میں برساتی، کوئی ہاتھ خالی ہوتا تو لکھتے، چھاتا تو ہم نے اسی روز تان لیا تھا، جس روز پہلی بار ٹیلی ویژن پر اناؤنسر ضیاء الحسن صاحب نے بشارت دی کہ کل نہ صرف مطلع ابر آلود رہے گا، بلکہ گرج چمک کے ساتھ بارش بھی ہوگی، خیر ایک دن کی غلطی ہم سب کو معاف کر دیتے ہیں، کیونکہ سیر چشم آدمی ہیں، دوسرے دن خورشید طلعت صاحبہ نے اس بشارت کو دہرایا، ہم نے کہا، یہ لڑکی جھوٹ نہیں بول سکتی، کیونکہ ابھی اس کی عمر جھوٹ بولنے کی نہیں ہوئی، پس ہم نے گھر والوں کو للکارا کہ آج تو جو ہوا سو ہوا، اب یہ تمہاری سہل انگاری نہیں چلے گی، چارپائیاں اٹھا کر ڈرائنگ روم میں رکھو، (ہمارے ہاں اور کہیں جگہ نہیں) تاکہ بان بھیگ کر اکڑ نہ جائے اور لان پر دریاں بچھا دو، کیونکہ زیادہ پانی سے گھاس گل جاتی ہے۔

اس سے اگلے روز علی الصبح ہم اٹھ کر نہار منہ ملہار گانے بیٹھ گئے، جب گا گا کر گلا بیٹھتا معلوم ہوا تو ہم نے پوچھا۔

''کیوں بھئی لوگو! بارش بند ہوگئی؟''

جواب ملا۔

''جی نہیں...... بادل ابھی نہیں آئے۔''

ہم نے کہا۔

''کم از کم پروائی تو چلی ہوگی، نرم نرم پروائی، کوئل کوکی ہوگی، پپیہا بھی بولا ہوگا، پی...... پی...... پی۔''

معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہوا، پاپی پپیہا تک دغا دے گیا، غالباً احمد رضا قصوری گروپ میں شامل ہوگیا۔

اگلی شام پھر خورشید طلعت نے بتایا کہ کل گرج چمک کے ساتھ بارش ہوگی، شاید اولے پڑنے کا بھی کہا تھا، کچھ یاد نہیں ہے، ہم احتیاط پسند آدمی ہیں، انٹرنیشنل ہیر کٹنگ سیلون کے خلیفہ اللہ دتا سہارنپوری سے جا کر سر بھی منڈوا آئے کہ ویسے نہیں پڑتے تو یوں پڑیں، اپنے کمرے کی کھڑکیاں جو سڑک کے رخ کھلتی ہیں، وہ ہم نے پہلے روز بند کرا دی تھیں، تاکہ پانی اندر نہ آئے، ہمارے گھر والے کچھ ٹیڑھی طبیعت کے آدمی ہیں حجت کرنے لگے کہ آپ خواہ مخواہ کو ہلکان کر رہے ہیں، بارش نہ آئی نہ آئے گی، ہم نے کہا، تو یہ موسمیات والے اور ٹیلی ویژن والے جھوٹ کہتے ہیں؟ جواب ملا، دیکھا نہیں خورشید طلعت صاحبہ بارش کی بشارت دینے کے بعد خود بھی مسکرا رہی تھیں، ہم نے انہیں بتایا کہ وہ موسمیات والوں پر نہیں مسکرا رہی تھیں، ان کو ٹیلی ویژن کی طرف سے آرڈر ہوتا ہے، بات بے بات مسکرانے کا، ہمارے گھر کے لوگ ایسے وہمی ہیں کہ منڈیر پر بھنبیری چھوڑ کوا بھی آ بیٹھے تو یہ جان کر کہ ساون آیا اور بارش ہوگی، مال پوڑوں کے لئے آٹا گھولنے بیٹھ جاتے ہیں اور موسمیات والوں نے

جو ہزاروں، لاکھوں روپوں کی مشینیں موسم کا حال معلوم کرنے کے لئے لگا رکھی ہیں، ان کو کھڑاک سمجھتے ہیں، ہم نے کہا، آدمی ایک دن غلط بیانی کر سکتا ہے، دو دن کر سکتا ہے، آج تیسرا دن ہے، کان دھر کر سن لو، آج تو انہوں نے نہایت ہی وثوق سے کہہ دیا کہ پورے جنوبی علاقے میں گرج چمک کے ساتھ بارش ہو گی، جھل تھل ہو جائے گا، لوگ ڈبکیاں کھاتے پھریں گے، اس پر ایک عزیز نے کہا۔

جنوبی علاقے کا مطلب آپ نے کراچی کیوں فرض کر لیا، مراد پاکستان کے جنوب سے ہے جہاں سمندر ہے، خط استوا ہے، لنکا ہے، بلکہ ممکن ہے جنوبی علاقے سے مراد خط استوا سے جنوب کا علاقہ ہے۔

ہم ایسے کچی گولیاں نہیں کھیلے، دوسرے دن صبح چھاتا لے کر بارش کے انتظار میں بیٹھ گئے، آپ کہیں گے، کمرے کے اندر چھاتا لے کر بیٹھنے کا مطلب؟ آپ لوگ نہیں جانتے، گرمی میں جب بارش آتی ہے تو بہت آتی ہے، دیواریں رسنے لگتی ہیں اور چھتیں ٹپکنے لگتی ہیں اور ہمارے پاس ایک ہی سوٹ ہے، کوئی نو یا دس بجے ہوں گے کہ ایک صاحب آئے، نچڑتے ہوئے، ہم نے کہا۔

بھئی تم بڑے بے وقوف ہو، ایسی بارش میں گھر سے چھاتے بغیر نکل آئے، ارے بارش کی پیشن گوئی نہیں سنی تھی کیا؟ اب دیکھو تم نے فرش خراب کر دیا، سارا پانی تمہارے انگرکھے کا ہمارے قالین پر بہہ گیا۔

بدتمیزی سے بولے۔

''جناب یہ بارش نہیں پسینہ ہے اور یہ قالین نہیں دری ہے۔''

ہمارے یقین کی ایک وجہ یہ تھی کہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن والوں نے اخباروں میں لمبا چوڑا اشتہار چھپوا دیا تھا کہ موسلا دھار بارش کی وجہ سے بجلی خراب ہو جائے تو فلاں علاقے والے فلاں ایمرجنسی سینٹر پر فون کریں اور فلاں علاقے والے فلاں ایمرجنسی سینٹر کو کار لائقہ سے یاد فرمائیں، سنا ہے اخبار والوں نے بھی پارسال والی تصویریں بارش کی نکال رکھی تھیں اور اداریے بھی لکھ کر کاتب کو دے دیے تھے کہ بارش سے جھونپڑیوں کا از حد نقصان ہوا ہے، ایڈمنسٹریشن والے اپنے فریضہ سے غافل ہیں، حالانکہ ان کو ٹیلی ویژن پر بارش کا اعلان سنتے ہی رضائیاں اور کھانے کی دیگیں لے کر مختلف کالونیوں میں پہنچ جانا چاہیے تھا، قصہ پارسال کی تصویروں کا یہ ہے کہ اخبار والے ایک سیٹ بارش کی تصویروں کا رکھتے ہیں، تاکہ دوسرے اخباروں سے پیچھے نہ رہیں، آپ نے شاید غور سے نہ دیکھا ہو یہ تصویریں جن میں دو آدمی گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چھاتا لئے سڑک پار کر رہے ہوتے ہیں یا پانی میں پھنسی ہوئی موٹریں اور پانی میں کھیلتے ہوئے بچے اور گرے ہوئے مکان اور جھونپڑیاں ایک بار بنا لی جاتی ہیں اور برسوں کام آتی ہیں، کیونکہ ہر بارش میں فوٹو گرافر کا نکلنا مشکل ہے، کیمرا پانی سے خراب ہو جاتا ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ریڈیو والے دراز میں سے نکال کر جھٹ سے ریکارڈنگ دے دیتے ہیں اور آپ اپنی سادہ لوحی میں سمجھتے ہیں کہ بھائی چھیلا پٹیالے والا مائیکروفون کے سامنے اسٹوڈیو میں بیٹھا گا گا کر بے حال ہو رہا ہے۔

ایک دن تو ہم نے حضرت آرزو لکھنوی کا نسخہ بھی آزمایا۔

آج یہ کس نے ساغر پھینکا موسم کی بے کیفی پر
ایسا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب گیا میخانہ بھی

ساغر کا مطلب ہے پیالہ، پیالے تو ہمارے ہاں کوئی نہیں ہیں اور اگر چائے کی پیالیوں سے مطلب ہے تو انہیں ہمارے گھر والے تالے والی الماریوں میں رکھتے ہیں۔

ایک گلاس مل گیا تو اسی کو ہم نے کھینچ مارا، المونیم کا گلاس تھا، آواز ہوئی تو لوگ بھاگے بھاگے آئے، بولے آج پھر بلی آ گئی تھی دودھ پینے؟ ہم نے جب دیکھا کہ آسمان پر بادل کے ٹوٹ کر برسنے کے آثار ابھی ہویدا نہیں ہوئے تو کہا۔

ہاں بلی ہی تھی، بڑی نابکار ہے، بعد میں پتا چلا کہ شراب والے ساغر سے مراد ہے اور پھینکنے سے اس میں شراب ہونی چاہیے، چاہے دیسی ہو اور آس پاس میخانہ بھی ہونا چاہیے، میخانہ نہیں ہو گا تو ڈوبے گا کیا؟ تو یہ قصور ہمارا ہی تھا، نسخہ کے سارے اجزا بہم نہیں کیے، تاہم مایوسی کی کیا بات ہے، پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔

صاحبو! اتنا ہم نے اس لیے لکھ دیا کہ بہت دن سے لکھا نہیں تھا اور صورت قدرت کی طرف سے یہ بنی کہ ایک مہربان دوست اس پر تیار ہو گئے تھے کہ ہمارا چھاتا تانے کھڑے رہیں گے تاکہ چھت ٹپکنے پر ٹپکا ہمارے سر پر نہ آئے، دم تحریر بھی وہ کھڑے ہیں، لیکن کہہ رہے ہیں کہ میں تھک گیا ہوں، اب اپنا چھاتا خود تھامیے، لا بھئی لا، دے دے چھاتا ہمیں، ارے قرون اولیٰ کے دوست تو اپنے دوستوں پر جان تک قربان کر دیتے تھے، تو گھڑی بھر کو چھاتا بھی پکڑ کر کھڑا نہیں ہو سکتا، اچھا بھئی ہم قلم ہاتھ سے رکھتے ہیں اور چھاتا تھامتے ہیں اور ہماری تان سین گولیاں کی شیشی کہاں گئی؟ مل گئی، اب جا بھاگ جا، ہمارے گانے کا ٹائم ہو گیا ہے۔

امڑ گھمڑ، گھر آئے بدرا......

☆☆☆

مہمان: معصومہ منصور

قاری کا منصف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جوان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے ''ایک دن حنا کے نام'' جس میں ہر ماہ ایک مصنفہ اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی کو صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

''ایک دن حنا کے ساتھ'' لکھنا تقریباً سبھی رائٹرز کے لئے مشکل رہا ہے مگر میرے لئے زیادہ مشکل اس لئے بھی ہے کہ میں ابھی خود کو رائٹر نہیں سمجھتی، رائٹرز میرے لئے ہمیشہ اینجلز کی طرح رہے ہیں جو اپنے جادوئی قلم سے روشنی اور اچھائی پھیلاتے ہیں اور میں ٹھہری ایک عام سی بندی، خاصی لاپرواہ اور کچھ بیوقوف بھی، شاید اسی لئے میں خود کو اچھی رائٹرز کی فہرست میں شامل نہیں کر پا رہی، ایک وقت ایسا تھا جب مجھ کو بہت کچھ کرنے کا جنون تھا، سندیں اکٹھی کرنا میرا مشغلہ تھا اور اس کے لئے میں نے بہت کچھ کیا، ٹیچنگ کی، فرنچائز میں جاب کی، مختلف کمپیوٹر کورسس کیے، ریڈیو ایف ایم پر کمپیئرنگ کی اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے کام کیے، مگر میرے سب شوق، مشغلے اس وقت کہیں دور جا چھپے جب میں ماں بنی، عورت کی ذات پر ممتا کی چھاپ سب سے گہری ہوتی ہے، میں بھی سب بھلا کر اپنے

ننھے فرشتوں میں لگ گئی۔ پھر کچھ عرصے پہلے میری ملاقات قیصریہ جی (رائٹر قیصرہ حیات) سے ہوئی، باتوں کے درمیان انہوں نے کہا اگر آپ لکھ سکتی ہیں تو لکھیں، اس طرح میرے تحریری سفر کا آغاز ہوا۔

صبح پانچ بجے کے الارم کے ساتھ ہی میں کسی ربورٹ کی مانند اٹھ جاتی ہوں کیونکہ باقی کے سب کام مجھ کو کسی مشین کی طرح ہی کرنے پڑتے ہیں، وقت کم اور کام زیادہ، فجر کی نماز کے بعد ہی کا ناشتہ اور لنچ تیار کرتی ہوں، پھر میاں صاحب کو جاب پر جانے کی تیاری میں ہیلپ کروانا، ساڑھے چھ بجے انہیں اللہ حافظ کہنے کے بعد میں بچوں کی جانب آ جاتی ہوں، انہیں جگانے کے ساتھ ساتھ بچوں اور باقی سب گھر والوں کا ناشتہ تیار کرتی ہوں، تائی امی، تایا ابو (ساس، سسر) کو ناشتہ دینے کے بعد بچوں کو ناشتہ کروا کر سکول کی تیاری کروانا، بچے جاتے ہیں تو میں، صائمہ (بہن، دیورانی) اور دیور ہلکی پھلکی باتوں کے دوران ناشتہ کرتے ہیں، کچن کی صفائی کے بعد جب میں فارغ ہوتی ہوں تو دس بج جاتے ہیں اور اس وقت دل چاہتا ہے کہ میں سو جاؤں مگر میرے سونے نا سونے کا انحصار طلحہ صاحب (دو سالہ بیٹا) پر ہوتا ہے، اگر طلحہ سو جائے تب میں بھی سو جاتی ہوں، ورنہ ہماری مجال ہی کیا جو لیٹ بھی جائیں، چھوٹی بہن ثوبیہ کی کال آ جائے تو دو گھنٹے گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا، بارہ بجے لنچ کی تیاری شروع کر دیتی ہوں، بچے سکول سے آتے ہیں انہیں بھی دیکھنا، ظہر کی نماز کے بعد سب گھر والے اکٹھے کھانا کھاتے ہیں، شام کی چائے کے بعد میں بچوں کو پڑھاتی ہوں، عصر سے عشاء تک کا ٹائم میرا بچوں کے ساتھ گزرتا ہے، انہیں پڑھانا، ان کے ساتھ کھیلنا، تایا ابو سب سے بڑے ہیں (خاندان میں) تو اکثر آنا جانا بھی لگا رہتا ہے، ہمارے گھر گیسٹ بھی کافی آتے ہیں، لنچ اور ڈنر پر اکثر ہی کوئی نہ کوئی گیسٹ لازمی ہوتا ہے، آٹھ بجے تک میں تینوں بچوں کو سلا دیتی ہوں، کیونکہ اس وقت بچوں کے بابا آ جاتے ہیں، عشاء کی نماز کے بعد ڈنر، اگر کوئی گیسٹ آ جائے تو گیارہ بج جاتے ہیں، رات کو سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ ضرور پڑھنا میری ہمیشہ سے عادت رہی ہے، اگر کچھ لکھنا ہو تب بھی اسی ٹائم لکھتی ہوں اور رات دو بجے تک میری ہر حال میں گڈ نائٹ ہو جاتی ہے۔

آخر میں، میں خاص شکریہ کہنا چاہوں گی قیصرہ حیات جی کا جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ میں لکھ سکتی ہوں، مصباح نوشین (رائٹر) کا جنہوں نے میری راہنمائی کی اور مجھ کو ''حنا ڈائجسٹ'' کا راستہ دکھلایا، فوزیہ جی کا جنہوں نے مجھ کو موقع دیا اور میری اتنی بڑی وش پوری ہوئی، ان سب قارئین کا بھی بے حد شکریہ جنہوں نے میری ٹوٹی پھوٹی تحریروں کو پسند کیا اور مجھے معتبر کر دیا۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

آٹھویں قسط کا خلاصہ

شادمان کی محدود زندگی میں نشرہ حالات کی چکی میں پستی جا رہی ہے، سلیمان تایا اور نوازش چچا کے رحم وکرم پہ اس کی زندگی وبال ہے۔
دوبئی سے آنے والا پھپھو زاد ولید نشرہ کے لئے اپنے دل میں نرم جذبات رکھتا ہے، صائمہ تائی کی عینی نشرہ سے جلتی ہے۔
ہوٹل روز گل میں اسامہ جہانگیر کا قیام ہے، اسامہ آرکیالوجسٹ ہے، ایک حادثے میں اس کی ملاقات عشیہ سے ہوتی ہے، دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم جذبات ہیں۔
سبا خانہ اور حمت کے تعلقات سرد ہیں، حمت سردار بٹو کی بھتیجی ہے، اس کی حیثیت بی جاناں کی نگاہ میں صفر سے بھی کم ہے، البتہ سبا خانہ میں بی بی جاناں کی جان بند ہے۔
نیل بر سردار بٹو کی اکلوتی طرح دار بیٹی ہے، جہاندار سردار بٹو کا معتمد خاص ہے اور نیل بر کی ذمہ داری پلس حفاظت پہ مامور بھی۔
ہیام کو کرائے کے مکان کی تلاش ہے، بیبہ کی مدد سے اسے ایک مکان میں کرائے پہ کمرہ مل جاتا ہے، ہیام اچھی رہائش کے لئے پرامید ہے۔

نویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

''جب کھدائی ہوگی تو پتا چلے گا۔'' اسامہ نے مسکرا کر بتایا تھا، حمت نے غائب دماغی کو جھٹک کر سر ہلایا، جیسے اب کہ اسامہ کی بات اسے سمجھ آ گئی تھی، لیکن وہ اسامہ کو اجازت کیسے دے سکتی تھی؟ گو کہ یہ اس کا ننھیالی قبرستان تھا، یہ رقبہ بھی اس کی ننھیالی اراضی کا تھا، پھر بھی سردار کبیر بٹو کی اجازت کے بغیر وہ کیسے حامی بھر سکتی تھی؟ اس کے ننھیالی رشتے داروں کی وفات کے بعد یہ ساری اراضی سردار بٹو کے تسلط میں تھی، وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی لیکن حمت کو اس اجنبی کا دل توڑنا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا، وہ اجنبی جو پہلی نگاہ میں دل کے بہت قریب آ گیا تھا وہ اس کی اتنی معمولی سی خواہش بھی پوری نہ کرتی؟ اور اسامہ کے جوش و جذبے سے یہ خواہش اتنی معمولی بھی نہیں لگ رہی تھی، وہ کھدائی کے لئے بے انتہا پرجوش تھا۔

حمت نے کچھ سوچ کر اقرار میں گردن ہلا دی تھی، گویا یہ اجازت کے لئے ہلکا سا اشارہ تھا، اس وقت حمت جانتی نہیں تھی، وہ کس قدر بڑا رسک لے رہی تھی اور کتنے بڑے خطرے کو آواز دے رہی تھی۔

''تھینک یو ویری مچ حمت! میں آپ کا ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔'' اسامہ نے خلوص دل سے شکریہ ادا کیا تھا اور پھر بہت خوشی خوشی واپس ہوٹل پہنچ گیا، لیکن تب سے لے کر اب تک وہ حمت کی پرشوق نگاہوں کی گہرائیوں کو سوچ رہا تھا، غور کر رہا تھا، اس کی آنکھوں میں اک خاص تاثر ضرور تھا، جس نے تب بھی اسامہ کو چونکا دیا تھا اور اب بھی وہ حمت کے بارے میں سوچتا لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک گیا تھا، معاً روز گل بولتا ہوا اندر آ گیا، وہ خاصا عجلت میں تھا، اسامہ بھی جیسے حال میں لوٹا۔

''تم ''ڈسر'' (گاؤں) تک جانا ہے، تم ذرا کچن تک آ جاؤ، کام تو اتنا کوئی نہیں، پھر بھی کوئی آرڈر آئے تو دیکھ لینا۔'' روز گل نے بڑی لجاجت سے کہا تھا، وہ اکثر پہلے بھی اسامہ کے ذمے اپنے کام لگا کر خود پورا پورا دن غائب ہو جاتا تھا، یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اسامہ پہلے بھی کئی مرتبہ روز گل کے ہوٹل میں بطور ''شیف'' کام کر چکا تھا، کیونکہ روز گل سے اسامہ کے پرانے تعلقات تھے، وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے کام آتے رہے تھے، اب بھی اسامہ کو مانتے ہی بنی تھی، جب روز گل ڈسر کے لئے روانہ ہو گیا تو اسامہ کو بھی نیچے آنا پڑا تھا، اس وقت ڈائننگ ہال خالی پڑا تھا، سیاہ چین سیر و تفریح کے لئے نکل چکے تھے، لیکن پھر بھی دوپہر کو لنچ کی تیاری تو کروانی تھی، پھر جوں ہی کچن میں آیا، ورکر سب الرٹ ہو گئے تھے، مینو روز گل دے چکا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب اشتہا انگیز خوشبوؤں نے گھیرا تنگ کیا تو اسامہ کچن سے نکل کر کاؤنٹر پہ آ گیا، معاً انٹرس ڈور سے پل پہ ٹکرانے والی عشیہ آتی دکھائی دی تھی، اسامہ لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک گیا، یہ کیسا حسین اتفاق تھا، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عشیہ دوبارہ کبھی دکھائی دے پائے گی، اس کے ہونٹوں پہ بڑی واضح خیر مقدمی مسکراہٹ پھیل گئی تھی، عشیہ بھی اسے کاؤنٹر پہ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی چونکہ اس کا رخ اسی طرف تھا، سو اسامہ بھی الرٹ ہو گیا تھا، عشیہ نے قریب آ کر ذرا حیرت سے پوچھا۔

''روز گل کہاں ہے؟'' وہ خاص اپنائیت سے پوچھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں پہچان کے واضح رنگ تھے۔

''وہ تو نہیں ہے۔'' اسامہ نے مسکرا کر بتایا، وہ خواہ مخواہ ہی کھلا پڑ رہا تھا، جیسے عشیہ نے اسے پہچان کر بڑا احسان کیا ہو۔
''کہاں گیا؟'' عشیہ نے مایوسی سے کہا، وہ ایک دم بجھ سی گئی تھی۔
''ڈسر۔'' اسامہ اس کی یاسیت پہ کچھ حیران ہوا، شاید اسے روز گل سے ضروری کام تھا، اسے نہ پا کر وہ کچھ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔
''پھر تو دیر سے آئے گا۔'' عشیہ نے جیسے خود کلامی کی تھی۔
''سو تو ہے۔'' اسامہ نے سر ہلایا۔
''کیا تمہیں کچھ کام ہے؟'' گو کہ اسامہ کو اتنا پرسنل نہیں ہونا چاہیے تھا، یہ مناسب بھی نہیں تھا، پھر بھی وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اس سے عشیہ کی پریشانی دیکھی نہیں گئی تھی۔
''ہاں۔'' اس نے کچھ جھجک کر کہا۔
''یعنی روز گل نہیں، تو کام بھی نہیں ہوگا۔''
''میں تو موجود ہوں، فی الحال کافی اتھارٹی رکھتا ہوں، تم کام بتاؤ۔'' اسامہ نے جھٹ سے مخلصانہ آفر پیش کی تھی، جانے عشیہ میں کیسی خاص بات تھی، وہ اس کی پریشانی دیکھ نہیں سکتا تھا۔
''کیا واقعی؟'' عشیہ کی آنکھیں چمک اٹھیں، یوں لگا تھا جیسے سوکھے دھانوں پہ پانی پڑ گیا ہو۔
''تمہیں شک ہے؟'' وہ مسکرایا۔
''نہیں تو۔'' عشیہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔
''پھر جلدی بتاؤ، کیا پتا، میں روز گل سے بہتر کام کر سکوں۔'' اسامہ نے چٹکی بجائی تھی، عشیہ لمحہ بھر کے لئے سوچ میں ڈوب گئی تھی، کیا اسے اسامہ کے سامنے یہ بات کرنی چاہیے تھی؟ انا کو ایک طرف رکھ کر کچھ مدد لینا چاہیے تھی؟ روز گل ہوتا تو اور بات تھی، اس بندے نے تو پہلے بھی مورے کی دوائیں مفت میں پہنچا کر عشیہ پہ احسان کیا تھا اور وہ پکا ارادہ بھی کر چکی تھی جیسے ہی ہیام کی تنخواہ آتی، اس نے اسامہ کے پیسے لوٹا دینے تھے، اسے بس بینک ڈرافٹ آنے کا انتظار تھا، جہاں پہلے ایک احسان لے چکی تھی، مزید ایک اور کیوں نہیں؟ پھر یہ ہوٹل تو روز گل کا تھا اور روز گل سے اس کا ''ادھار'' عموماً چلتا رہتا تھا، سو عشیہ کچھ مطمئن سی ہو کر آرام سے بولی تھی۔
''اصل میں مجھے کچھ کھانا چاہیے، دو تین سالن، کباب اور روٹی۔'' عشیہ نے بالآخر کہہ دیا، وہ زیادہ دیر رک نہیں سکتی تھی، عشیہ کی ساس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا، عشیہ کے جانے تک واپس ہو لیتی، وہ ایسی ہی موڈی خاتون تھیں۔
''ارے...... اتنی سی بات؟'' اسامہ حیران رہ گیا، پھر اس نے عشیہ کی خواہش کے مطابق آرڈر پیک کرنے کے لئے اندر آواز دی تھی، کچھ دیر بعد ہی ٹفن پیک ہو کر کاؤنٹر پہ آ گئے تھے، عشیہ ساری کاروائی کے دوران خاموش رہی تھی، لیکن جیسے ہی اسامہ نے بل بنایا، وہ جلدی سے بول اٹھی۔
''میں ادھار لے کر جاؤں گی۔'' اس کے بے ساختہ انداز پہ اسامہ کا منہ کھل کر رہ گیا تھا۔
''کھانا بھی ادھار؟'' اسامہ نے پہلی مرتبہ سنا اور دیکھا تھا، وہ جتنا حیران ہوتا کم تھا، پھر جیسے

عشیہ کی مجبوری سمجھ گیا تھا، یقیناً اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔
''میں جلدی پے منٹ کر جاؤں گی، پلیز روز گل کو بتا دینا، وہ میری مجبوری کو سمجھتا ہے۔''
عشیہ کچھ شرمساری سی بولتی ہوئی ٹفن اٹھا کر بھاگ پڑی تھی، وہ اسامہ کی نظروں کا مزید سامنا نہیں کر سکتی تھی، وہ بھی کیا سوچتا ہوگا؟ یہ لوگ اتنے مفلس اور کنگال ہیں؟ کھانے کے پیسے تک بروقت ادا نہیں کر سکتے۔
اسامہ، عشیہ کی سوچوں سے قطعی طور پہ بے نیاز تھا، بلکہ وہ تو عشیہ سے ملنے پہ خاصا خوش دکھائی دے رہا تھا اور مزید بھی ایسے اتفاقات کی توقع کر رہا تھا، جب عشیہ چلی گئی تو روز گل کی امی سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تھیں، وہ عشیہ کو باہر نکلتا دیکھ چکی تھیں، اسی لئے چیل کی طرح اسامہ کی طرف لپک کر آ گئی تھیں۔
''یہ عشیہ تھی نا؟ کیوں آئی تھی؟'' ان کے لہجے میں تجسس تھا، ناراضگی نہیں تھی۔
''کیا ادھار لینے؟'' انہوں نے یقین سے کہا تھا، جیسے وہ جانتی تھیں کہ عشیہ ادھار کے علاوہ تو کچھ مانگ نہیں سکتی تھی، گویا وہ ادھار لینے والی پکی ''گاہک'' تھی۔
''کھانا لینے۔'' اسامہ کو بتانا ہی پڑا تھا۔
''پیسے تو نہیں دیئے ہوں گے؟'' ان کا منہ بن سا گیا تھا، دوستی مورے خاتون سے اپنی جگہ، یہ ''ادھار کھاتہ'' انہیں پیچ و تاب کھانے پہ مجبور ضرور کرتا تھا۔
''نہیں، وہ روز گل کو دے گئی۔'' اسامہ نے بتایا۔
''کبھی نہیں، روز گل کبھی نہیں لے گا۔'' آنٹی آف موڈ کے ساتھ بولی تھیں، اسامہ سمجھ گیا، عشیہ، آنٹی صاحبہ کی گڈ بک میں نچلے درجے پہ تھی، شاید وہ اسے زیادہ پسند نہیں کرتی تھیں، آنٹی کی بڑبڑاہٹ پہ وہ کیا جواب دیتا؟ محض سر ہلا کر رہ گیا تھا، تاہم اندر کہیں دل کو عشیہ کی مدد کرنے پہ بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

اس کی زندگی پہلے بھی نوابوں جیسی تو نہیں تھی، لیکن حالات اتنے بھی بدحال نہیں تھے۔
جب سے منگورہ چھوڑا تھا تب سے نہ تو ڈھنگ کی چھت نصیب ہوئی تھی اور نہ ہی گھر کا لذیذ کھانا نصیب ہوا تھا، چلو کھانے پہ وہ کمپرومائز کر ہی لیتا مگر رہائش پہ سمجھوتہ تو اس کے بس کی بات ہی نہیں تھی، وہ فطرتاً نفاست پسند تھا اور پرسکون شفاف ماحول کے لئے شاید ہر کوئی اتنا ہی نفیس ہو، جس قدر ہیام تھا، ایک تو جاب بہت ٹف تھی، دوسرے وہ عام سرکاری ڈاکٹرز کی طرح نہ بدنیت تھا اور نہ نوکری حرام کرنا جانتا تھا، وہ بہت محنتی تھا، دن بھر کی بھاگ دوڑ، رنگ رنگ کے مریضوں سے دماغ کھپائی کے بعد پرسکون نیند اور صاف ستھرا خوش گوار ماحول تو اس کا حق تھا اور فی الحال مایوسی کی بات یہ تھی کہ سسٹر سے لے کر ساتھی ڈاکٹرز میں سے کوئی بھی اس کی مرضی کے مطابق رہائش کا بندوبست نہیں کر سکتے تھے۔
اتوار کے دن تو خاص طور پہ ہیام کو اس گھٹن زدہ ''قید خانے'' میں وقت گزارنا کسی عذاب سے کم نہیں لگتا تھا اور آج بھی بدقسمتی سے اتوار کا دن تھا، اوپر سے موسم نے اچانک کروٹ بدل لی

تھی، رات بارش کیا ہوئی تھی، زمین نے اور بھی حبس اور گرمی کو اگلنا شروع کر دیا تھا۔
وہ بہت دیر تک حبس اور گھٹن کو برداشت کرتا رہا تھا، پھر تنگ آ کر شرٹ اتار دی تھی، اس وقت واپڈا کی مہربانی سے لائٹ بھی نہیں تھی۔
وہ چھوٹے سے کمرے میں ٹہل ٹہل کر بھی تھک چکا تھا، باہر جانے کو دل بھی نہیں کر رہا تھا اور وہ ویسے بھی وقت کی قلت کے باعث کم کم ہی اس عقوبت خانے سے نکل پاتا تھا۔
اب یہ بھی نہیں تھا کہ یہ جگہ یہ علاقہ لوئیر کلاسیوں کی بستی یا کالونی تھی، یہاں پہ خاصے خوشحال لوگ رہتے تھے، سڑک کے دائیں بائیں خاصے کھلے، کشادہ اور خوبصورت مکانات تھے، یہ ہیام کی بدقسمتی تھی کہ اسے انیس سو تمیں کی دہائی کے لگ بھگ بنا بے انتہا خستہ گھٹن زدہ مکان کا ایک کمرہ کرائے پہ ملا تھا، اوپر سے "مالک عقوبت خانہ" بھی انتہا کا بدمزاج تھا۔
ہیام تو کب کا اس بدبودار سلین زدہ کمرے کو لات مار جاتا اگر اس کے کولیگز یا سسٹر میں سے کوئی جلد از جلد اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے۔
وہ ابھی بھی اپنے کولیگز اور سسٹر بیا کو کوستا اپنے لئے ٹھنڈی اسکوائش بنا رہا تھا جب اس کے موبائل کی بپ نے اچانک بج کر اسے چونکا دیا تھا، ہیام نے جگ میں چمچ ہلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے موبائل آن کر کے کان سے ابھی لگایا ہی تھا جب اچانک چیختی ہوئی بیا کی آواز نے اسے دہلا کر رکھ دیا، ہیام کے ہاتھ سے اسکوائش کا جگ چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا، اس نے سنبھلتے ہوئے ذرا ڈپٹ کر بیا کو مخاطب کیا۔
"یا وحشت میرے کان کا پردہ پھاڑنا ہے؟"
"کوئی بات نہیں سر، ہسپتال میں ماہر امراض ناک، کان، گلا ابھی آ چکے ہیں۔" بیا نے مسکرا کر جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا، ہیام کا برا سا منہ بن گیا۔
"یہ بتانے کے لئے تم نے فون کیا تھا؟" اس کا انداز چڑچڑا سا تھا، کیونکہ بیا ابھی تک اس کا ایک مسئلہ نہیں سلجھا سکی تھی، ویسے گلی گلی گھومتی پھرتی تھی۔
"نہیں سر۔" وہ عادتاً کھلکھلائی تھی۔
"تو پھر؟" ہیام بھی عادتاً چڑا۔
"ایکچوئیلی سر! آپ کے لئے خوشخبری ہے۔" بیا نے لمحوں میں سسپنس کری ایٹ کرنے کی ننھی سی کوشش کر لی تھی، اس کے انداز میں دبا دبا جوش بھی تھا، ہیام چونکا اور پھر جیسے چیخ پڑا تھا۔
"میرے ٹرانسفر آرڈر تو نہیں آ گئے؟" اس کی بے ساختہ چیخ پہ بیا نے لمحوں میں اس کی خوش فہمی کا تاج محل دھڑام سے گرایا تھا۔
"جی نہیں۔"
"تو پھر؟" اس کی آواز کہیں گلے میں مر مرا گئی تھی، لاہور آتے ہوئے وہ جتنا پرجوش تھا، اب اسی قدر بیزار نظر آتا تھا، مسئلہ وہی ہنوز رہائش کا تھا۔
"وہ سر! آپ کے لئے میں نے بہت اچھی جگہ رہنے کا بندوبست کر لیا ہے۔" بیا نے مزید اس کا سر کھائے بغیر بڑی اعلیٰ پائے کی خوشخبری اس کے کانوں میں انڈیلی تھی، ہیام تو مارے خوشی

کے بھونچکا رہ گیا تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسی خبر بھی سن سکتا ہے؟ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس عقوبت خانے سے جان چھوٹ سکتی ہے؟

''کیا واقعی؟'' ہیام نے بے یقینی سے کوئی چوتھی مرتبہ دہرایا تھا، اسی طرح کوئی چوتھی مرتبہ بیا نے اسے یقین دلانے کی کوشش میں متوقع رہائش کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تھے۔

''کہاں؟ کس جگہ؟'' ہیام کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ابھی کے ابھی اپنا سوٹ کیس اٹھا کر چل پڑتا، بیا اس کی ایکسائٹمنٹ پہ عادتاً کھلکھلائی تھی۔

''یہیں اسی جگہ۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ایک مرتبہ پھر بھونچکا ہوا تھا، کیا بیا نے اس کے ساتھ مذاق کیا تھا؟ اس بیا کی ایسی جرأت؟ وہ لمحوں میں لال پیلا ہو گیا تھا۔

''تم نے ہمت کیسے کی مجھ سے مذاق کرنے کی؟'' ہیام جیسے پھٹ پڑا تھا، بیا بھی ذرا گڑبڑائی تھی، پھر روہانسی ہو گئی تھی۔

''میں نے کب مذاق کیا؟'' اس کا منہ بھی شاید اتر گیا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ تنک کر بولا۔

''پھر یہ کہ اسی شادمان کالونی کے کارنر پہ ایک رہائشی عمارت ہے، جسے احسان منزل کہا جاتا ہے، یہ آپ کی چوتھی اور آخری رہائش گاہ ہوگی، اگر یہاں سے نکلے، یا نکالے گئے تو مجھ سے کوئی امید مت رکھیے گا سر! کیونکہ میں آپ کی رہائش کا بندوبست کرتے کرتے اپنی دسویں جوتی توڑ چکی ہوں، لیکن نہ تو آپ کو مکان پسند آتا ہے نہ مکین۔'' اس نے جیسے گرج چمک کے ساتھ وارننگ دی تھی، ہیام ساری بات سمجھ کر کانوں تک مسکرا اٹھا تھا۔

''تھینک یو سو مچ بیا! اللہ کرے تمہاری پروموشن ہو جائے، تمہارا منگیتر قطر سے آ جائے اور تم شادی ہو کر سوئٹزرلینڈ چلی جاؤ۔'' وہ مارے ایکسائٹمنٹ کی الٹی سیدھی دعاؤں پہ اتر آیا تھا، بیا جیسے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

''آف یہ سر بھی نا۔''

''بتاؤ بیا! مجھے کب اپنے محل سرا میں جانا ہوگا؟'' ہیام نے بے چینی سے پوچھا تھا، اس کا بس چلتا تو وہ ابھی سوٹ کیس اٹھا کر بھاگ نکلتا، پچھلا کرایہ دیئے بغیر۔

''میں نے بات تو کر لی ہے سر! آپ ایک مرتبہ جگہ، مکان، کمرہ دیکھ لیں۔'' بیا نے مرمری آواز میں کہا تھا، ہیام اس کا سر ہوتا تو وہ اتنا ضرور کہہ دیتی۔

''آپ کو کوئی چیز پسند بھی تو نہیں آتی۔''

''ہاں، کیوں نہیں، میں آج ہی بلکہ ابھی کہ ابھی.....!'' اس نے اسکواش کا بھرا جگ میز پہ رکھ دیا تھا۔

''ارے نہیں، نہیں، ابھی نہیں سر! آپ کل دیکھنے کے لئے جایئے گا، آج تو ان کے گھر مہمان آ رہے ہیں۔'' بیا کو اچانک ہی صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا، ہیام سے بھلا کیا بعید تھی، وہ

ابھی اٹھ کر بھاگ نکلتا، کیونکہ وہ اس گھر سے کوڈے کوڈے بیزار تھا۔

''اس گھر کی لوکیشن کیا ہے بیا!'' ہیام کو ڈھنگ کا سوال پوچھنے کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''ارے آپ چوزوں کے ڈربے کی کھڑکی کھولیے نا۔'' بیا نے ہیام کے اس کمرے کا حوالہ دیا تھا جس میں وہ ابھی بھی موجود تھا۔

ہیام جیسے حیران رہ گیا، یعنی کہ اس کا کمرہ؟ اور یہ اکلوتی کھڑکی؟ ہیام نے گردن موڑ کر کمرے کی اکلوتی کھڑکی کی طرف دیکھا تھا جو آثار قدیمہ کا کوئی منظر پیش کر رہی تھی۔

''اس کو کھولیں گے تو احسان منزل کی بیک نظر آئے گی۔'' بیا نے اس کو لوکیشن سمجھا کر فون رکھ دیا تھا اور ہیام نے مارے بے قراری سے چھلانگ لگائی تھی اور پھر کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر باہر تک لٹک آیا، سامنے احسان منزل کا پچھلا حصہ دکھائی دے رہا تھا، ہیام کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ آنکھیں مسل مسل کر دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور پھر جیسے لمحوں میں دھوپ بھری دوپہر کے ایک ایک ریشے میں قوس وقزح اتر آئی تھی، ہیام جیسے ساعتوں میں فریز ہو گیا تھا، وہ کھڑا اور جم گیا، رکا اور تھم گیا تھا۔

☆☆☆

الگنی سے ایک ایک کپڑا احتیاط سے اتارتے ہوئے نشرہ کو کسی بے نام سی تپش کا احساس ہوا تھا، اس نے چور نگاہوں سے بہتیرا اردگرد پہ نگاہ دوڑائی تھی، اسے آس پڑوس میں ہر طرف ویرانی اور خاموشی دکھائی دی، گو کہ آج اتوار کا دن تھا، پھر بھی ہر طرف خاموشی تھی جیسے بچے اور ان کی مائیں ابھی تک اتوار کو انجوائے کرتی آرام فرما رہی تھیں۔

نشرہ سوکھے کپڑوں کو تہہ لگاتی کچھ بے قراری دکھائی دی تھی، کیونکہ بے نام سی وہ تپش ابھی تک اس کا ماتھا سلگا رہی تھی۔

اس نے ایک مرتبہ پھر گردن گھما کر دیکھا تھا، آس پاس کے جڑے مکانوں کی چھتیں اور بالکونیاں خالی تھیں، بس سامنے کے کھنڈر مکان کی ایک کھڑکی کا پٹ ذرا ہلتا دکھائی دیا تھا، نشرہ اس مکان کو جنوں کا اڈہ کہتی تھی اور اس طرف دیکھنے سے بھی گریز کرتی تھی۔

ایک دن تایا سے سنا تھا یہاں کوئی نوجوان ڈاکٹر کرائے پہ رہتا ہے، نشرہ کو چونکہ دلچسپی نہیں تھی، اس لئے توجہ بھی نہیں دی تھی، ورنہ تایا تو یہ بھی بتا رہے تھے کہ وہ نوجوان اس مکان سے جلد پیچھا چھڑوانا چاہتا ہے اور شاید تایا نے تائی سے کچھ اور بھی کہا تھا، کیا کہا؟ یہ نشرہ سن نہیں سکی تھی، تاہم تائی کی آواز اس کے کان میں ضرور پڑی تھی۔

''فرح چلی جائے، پھر بلانا، بات تو بھلے کی ہے، اس رقم سے کمیٹی ڈال لوں گی۔'' تائی کو تایا کا مشورہ بھا گیا تھا، شاید تائی گیسٹ روم رینٹ کے لئے خالی کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں، نشرہ نے تب دھیان نہیں دیا تھا، وہ اب بھی گھر میں ہونے والی چہل پہل سے بے نیاز تھی۔

گو کہ فرح پھپھو کے آنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور نشرہ یہ بھی جانتی تھی کہ پھپھو کسی خاص مقصد کے تحت آ رہی تھیں، وہ خاص مقصد کیا تھا؟ نشرہ کو کوئی نہ بھی بتاتا تو تب بھی ولید کی چمکتی آنکھیں اس راز کو ضرور افشاں کر دیتی تھیں، جو نشرہ کے دل کو اس گھر کی گھٹن سے لمحہ بھر کے لئے

بے نیاز ضرور کر دیتا تھا۔

ایک ایسا خیال جو حبس بھری دوپہروں میں ساون کی پون سا لگتا، جس میں سبز پتوں کی پازیبیں بجنے لگتی تھیں، ایک ایسا خواب آگیں لمحہ جو اس کی زندگی میں آتا یا نہ آتا پھر بھی نشرہ کی آنکھوں میں موسم بہار کے سارے رنگ بھر جاتا تھا۔

کیا خبر تھی کہ کسی ایسی ساعت میں قبولیت کا درجہ پاتی کوئی دعا نشرہ کی زندگی کے ہر رخ کو بدل دیتی اور اب ولید کی ممی یعنی نشرہ اور عینی کی پھپھو آرہی تھیں۔

گھر میں پھپھو کے لئے خاص الخاص انتظامات اور تیاریاں چل رہی تھیں، اوپر، نیچے دونوں پورشنز میں بڑی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

تائی اور چاچی مقابلے پہ اپنے اپنے پورشنز چمکا رہی تھیں، ہر روز بازاروں کے چکر لگتے، خریداری ہوتی، رنگ رنگ کی اشیاء سے گھر بھرا جارہا تھا، ساتھ ساتھ ''بجٹ'' بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔

چونکہ اپنی اپنی بیٹیوں کے فیوچر کا معاملہ تھا سو دونوں کو پیسے اڑانے کی کوئی پرواہ نہیں تھی، نشرہ اس ''ریس'' سے قطعاً الگ تھی، نہ ہی کوئی اسے مقابلہ بازی میں شمولیت کا اہل سمجھتا تھا، ان دنوں عینی ولید کے اردگرد بہت منڈلا رہی تھی اور ساتھ ساتھ سگھڑ بننے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی، تائی بھی اسے ایک ہی ہفتے میں ماسٹر شیف بنانے پہ تلی ہوئی تھیں، یوں شامت اعمال نشرہ کی آئی ہوئی تھی، بہرحال ٹریننگ تو نشرہ ہی دے سکتی تھی اور وہ حتی المقدور دے بھی رہی تھی، تاہم تائی کسی طور پہ بھی مطمئن نہیں ہو پارہی تھیں، انہیں نشرہ پہ ہی بار بار تاؤ چڑھتا تھا۔

''تم ڈھنگ سے سکھاتی ہی نہیں۔'' کل بھی تائی تازہ تازہ فرمان جاری کر رہی تھیں، نومی جو پاس ہی تخت پہ براجمان تھا، لمبی سی ہانک لگا کر بولا۔

''تو آپ خود سکھا دیں امی! اگر آپ کی لاڈو اس قابل ہو تو سکھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔''

تائی تو نومی کی بکواس پہ پیچ پا ہو گئی تھیں، ولید اوپر موجود تھا اور اس کی موجودگی میں نومی کی بک بک خطرے سے خالی نہیں تھی، بجائے بہن کی جھوٹی سچی تعریفیں کرتا الٹا کھانے کی میز پہ بھی سو سو باتیں بناتا تھا۔

''ہمارا ابھی کوچ کا ارادہ نہیں، ہمارے معدوں پہ رحم کرو عینی! کھانا نشرہ کو ہی پکانے دیا کرو۔'' نومی کی لمبی زبان ولید کے سامنے بھی نہیں رکتی تھی، تائی کی لاکھ گھوریوں کو وہ کسی خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا۔

''یہ پھپھو کی آمد کا الارم بجتے ہی تم اتنی کچن کانشس کیوں ہو چکی ہو عینی! پھپھو کیا تمہیں ایوارڈ سے نوازیں گی؟'' وہ بڑی بھولی صورت بنا کر سوال کرتا تھا، تب تائی ولید کے اٹھتے ہی فارم میں آجاتیں۔

''کمینے! تمہیں تو حیا نہیں، اپنا فیوچر تو اندھیرے میں ڈوبا ہے، بہن کا مستقبل بھی تابناک مت ہونے دینا۔'' ان کے غیض پہ وہ اور بھی پھیل جاتا تھا، پھر معنی خیزی سے آنکھیں پھیلا لیتا۔

"کچن میں الٹے سیدھے تجربوں سے بہن کا فیوچر چمک رہا ہے کیا؟" اس کے بھولپن پہ نشرہ کو بے انتہا ہنسی آ جاتی تھی جسے چھپانے کے لئے وہ کچن میں روپوش ہو جاتی، ورنہ تائی کی توپوں کا رخ اس کی طرف پلٹتے دیر نہ لگتی۔

"بکواس مت کرو نومی۔" تائی کو تاؤ چڑھ جاتا تھا، لیکن نومی انہیں ستانے سے باز نہیں آتا تھا، پھر ایک مرتبہ یہاں تک بھی جتاتا اٹھ کر بھاگ نکلا تھا۔

"کب تک نشرہ کی محنت کو عینی کے نام کا ٹیگ لگاتی رہیں گی؟" نومی پہ اگر سچائی کا دورہ پڑتا تو پھر وہ کسی کو بھی معاف نہیں کرتا تھا، ایسی ایسی لگاتا جو بجتی ہی نا، تائی اس کو ڈرا دھمکا کر بھاگ جانے پہ مجبور کر دیتی تھیں۔

اور اب تو فرح پھپھو آ رہی تھیں، بلکہ آج شام تک پہنچ رہی تھیں، سو دونوں پورشنز میں لڑکیاں کیل کانٹوں سے لیس تھیں اور فرح پھپھو کو متاثر کرنے کے چکر میں سر دھڑ کی بازی لگانے پہ تلی ہوئی تھیں۔

پھر رات تک فرح پھپھو بھی آ گئی تھیں، یوں گھر بھر میں رونقیں اتر آئیں، اوپر والے بھی نیچے آ چکے تھے، رات کا کھانا سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا، گو کہ تائی اوپر والوں کو کم ہی برداشت کرتی تھیں تاہم اپنے مطلب کے لئے اور فرح پھپھو پہ اپنی اچھائی ثابت کرنے کے چکر میں ان سب کو جھیلنے پہ مجبور تھیں، ماحول بھی خاصا خوشگوار تھا اور آج تو تائی بار بار نشرہ پہ بھی پیار جتا رہی تھیں۔

"بس فرح! ہم نے تو کبھی نشرہ کو عینی سے کم نہیں جانا۔" پھپھو کی کسی بات کے جواب میں تائی رقت بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

"لیکن احسان کی کمی پوری کرنا تو ممکن نہیں۔"

تائی کھینچ گھسیٹ کے آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھیں، نشرہ تائی کی اس اداکاری پہ ذرا بھی حیران نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اتنے سالوں میں وہ تائی کے ہر قسم اور ہر رنگ کے ڈراموں کی عادی ہو چکی تھی۔

ادھر فرح پھپھو بہت افسردہ نظروں سے نشرہ کو دیکھ رہی تھیں، تاہم یہ کیفیت لمحاتی تھی، پھر سب لوگ کسی اور موضوع کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، نشرہ گہرا سانس کھینچ کر برتن سمیٹنے لگ گئی تھی، وہ جانتی تھی اس گھر میں اس کی اتنی ہی اہمیت تھی، اس سے زیادہ وہ نشرہ پہ گفتگو کرنا گناہ سمجھتے تھے۔

وہ برتن دھوتی سخت آبدیدہ اور دل برداشتہ تھی، کیونکہ فرح پھپھو کے رویئے سے گرم جوشی مفقود تھی، جس کی نشرہ کا دل تمنا کر رہا تھا وہ اپنائیت بھی مفقود تھی، کچھ دیر بعد ولید کسی کام سے کچن کی طرف آیا تو نشرہ کو مصروف دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے رک گیا تھا۔

"تم یہ کام کچھ دیر کے لئے روک نہیں سکتی؟" ولید کی آواز پہ بے ساختہ نشرہ نے چونک کر پیچھے کی طرف رخ کیا تھا، وہ ڈور فریم میں کھڑا تھا اور نشرہ کو ہی دیکھ رہا تھا، نشرہ نے گہرا سانس خارج کیا اور ٹونٹی بند کرتے ہوئے بولی

"کل بھی تو مجھے ہی کرنا ہے۔" اب وہ دھلے ہوئے برتن کپڑے سے خشک کر رہی تھی۔

"ابھی تم کچھ دیر کے لئے ممی کو ٹائم دیتی، وہ کیا سوچیں گیں۔" ولید نے کچھ جھنجلا کر کہا تھا۔

''ان کو سوچنے کے لئے بھی ٹائم نہیں ملے گا، عینی اور تائی جو موجود ہیں۔'' نشرہ نے سادگی سے بتایا۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں، عینی ہی کیوں؟ تم کیوں نہیں؟ تمہیں ممی کے پاس بیٹھنا چاہیے، انہیں ٹائم دینا چاہیے۔'' ولید اسے جو بات سمجھا رہا تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی، لیکن وہ ولید کو تائی کی نیچر کے متعلق نہیں سمجھا سکتی تھی، وہ اسے خود بہانے بہانے سے اٹھا دیتی تھیں، فرح پھپھو کے قریب بھی بیٹھنے نہیں دیتی تھیں، فرح پھپھو کے اردگرد تو عینی منڈلا رہی تھی، اوپر والوں کو بھی دال کم از کم عینی کے سامنے نہیں گل سکتی تھی۔

''تائی ناراض ہوں گی، اتنا پھیلا ہوا ہے، اسے کون سمیٹے گا؟'' نشرہ نے دبی آواز میں کہا۔

''تم بس کنیز بنی خدمتیں کرتی رہنا۔'' ولید صاحف طور پر خفا لگ رہا تھا، نشرہ بے بس سی ہو گئی، بھلا ولید کو کیسے سمجھاتی؟ جو وہ چاہ رہا تھا عینی کی موجودگی میں قطعاً ممکن نہیں تھا، نہ تائی یہ گوارا ہونے دیتیں۔

''تو کیا کروں میری قسمت میں یہی لکھا ہے۔'' اس کے اوپر رقت طاری ہونے لگی۔

''تمہارے جیسے لوگ خود کو قسمت کے دھارے پہ چھوڑ دیتے ہیں۔'' وہ لحوں میں بیزار ہو گیا تھا۔

''اور پھر خود کو ڈبو لیتے ہیں۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں؟ اپنی قسمت کو کہاں تک بدل سکتی ہوں؟'' نشرہ اندر ہی اندر کٹنے لگی تھی۔

ولید چند لمحے تو کھڑا رہا تھا، پھر غصے میں ہونٹ چباتا ہوا باہر نکل گیا، نشرہ کی یہی بیزاری اور گم صم لئے دیئے رہنے والے انداز اسے بددل کر دیتے تھے۔

اسے یوں لگتا تھا وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے، نشرہ دو قدم پیچھے ہٹ جاتی ہے، وہ نشرہ کے ان طور طریقوں کو کس بات سے تعبیر کرتا؟ اس کی بیزاریت؟ خوف یا ناپسندیدگی سے؟ اور نشرہ خشک برتن کے ڈھیر لگائی آنکھوں کی نمی چھپاتی اپنی قسمت کے ہر انداز پہ حیران تھی۔

لاؤنج میں ابھی تک آوازیں آ رہی تھیں، ان آوازوں میں کس قدر تازگی تھی، کس قدر زندگی تھی، کس قدر امیدیں تھیں، یوں لگتا تھا بس زندگی پہ انہی لوگوں کا حق ہے۔

اسے فرح کی آواز ایک مرتبہ پھر لاؤنج کے دروازے تک کھینچ لائی تھی، گو کہ وہ ٹرے میں سبز قہوہ سجا کر پیالیاں اٹھائے اندر آ رہی تھی تاہم کچھ دیر کے لئے ہی سہی وہ لاؤنج کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔

سب بڑے آپس میں مصروف گفتگو تھے، ولید اور عینی ''ٹو سٹر'' پہ بیٹھے جانے کس موضوع پہ بات کر رہے تھے، عینی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی جیسے ولید اسے کوئی مزیدار قصہ سنا رہا تھا۔

فرح ان دونوں کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر میٹھی نظروں سے مسکرا رہی تھیں، جیسے انہیں ولید اور عینی کو دیکھ کر ہر منظر مکمل ہوتا نظر آ رہا تھا۔

نشرہ نے کن اکھیوں سے ایک ایک چیز کا مشاہدہ کر لیا، اسے اپنا وجود لمحوں میں مس فٹ محسوس

ہونے لگا تھا، وہ پیالیاں سب کے ہاتھوں میں پکڑاتی ہوئی خالی ٹرے اٹھا کر باہر نکلنے لگی تھی جب اچانک فرح نے تایا کو مخاطب کر لیا۔

''بھائی! آپ کے پارا مزاج سیلانی بیٹے کا کیا حال ہے؟'' فرح کے اچانک موضوع گفتگو میں بدلاؤ دیکھ کر تائی اور تایا دھک سے رہ گئے تھے، فرح نے بھی کس وقت کس بندے کا احوال پوچھ لیا تھا، تائی کے اندر باہر غصے کی لہریں اٹھنے لگی تھیں، ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا، یقین واثق تھا کہ تائی کے منہ سے کوئی بے ہودہ جملہ نکل ہی پڑتا، لیکن تایا کے جواب نے تائی کے دل کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

''وہ مرا، جیا میرے لئے برابر ہے۔'' تایا کا منہ لال ہو گیا، ان کا لہجہ بلا کا اجنبی اور سنگین ہو چکا تھا، فرح کو بہت ہی برا لگا، اس کا موڈ بھی بدل گیا، جیسے بھائی کا جواب فرح کو پسند نہیں آیا تھا۔

''ایسا تو مت کہیں، اسامہ آپ کا بیٹا ہے، اس حقیقت سے انکار تو نہیں کر سکتے آپ؟''

''بیٹے ایسے نہیں ہوتے۔'' تایا نے تائی کی طرف دیکھ کر قدرے کرختگی سے کہا تھا، تائی کو ان کا جواب اور کرختگی بھا گئی تھی۔

''تو کیا بیٹے نومی جیسے ہوتے ہیں؟'' فرح کے طنزیہ لب و لہجے نے ان دونوں کو لمحہ بھر کے لئے ہونق بنا دیا تھا، انہیں امید نہیں تھی، فرح اتنے کڑک اور منہ پھٹ انداز میں نومی کے نکمے پن کو جتلا دیں گی۔

''اسامہ اتنا لائق اور ذمہ دار بچہ ہے، اتنی بڑی کمپنی کے ساتھ منسلک ہے۔''

''رہنے دو فرح، کوئی لائق اور قابل نہیں، پورا سال لور لور گھومتا ہے، گلی گلی کی خاک چھانتا ہے، قریہ قریہ بھاگ رہا ہے، نہ کام نہ دھام، ہمیں تو آج تک ایک دھیلا نہیں دیا، اس کی مرحومہ ماں نے جو زہر اس کے دل میں ہمارے لئے بھرا تھا وہ آج تک نہیں نکلا، وہ ہمیں اپنا نہیں سمجھتا، سالوں بعد کبھی گھر کی راہ یاد آتی ہے، تو پیچھے کی طرف پلٹتا ہے، ورنہ اس کے پیروں میں پہیے بندھے ہیں۔'' تائی کو اسامہ کے خلاف بولنے کا موقع مل گیا تھا، وہ اسامہ جس کا وجود اس گھر میں نشرہ سے بھی زیادہ ان چاہا تھا، اسی اسامہ کو آج سالوں بعد ڈسکس کیا جا رہا تھا۔

جو نشرہ کے تایا کی پہلی بیوی میں سے اکلوتی اولاد تھی، جسے تایا نے اس کی ماں کو طلاق دینے کے بعد کبھی یاد ہی نہیں کیا تھا، وہی اسامہ جو بھی کبھار بھول چوک سے واپس اس گھر میں رات بھر کے لئے آ جاتا تھا، جس کا سفر ایک رات سے شروع ہو کر ایک رات پہ ہی ختم ہو جاتا تھا، اسی اسامہ کو بڑے برے دل کے ساتھ یاد کیا جا رہا تھا۔

''کیا کہنے بھابھی آپ کے، اسامہ کی آپ کو قدر ہی نہیں، ماشاءاللہ سے آرکیالوجسٹ ہے وہ، اس کی جاب کا حصہ ہے نگر نگر گھومنا اور تاریخ و قدامت کو کھوجنا۔'' فرح کے جتلانے پہ تائی ...

''ہمیں کیا فائدہ فرح! آج تک باپ کا ہاتھ نہیں بٹایا اس نے، اولاد ہو کر ثابت نہیں کیا۔''

تائی پھر سے بات کو گھما دینا چاہتی تھیں، لیکن فرح نے ان کی بات کو بیچ میں ہی اچک لیا تھا۔

''باپ نے بھی تو آج تک اسے بیٹا نہیں مانا۔'' فرح کے جتلانے پہ تایا لمحہ بھر کے لئے چپ

سے رہ گئے تھے پھر اچانک اٹھے اور ڈھلکے کندھوں سے باہر نکل گئے۔
جبکہ فرح ان کی بحث کو نظر انداز کر کے ولید کو اسامہ کے بارے میں بتانے لگی تھیں، اسامہ جہانگیر کے بارے میں جو آج بھی اپنے نام کے ساتھ باپ سلیمان کا نہیں بلکہ اپنے نانا جہانگیر کا نام لگانا پسند کرتا تھا، جو آج بھی اپنے گھر والوں سے بیزار قریہ قریہ گھوم رہا تھا۔

☆☆☆

مورے کو امید ہی نہیں تھی کہ عمکیہ کی ساس شادی کی تاریخ لے کر جائیں گی، وہ تو خوشی خوشی ان کی دعوت شیراز نمٹا کر (جو عشیہ کی حاضر دماغی کے باعث انہیں ذلت سے بچا گئی تھی) چین کی بانسری بجانا چاہتی تھیں، لیکن عمکیہ کی ساس کے دھونس جما کر اپنی بات منوا لینے کے بعد ہونق سی بیٹھی رہ گئیں۔

وہ تب سے لے کر اب تک گم صم بیٹھی تھیں، پہلی والی بوکھلاہٹ اور غصے کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی، اتنی جلدی عمکیہ کی شادی کرنا ان کی بساط سے بہت بڑھ کے تھا، اوپر سے عشیہ کا موڈ بھی آف ہو گیا، وہ تاریخ کا سن کر اونچی آواز میں بڑبڑانے لگی تھی۔

''یہ چند ڈشز پہ مشتمل دعوت نہیں، جسے روز گل سے ادھار کے نام پہ پیک کروا لاؤں، پورا جہیز پیکج تیار کرنا ہو گا اور ہیام کی تنخواہ میں اتنی جلدی گنجائش نہیں نکلتی۔'' عشیہ کی کڑواہٹ مورے کے اندر تک اتر رہی تھی، گو کہ اس کی باتیں غلط نہیں تھیں، پھر بھی مورے کے خواہ مخواہ غصہ آتا رہا۔

''تو پھر میں کیا کروں؟'' مورے نے تڑخ کر کہا۔

''آپ شادی کو ملتوی کریں۔'' عشیہ کا اطمینان قابل دید تھا، مورے بھڑک اٹھیں۔

''تم تو چاہتی ہی یہی ہو، شادی ملتوی ہو، میرے ہی سینے پہ ساری مونگ دلتی رہو، جان مت چھوڑنا میری۔'' وہ چلانے لگی تھیں۔

''اتنی جلدی تو جان نہیں چھوٹ سکتی، ایسا کریں زہر کی پڑیا کہیں سے لا دیں، ذرا ذرا سی پھانک لیں گے تو آپ کی جان آسانی میں آ جائے گی۔'' عشیہ کے ایسے مشورے ہمیشہ تیار رہتے تھے، عمکیہ ارد گرد سے چیزیں سمیٹتی کسلتی رہی۔

''اب یہ خاموش نہیں ہو گی۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتی رہی تھی، معاً فون کی گھنٹی نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، عشیہ ہی دھپ دھپ کرتی فون تک آئی تھی، جیسے ہی فون اٹھایا اس کا انداز ہی بدل گیا تھا۔

''آ گئی تمہیں یاد؟'' اس کے طنزیہ لہجے نے بتا دیا تھا کہ دوسری طرف ہیام کے سوا کوئی نہیں۔

''یاد انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھول کے یاد کیا جائے، جو ہر وقت ذہن میں گردش کر رہے ہیں ان کو کیا بھولنا کیا یاد کرنا، تم تو میرے دماغ کو چکی کی طرح گھماتی ہو، دماغ سے نہیں نکلتی۔'' وہ بھی ہیام تھا، اپنے ہی انداز میں بات کرتا تھا۔

''یہ چالاکیاں کسی اور کے ساتھ کرنا، مجھے نہیں تم بنا سکتے۔'' عشیہ نے ڈپٹ کر جتلایا۔

''کیا؟'' ہیام چونکا تھا۔

''کیا نہیں بنا سکتا؟''

''اُلو۔''عشیہ نے چبا چبا کر کہا، دوسری طرف ہیام کا قہقہہ بڑا ہی بے ساختہ تھا۔

''بنے بنائے کو کیا اُلو بنانا۔'' وہ دیر تلک ہنستا رہا تھا، عشیہ کو تپ چڑھ گئی تھی۔

''بس باتیں ہی بناتے رہنا۔''

''تو اور کیا کروں؟'' ہیام فوراً معصوم بنا۔

''جیسے تمہارے کرنے کو کچھ نہیں۔''عشیہ نے غصے میں جتلانے کی کوشش کی تھی۔

''تو کیا کروں؟ اجازت ہے؟'' ہیام بے ساختہ خوش ہو کر پرجوش ہوا تھا۔

''تم گارنٹی دو، مورے کچھ نہیں کہیں گی، میں آج ہی کچھ کر لیتا ہوں۔'' ہیام کے انداز ہی بدل گئے تھے، وہ کھنکتے لہجے میں بولنے لگا، ادھر عشیہ کھٹک سی گئی تھی۔

''کیا؟'' اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

''شادی اور کیا؟'' ہیام نے معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے ادھر عشیہ نے چلا کر کہا۔

''بے شرم، اپنے بیاہ کا ہی سوچتے رہنا، ادھر تمہاری بہن کی تاریخ طے ہو گئی۔''عشیہ کی کڑک میں ایسا دم تھا کہ ہیام کی ساری چونچالی ہوا ہو گئی تھی، وہ لمحہ بھر میں ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''کیا واقعی؟ مورے نے عمکیہ کی تاریخ دے دی؟'' ہیام اچھا بھلا بوکھلا گیا تھا، وہ اکلوتا گھر کا سربراہ تھا، اپنی ذمہ داری جانتا تھا اور یہ بوکھلاہٹ بھی اسی پریشانی کے سبب تھی۔

''ہاں۔''

''تو پھر، اتنی جلدی کیسے ہو گا سب کچھ؟'' ہیام بھی عشیہ کے سوا کسی سے پریشانی نہیں کہہ سکتا تھا، وہ جانتا تھا مورے کی ہزار نفرتوں اور عداوتوں کے باوجود یہ گھر ہیام کے علاوہ عشیہ کے ستون پہ کھڑا ہے۔

''اپنی ماں سے پوچھ لو، جو تاریخ دے کر خراٹے لے رہی ہیں۔''عشیہ نے تخت پہ اونگھتی مورے کو دیکھ کر خفگی سے کہا تھا، ہیام چند پل کے لئے خاموش ہو گیا، پھر جیسے سوچنے لگا تھا، کافی دیر بعد اس نے سکون سے عشیہ کو مخاطب کیا۔

''میں منگورہ آتا ہوں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، تم فکر مت کرو۔'' ہیام کے لہجے میں نرمی اطمینان اور مضبوطی تھی، جیسے وہ سب کچھ چند لمحوں میں طے کر چکا تھا، اسے کیا کرنا ہے؟ اور کس طرح سے کرنا ہے؟

☆☆☆

پہاڑوں پہ سنہری دھوپ لشک رہی تھی۔

لوشے کے جنگلات میں جنگلاتی لکڑی کی کٹائی جوبن پہ تھی، علاقے بھر کی لکڑ کٹائی کے بعد اکٹھی کی جا رہی تھی، پھر قریب ہی کھڑے ٹرکوں اور ٹرالیوں میں لوڈ کروانے کا کام بھی جاری تھا۔

لکڑی کو دوسرے علاقے تک پہنچانے کا ایک طریقہ مہان بھی کہلاتا تھا، اس طریقے کے تحت درخت کاٹ کر انہیں ندی کے تیز پانیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا، ایک شخص اس کی نگرانی کرتا ندی

کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، وہ نہ صرف راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتا بلکہ جس جگہ درخت باہر نکالنا مقصود ہوتا وہاں ایک خاص طریقے سے بند بنا کر یہ کام بھی سرانجام دیتا تھا۔

جنگلات سے لکڑی کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کا دوسرا طریقہ پترو بھی کہلاتا تھا، اس وقت مہان طریقہ کار سے لکڑی دوسری جگہ بھیجی جا رہی تھی، یہ لکڑی کتنی مہنگی، قیمتی اور نایاب تھی اور اسے کیوں کاٹا جا رہا تھا؟ کیا کوئی تحریری، لیگل اجازت نامہ لئے بغیر کٹائی ہو رہی تھی یا غیر قانونی کام سرانجام دیا جا رہا تھا؟ علاقے کا فارسیٹ آفیسر نجانے کہاں تھا؟ امام اونچی پہاڑی پہ افسردہ سا کھڑا سوچتا رہا، پھر اس نے ایک مقامی مزدور سے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''یہ لکڑی کہاں لے کر جا رہے ہو؟'' مزدور نے اس سوال پہ حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے ایسی نظر سے امام کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو، ''کیا تمہیں نہیں پتا؟'' امام نے نفی میں سر ہلایا، وہ قطعاً لاعلم تھا۔

''یہ لکڑی سردار بنو کے کارخانے میں جا رہی ہے، اس کا فرنیچر تیار ہوگا اور لکڑی کے مکانات بنیں گے۔'' امام لمحہ بھر میں ہی چونک گیا تھا، اس نے آرے اٹھاتے مزدور کو پھر سے روک لیا تھا۔

''کیا سردار بنو نے لکڑی خریدی ہے یا پھر؟'' اس کا سوالیہ نشان معنی خیز قسم کا تھا، مزدور نے ایسے سر جھٹکا جیسے امام کی عقل پہ ماتم کیا ہو۔

''او...... ہو یہ سارے جنگل سردار کے ہیں، اجازت کس سے لے گا؟''

''مگر یہ رقبہ تو گورنمنٹ......'' امام کے اگلے الفاظ منہ میں ہی دبے رہ گئے تھے اس کے کندھے پہ پیچھے سے ہاتھ پڑا تھا اور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی تھی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، اس کے کندھے پہ کسی کا ہاتھ نہیں پڑا تھا بلکہ ایک چھڑی سے اسے متوجہ کیا گیا تھا، وہ چھڑی گھڑ سوار کے ہاتھ میں تھی اور گھڑ سوار کوئی بگڑا ہوا سردار نہیں بلکہ کسی مغرور سردار کی بگڑی ہوئی بیٹی تھی۔

امام لمحوں میں چونک گیا، اس کے چونکنے کی وجہ یہ حسین سا مغربی نمونہ ہرگز نہیں تھا، بلکہ اس لڑکی کے اطوار تھے، اس کا انگریزی لہجہ اور اردو گفتار خاصی حیران کن اور دلچسپ تھی، امام نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا تھا۔

''اے مسٹر! تم میرے بابا کے بارے میں کیا بات کرتے ہو؟ مجھ سے پوچھو، یہ سارا علاقہ میرے باپ کا ہے۔'' لڑکی کے انداز میں واضح نخوت اور غرور تھا، امام کو زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کا غرور دل سے بھا گیا اس کی دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

''اور تم؟'' امام نے بازو سینے پہ لپیٹ کر بڑے پرشوق لہجے میں پوچھا، جیسے کہہ رہا ہوں ''تم کون ہو؟'' وہ خاصی ذہین اور سمجھدار لگتی تھی، اس کی آنکھ میں اترا سوال پڑھ گئی، اس نے گھوڑے کی باگوں کو کسا اور نخرے کے ساتھ ذرا نخوت سے مسکرا کر بالوں کو جھٹکا دیا، اس انداز میں کے اس کی زلفوں میں کئی طرح کی لہریں سی اٹھی تھیں جن کے ارتعاش میں امام کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''میں سردار کبیر بنو کی بیٹی ہوں، نیل بر کبیر خان بنو۔'' اس کی نیلی آنکھوں میں کوندی سی بھر گئی تھی، امام جیسے شاکڈ رہ گیا تھا، سامنے نیلگوں بے کراں سمندر تھا، نیلے کانچ سے بھرے کٹورے

خوبصورت دل نشین سی آنکھیں اوپر سے مغرور انداز، واللہ؟ امام لمحوں میں فریز ہوا پھر چونکا، کچھ سنبھلا اور پھر مزے سے بول پڑا تھا۔

''واہ کیا کہنے، سبحان اللہ۔'' وہ جیسے سر دھن گیا تھا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' اس کا انداز فدویانہ تھا، گو کہ یہ اس کا مزاج ہی نہیں تھا پھر بھی امام کو اپنا آپ کنٹرول لائن سے باہر لگا تھا، وہ اپنے دل اور مزاج کی کیفیتوں پہ خود ہی حیران رہ گیا۔

''اور مجھے بھی۔'' مقابل کی آنکھوں میں بھی ہلکی ستائش ابھری تھی پھر لحہ بہ لحہ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

''تم کون ہو؟'' وہ گھوڑے سے اتر کر امام کے مقابل تن کر کھڑی ہو گئی، آخر سردار کبیر بتو کی بیٹی تھی، اس کے انداز جداگانہ ہی ہو سکتے تھے۔

''میں ڈپٹی سرویئر جنرل امام فریدے شاہ۔'' امام نے بہت عاجزی کے ساتھ اپنا تعارف کروایا۔

''واؤ..... تو تم وہ ہو؟'' نیل بر نے وہ کو لمبا کھینچ کر اسے حیرانگی میں مبتلا کر دیا تھا۔

☆☆☆

اسے ابھی ابھی سردار کی کال موصول ہوئی تھی، سو ناشتہ کیے بغیر وہ جلدی سے تیار ہوتا باہر نکلا تو صبح سویرے ہی سبا خانہ سے ٹکراہو گیا۔

وہ اتنی سویرے اس مہارانی سے ٹکرانا نہیں چاہتا تھا سو لمحوں میں کترا کر آگے بڑھنے لگا، لیکن سبا خانہ اتنی ہی تیزی کے ساتھ جہاندار کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

''کبھی ہم سے بھی کلام کر لیا کرو، نیل بر کے علاوہ کوئی اور بھی اس گھر میں موجود ہے۔'' سبا خانہ نے اپنے ازلی طنزیہ انداز میں جتلا کر کہا تھا، جہاندار گہری سانس کھینچ کر رک گیا، اس کی ہلکی شربتی آنکھوں میں ناگواری اتر رہی تھی، لیکن وہ خود پہ کنٹرول کرتے ہوئے کھڑا تھا۔

''نیل بر سے کلام کرنا میری ڈیوٹی کا حصہ ہے۔'' اس کا انداز بھی صاف جتلانے والا تھا، سبا خانہ کی آنکھوں میں ایک تیز لپک جم گئی تھی۔

''اور اس کا خیال رکھنا؟'' بہت کٹیلے لہجے میں طنز کرتی وہ جہاندار کو ہمیشہ سے زیادہ بری لگی تھی۔

''اس کا خیال رکھنا بھی میری ڈیوٹی کا حصہ ہے اور میں اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہوں۔'' جہاندار نے گہرے مستحکم لہجے میں اسے باور کروا دیا تھا، سبا خانہ اندر تک جھلس گئی تھی۔

''اور میں؟'' اس نے بے قراری سے کہا، آنکھوں میں ایک دم سے وحشت ناچنے لگی تھی، جہاندار نے اسے گہری نگاہ سے دیکھا اور ہنوز سابقہ انداز میں بولا۔

''تم نہیں۔'' وہ آگے بڑھنے لگا تھا جب سبا خانہ نے زبردستی اس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔

''میں کیوں نہیں؟''

''کیونکہ تم نیل بر نہیں ہو۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''اور اگر میں نیل بر ہوتی؟'' سباخانہ پہ وحشت سی سوار ہونے لگی تھی، اس کی آنکھیں جلنے لگیں، دل جلنے لگا، وجود جلنے لگا۔

''تو جہاندار کی ڈیوٹی کا حصہ ہوتی۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے مسکرایا تھا، پھر اطمینان سے کترا کر گزرتا چلا گیا تھا، جبکہ سباخانہ وحشت بھری آنکھوں سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی، دیکھتی جارہی تھی، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں نمی بھرنے لگی تھی، پھر اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو گرنے لگے تھے، حمت وہاں سے گزری تو لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔

اس نے سباخانہ کو روتے دیکھا تو آگے بڑھ نہ سکی، وہ دو قدم کا فاصلہ سمیٹتی قریب آ گئی تھی۔

''سباخانہ؟'' حمت نے اس کی کہنی ہلائی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا سباخانہ؟'' وہ نرمی سے استفسار کرتی رہی، اس کے ہلانے پہ سباخانہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی پھر حمت کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' حمت کو عجیب سا خیال گزرا، اسے سباخانہ کا انداز بھی عجیب لگا تھا، گو کہ سباخانہ عجیب تو تھی ہی، لیکن آج ہر دن سے زیادہ عجیب لگ رہی تھی۔

''نہیں۔'' سباخانہ کے اندر سے گھٹی گھٹی آہ برآمد ہوئی تھی، حمت کچھ گھبرا گئی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے سباخانہ؟'' اس نے متفکر انداز میں پوچھا۔

''مجھے وہ کاٹ رہا ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں دیوار سے ٹیک لگا کر سسکنے لگی تھی، حمت کچھ اور بھی گھبرا گئی تھی، گو کہ اس کی سباخانہ سے کوئی دوستی تو نہیں تھی، نہ ہی ان کے تعلقات بہت اچھے تھے، جو سباخانہ اپنے اندر کی بات اس سے شیئر کر لیتی، پھر بھی حمت انسانی ہمدردی کے تحت فکر مند ہو گئی تھی۔

''کون؟'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''وہی۔'' وہ آنکھیں بند رونے لگی، حمت نے اس کا کندھا ہلایا۔

''آخر کون؟ تم کس کی بات کرتی ہو؟'' اس نے گھبراہٹ کے مارے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

''اسی کی جو نیل بر کے ساتھ چپک کر ساری دنیا کو بھول جاتا ہے۔'' سباخانہ کے لہجے میں کاٹ تھی، حمت جیسے دھک سے رہ گئی تھی۔

''جہاندار؟''

''ہاں۔'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی، حمت کو چکر سا آ گیا تھا، یہ سباخانہ کیا جہاندار سے؟ اس کا دل بھی گھبرا اٹھا۔

''ایسا تو نہیں ہے۔'' حمت نے اسے سمجھانا چاہا تھا، وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی تھی۔

''ایسا کیوں نہیں، وہ نیل بر کی سانسوں سے جڑا ہے، اس کا سایہ ہے۔'' سباخانہ کے لہجے میں حسد اور غصے کی بو رچ رہی تھی، حمت نے نرم آواز میں اسے سمجھانا چاہا۔

''تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں، نیل بر کا خیال رکھنے پہ وہ تنخواہ لیتا ہے، تم کن وہموں میں پڑ گئی۔'' حمت کے کھرے جواب نے سباخانہ کو ایک جھٹکے کے ساتھ ہوش کی دنیا میں لا پٹخا تھا، وہ جیسے جھٹکا کھا کر سنبھل گئی تھی، پھر اس نے آنکھیں پھاڑ کر حمت کو دیکھا، جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ اس

نے حمت کے سامنے کیا کچھ کہہ دیا ہے۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو، جاؤ اپنا کام کرو۔" سباخانہ اسے جھڑک کر آنکھیں مسلتی آگے بڑھ گئی تھی جبکہ حمت اس کے رویئے پہ ہکابکا رہ گئی۔

☆☆☆

وہ میڈیکل سٹور سے نکلا تو اسی وقت ہلکی ہلکی بارش برسنے لگی تھی، چونکہ جیپ تو ہوٹل چھوڑ آیا تھا اس لئے اب زکام کے ساتھ بارش میں بھیگنے کا رسک لینا کچھ مناسب نہیں تھا۔
رات سے سینہ جکڑ رہا تھا، فلو کے ساتھ ہلکی حرارت بھی تھی، مسلسل بھاگ دوڑ کی وجہ سے اس کی طبیعت ناساز ہو رہی تھی۔
اس نے بٹو قبرستان کے احاطے کی کھدائی کا کام چھوڑ کر فی الفور کچھ عرصہ ریسٹ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، گوکہ کھدائی اس نے محض ایک دن کے لئے کی تھی، پھر اچانک ایسا دل گھبرایا کہ کام ادھورا چھوڑ کر وہ آرام کرنے پہ تل گیا تھا، اس ایک دن میں دو مرتبہ حمت سے ملاقات ہوئی تھی۔
حمت نے بتایا تھا سردار اور اس کے دونوں بھتیجے ملک سے باہر گئے ہیں، اگر وہ ایک ہفتے کے دوران کھدائی مکمل کر سکتا ہے تو یہ اس کے لئے بڑا بہترین موقع تھا۔
اسامہ شروع میں ہمیشہ کی طرح پرجوش ہوا تھا لیکن دوران کھدائی اس کا اچانک دل اوب گیا، اسے حرارت نے آن جکڑا تھا اور وہ کام ادھورا چھوڑ کر بستر پہ پڑ گیا۔
ابھی بھی سٹور سے دوائی لے کر وہ بارش میں بھیگتا ہوٹل کی طرف جا رہا تھا جب اچانک پیچھے سے تیز قدموں کی چاپ ابھرتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی اور پھر کسی نے اس کے سر پہ چھاتا تان دیا تھا، اسامہ لمحہ بھر کے لئے چونک گیا اور پھر ایک انہونی سی بے ساختہ خوشی نے اسے گھیر لیا تھا۔
اس کے سامنے عشیہ کھڑی تھی، اسامہ کو کئی لمحے یقین ہی نہ آیا، کیا وہ واقعی ہی عشیہ کھڑی تھی؟ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتا رہا، آنکھیں مسل مسل کے دیکھتا رہا۔
"اے...... ہوش میں آ بھی جاؤ۔" اسامہ کے گھورنے پہ عشیہ نے اپنے بے ساختہ انداز میں اسے ٹوکا تو لمحوں میں وہ ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔
"تم عشیہ! کہاں غائب ہو گئی تھی؟" اسامہ نے بے ساختہ خوشی کو چھپاتے ہوئے پوچھا تھا۔
"میں کیا ہر وقت سڑکیں چھاپتی ہوں تمہاری طرح۔" وہ برا مان کر بولی۔
"میری بات کا یہ مطلب نہیں تھا۔" اسامہ نے فوراً تصحیح کرنا چاہی تھی، عشیہ اپنے ازلی لاپرواہ بے نیازانہ انداز میں بولی تھی، پھر بھوں اچکا کر مسکرائی۔
"تو پھر؟"
"تم اتنے دنوں سے دکھائی نہیں دی، نہ سبزی منڈی میں، نہ آرے پہ لکڑیاں لیتے ہوئے، نہ میڈیکل سٹور میں، نہ تھوک کی دوکانوں پہ، میں ہر جگہ تمہیں تلاش کر چکا تھا، اب تو فاتحہ کی کسر رہ گئی تھی۔" وہ مسکراتا ہوا چھاتا عشیہ کے ہاتھ سے پکڑ کر بتانے لگا، اس چھاتے نے اسامہ کو برستی بوندوں سے بچا لیا تھا، عشیہ اس کی بھاری آواز پہ چونک گئی تھی۔
"تمہیں کیا ہوا؟" اس کے انداز میں تفکر تھا، ایسا تفکر جو کسی اپنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

"فلو۔"

"اور تم بارش میں بھیگ رہے تھے، ہمارے علاقے کی بارشوں کو جانتے ہو کس قدر خطرناک ہوتی ہیں؟" عشیہ جیسے غصے میں ڈپٹنے لگی۔

"ہاں۔" وہ مسکرایا۔

"پھر بھی۔" عشیہ نے گھور کر اسے دیکھا، وہ اس کے برابر چل رہی تھی، ایک ہی چھاتے تلے، وہ دونوں ساتھ ساتھ تھے، شاید چندپل کے لئے، شاید عمر بھر کے لئے۔

کوئی کیا جانے کہ تقدیر میں کیا لکھا تھا؟

لوح محفوظ پہ کیا لکھا تھا؟

اور عشیہ کی قسمت میں کیا لکھا تھا؟

وہ جیسے برسوں سے اسامہ کی ہمراہی میں چل رہی تھی، جیسے قرنوں سے اس کے ساتھ تھی، جیسے ہمیشہ سے اسامہ کے برابر چلتی جارہی تھی، جیسے عمر بھر سے ساتھ نبھا رہی تھی، وہ منگورہ کے اڈوں سے گزر رہی تھی۔

جہاں ویگن بھی تھیں، بسیں بھی تھیں، رکشے بھی تھے، بہت سے لوگ تھے، کچھ مقامی، کچھ غیر مقامی، کچھ اجنبی، کچھ مسافر، کچھ پردیسی۔

بھانت بھانت کی بولیاں تھیں، بھانت بھانت کے لوگ تھے، بہت سا شور تھا، بہت سا رش تھا پھر کوئی کندھے پہ بیگ ڈالتا ایک بس سے اتر کر نیچے آیا۔

وہ بھیڑ میں جگہ بناتا تیزی سے ان رستوں پہ رواں دواں تھا جو اس کے گھر کی طرف جاتے تھے، بارش میں تیزی آرہی تھی، بوندوں میں روانی آرہی تھی۔

پھر اس کی آنکھوں نے ایک چھاتے تلے دو اجنبیوں کو دیکھا، وہ تیزی سے چلتا ہوا ہلکی آواز میں گنگناتا ان کے قریب سے گزرا تھا اور پھر غیر ارادی نگاہ اٹھا تا لمحوں میں چونک گیا تھا۔

☆☆☆

رحمان منزل میں تایا سلیمان ایک محکوم فرد کی سی زندگی گزار رہے تھے۔

تائی کا ہمیشہ سے تایا پہ رعب رہا تھا، وہ اپنے سامنے کسی کی چلنے نہیں دیتی تھیں، اسی لئے تایا کے بڑے بیٹے اسامہ کی حیثیت اس گھر میں نہ ہونے کے برابر تھی، تائی اس کے لئے ہمیشہ سوتیلی ماں ہی بنی رہی تھیں اور اسامہ بھی اس گھر کو کسی "سرائے" سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔

ویسے بھی وہ شادمان کیا لینے آتا؟ یہاں پہ کسی کو اس سے نہ انسیت تھی نہ محبت، نہ کسی کو اسامہ کا انتظار رہتا تھا، وہ جب بھی یہاں آتا، ایک آدھ دن سے زیادہ نہیں ٹک نہیں پاتا تھا۔

کیونکہ تائی اسامہ کو ٹکنے دیتی ہی نہیں تھیں، ان کی زبان کے جوہر اور تلخی کا زہر کوئی کوئی ہضم کرسکتا تھا، اسامہ جب بھی آتا، تائی کے سینے پہ سانپ لوٹ جاتے تھے، وہ آتے جاتے کچوکے لگانے سے باز نہ آتی تھیں۔

"آوارہ گرد سارا جہان کنگال کر آئے، پھر بھی خالی کے خالی۔"

اسامہ کی کوئی جاب ہوتی تو وہ کسی دفتر، فیکٹری یا کسی مل میں جاتا، یہ کوئی نوکری تھی سارے زمانے کی خاک چھاننا، وہ تایا کو بھی اسامہ کے خلاف بھڑکاتی تھیں۔

''یہ ویلا نکما مفت روٹیاں توڑنے آجاتا ہے، نوکری شوکری کوئی نہیں، ہمیں تو ایک دھیلا بھی نہیں دیتا۔'' اسامہ کو ویلا نکما کہتے ہوئے، اسامہ کے بخیے ادھیڑتے ہوئے وہ یہ بھول جاتی تھیں کہ نومی بھی ڈپٹی کمشنر نہیں لگا ہوا، وہ ٹوٹلی ویلا نکما تھا، باپ کے روپوں پر گزارا کرنے والا اور جب سے تایا نے خرچہ دینا بند کیا تھا تب سے وہ چھوٹی چھوٹی وارداتوں کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھا، گو کہ تایا تائی نومی کی ایسی ایکٹویٹیز سے واقف نہیں تھے۔

اور ان دنوں تو فرح کے آنے اور قیام کے دنوں میں تائی چاہتی ہی نہیں تھیں کہ اسامہ کا گھر کی طرف چکر لگے، آج کل تائی فرح پہ سخت فریفتہ تھیں اور فرح عینی پہ فدا تھی، جبکہ ولید کا جھکاؤ کس طرف تھا یہ کسی کو اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

عینی بھی فرح کو متاثر کرنے کے چکر میں ان دنوں گھن چکر بنی ہوئی تھی، اس کا زیادہ وقت فرح کے گرد گھومتے گزرتا تھا، کبھی وہ فرح کو شاپنگ پہ لے جاتی تھی، کبھی گھمانے، کبھی کسی فرینڈ کے گھر۔

یوں فرح کو پہلی مرتبہ اندازہ ہوا تھا عینی کس قدر خوش اخلاق اور محبت کرنے والی لڑکی ہے، فرح کے دل میں عینی کے لئے نرم جذبات پل رہے تھے، پھر ایک دن ولید سے فرح نے اس موضوع پہ بات کر ہی لی تھی، فرح کے جانے میں چند ہی دن باقی تھے، جانے سے پہلے وہ کوئی حتمی فیصلہ کر کے جانا چاہتی تھیں، اس رات ولید بھی ماں سے دوٹوک بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن فرح نے خود ہی موضوع چھیڑ لیا، وہ عینی کے لئے اپنی پسندیدگی ظاہر کر رہی تھیں۔

''میں تو عینی کو پراؤڈی سی لڑکی سمجھتی تھی، لیکن وہ تو بہت با اخلاق اور نرم طبیعت رکھتی ہے، بہت ملنسار ہے۔'' فرح ولید کے قریب صوفے پہ بیٹھتے ہوئے سادگی بھرے لہجے میں بولی تھیں، ولید جو فائلیں نکال کر بیٹھا تھا، لمحہ بھر کے لئے حیران ہوا، پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''تم کیا کہتے ہو؟'' وہ اس کے منہ سے اگلوانا چاہتی تھیں، ولید نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا تھا، پھر دھیمی آواز میں بولا۔

''جی عینی بہت نائس ہے۔'' یہ ایک مجموعی تعریف تھی، کسی کی تعریف کے لئے ایک عام سا تاثر دینے والا جملہ، جس میں کوئی نیا پن نہیں تھا۔

''بہت نائس اور بہت حلیم طبع ہے، اس میں نخرہ نہیں، نہ وہ الگ تھلگ چپ چاپ رہتی ہے۔'' بات کرتے ہوئے ان کا دھیان اچانک نشرہ کی طرف چلا گیا، وہ کس قدر کم گو تھی، ہر وقت کترائی کترائی دور دور رہتی تھی، بلانے پر بھی دو گھڑی پاس نہیں بیٹھتی تھی، اپنی الگ سے مسجد بنائے رکھتی، مجموعی تاثر نشرہ کا کچھ ''موڈی'' اور آدم بیزار قسم کا بنتا تھا، حالانکہ عینی اور بھابھی اس کا بہت خیال رکھتی تھیں، اسے کھانے کی ٹیبل پہ بلاتیں، اسے ساتھ باہر لے جانے کے لئے آفرز کرتیں، مگر نشرہ کا ایک ہی سنجیدہ سا انکار جو فرح کو ٹکا سا انکار لگا کرتا تھا، حد تھی بیزاریت کی، وہ فرح کا احساس کر کے ہی ان کا ساتھ دینے کے لئے آجاتی، مگر نہ جی، اس کے اعلیٰ پائے کے موڈ کا کیا بننا،

یوں فرح نشرہ کے لئے اپنے دل میں سوفٹ کارنر نہیں بنا سکی تھیں۔
''عینی خوش مزاج ہے۔'' اس کا تبصرہ معمولی سا تھا، فرح کی اتنی تشفی نہیں ہو سکی تھی، وہ کچھ بے چین ہو گئیں۔
''تمہیں عینی پسند ہے؟'' ان کا انداز کھوجتا ہوا تھا۔
''کس تناظر میں؟'' ولید کا انداز سادہ سا تھا۔
''شادی۔'' فرح ذرا دیر کے لئے رک سی گئیں، کیونکہ ولید نے اچانک فائلیں سمیٹ کر فرح کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا، جیسے اسے سخت اچنبھا ہوا تھا۔
''عینی اچھی ہے مگر شادی کے لئے موزوں نہیں۔'' اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور نرم رکھنا چاہا۔
''مگر کیوں؟'' فرح کی آنکھوں میں تحیر پھیلا، یہ ولید تو ان کے خواب کو چکنا چور کر رہا تھا۔
وہ تو عینی کو بہو کے روپ میں کئی مرتبہ دیکھ چکی تھیں خوابوں اور خیالوں میں، ولید سے فائنل کے بعد وہ اپنے بھائی سے بات کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں اور ولید کیا کہہ رہا تھا؟ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔
''عینی کیوں موزوں نہیں؟'' بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہو سکی تھیں، ولید نے گہرا سانس خارج کیا اور اٹھ کر فرح کے قریب آ گیا، ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اس نے ملائمت سے کہا۔
''میرا اور عینی کا مزاج نہیں ملتا۔''
''مزاج تو شادی کے بعد مل ہی جاتے ہیں۔'' فرح جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں، ورنہ وہ تو کچھ اور ہی سمجھ رہی تھیں۔
، نکاح کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے، مجھے امید ہے عینی تمہارے مزاج میں ڈھل جائے گی۔'' فرح کا انداز فیصلہ کن تھا، ولید کچھ ٹھٹک گیا، اسے یوں لگ رہا تھا وہ اس کی رائے معلوم نہیں کر رہیں، بلکہ اپنا فیصلہ یا خواہش بتا رہی تھیں۔
''ممی! شادی کے لئے عینی کم از کم نہیں۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا، اب کہ ٹھٹکنے کی باری فرح کی تھی، وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگی تھیں، جیسے کچھ کھوجنا چاہتی ہوں۔
''تو پھر کون؟'' ان کا لہجہ کھردرا ہو گیا تھا، ولید لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گیا۔
''بولو اب۔'' فرح کی جھنجلاہٹ واضح تھی۔
''اب خاموش کیوں ہو؟'' ان کے الفاظ بھی سخت تھے۔
''میرے بدترین خدشات کی تصدیق مت کرنا۔'' فرح کا انداز وارننگ دینے والا تھا، ولید کے اندر باہر بے چینیاں بھر گئی تھیں۔
''ولید؟'' انہوں نے اس کی خاموشی پہ تلخی سے مخاطب کیا تھا، وہ لب بھینچ کر انہیں دیکھنے لگا۔
''تم جو سوچ رہے ہو، وہ انتہائی مشکل ہے۔'' بالآخر فرح نے سخت تیوروں سے جتلا دیا تھا۔
''کیوں مشکل ہے؟'' اس کے ماتھے پہ سلوٹیں ابھر آئیں۔
''میں نشرہ کو اپنی بہو نہیں بنا سکتی۔'' انہوں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا، یوں کہ وہ لمحوں میں بت ہو کر رہ گیا۔

(جاری ہے)

ع عورت
فرح طاہر

''بچے بڑے ہو جائیں تو والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں۔''

ہاں مگر اب بوڑھا اور جوان ہونے کا نظریہ قطعی طور پر بدل چکا ہے اب تو یہ بات صدق آئی ہے کہ۔

''بچے منہ زور ہونے لگیں تو والدین کمزور پڑ جانے لگتے ہیں۔'' تھکن زدہ لہجے میں بے بسی بڑی واضح تھی۔

والدین کی طرف سے ملنے والی ڈھیل، بے جا حمایت، لاڈ پیار ہی بچوں کو منہ زور بناتا ہے ورنہ بچے کبھی بھی ماں باپ کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے، اس نے صاف لفظوں میں انہیں قصور وار ٹھہرا رہا تھا، جس پر فائزہ بیگم نے تڑپ کر کہا تھا۔

''ہاں ابھی تم ایسا کہہ سکتی ہو، ابھی ہمارے جتنے تجربے تک نہیں پہنچ سکی ہو، جب اماں کے رتبے تک پہنچو گی تب پوچھوں گی بچوں کے لئے ڈھیل، لاڈ پیار کہاں اور کیسے اِنڈ آتا ہے، کس طرح قدم قدم پر اولاد کی تربیت و پرورش کے دوران اولاد ہی کی خاطر جائز، ناجائز کے لئے جھکنا پڑتا ہے۔''

''کیا فائدہ ایسے جھکنے کا امی جس کا حاصل حصول ہی کچھ نہ ہو۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''اس رشتے میں حاصل حصول کا کون سوچتا ہے؟'' کچھ پل انہوں نے استفساریہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا پھر ذرا دیر کے توقف کے بعد انہوں نے مزید کہا۔

''اگر حاصل حصول کا سوچنے لگیں تو ماں باپ کس لئے کہلائیں گے؟'' اس بار شاید انہوں نے لاجواب کر دیا تھا اس لئے ان کی بات کا کوئی بھی جواب دیئے بنا اس نے پہلے سے کہیں زیادہ ضدیلے انداز میں کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتی، میں نے آپ کو کہا ہے میں نے جاب کرنی ہے تو بس کرنی ہے۔''

حد درجہ ضدی انداز میں وہ اپنی ضد پر اڑی تھی۔

''تمہارے بھائی کس صورت نہیں مانیں گے۔'' بے بسی عروج تک پہنچی تھی۔

''ان کے ماننے نہ ماننے کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا اور اپنی بات ان تک پہنچا کر وہاں سے اٹھ گئی، پیچھے وہ اس کے سرکش انداز کو دیکھتی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھیں۔

☆☆☆

''ماہا جاب کرنا چاہتی ہے۔''

رات کا کھانا کھانے کے بعد فہیم صاحب نے ماہا کی طرف دیکھتے ہوئے بنا کسی کو مخاطب کیے کہا تھا، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے حارث اور فاران میں سے اس معاملے میں کسی ایک کو مخاطب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اس بات کو سن کر دونوں نے ہی ایک سا ردعمل دینا تھا اور پھر بالکل ویسا ہی ہوا جیسا انہوں نے سوچا تھا، ان کی بات سن کر فاران اور حارث دونوں کی پیشانی پر بل نمودار ہوئے تھے جو اس بات کا واضح ثبوت تھے کہ انہیں اس کی بات کس طور پسند نہیں آئی ہے، مگر فاران سے پہلے حارث نے ایک غصیلی نگاہ ماہا کے سپرد کر کے اپنا اعتراض سوال کی صورت بلند کیا تھا۔

''کیوں کیا اسے کھانے کو نہیں مل رہا؟ بھوکی مر رہی ہے یہ؟'' اس کی ناپسندیدگی کی لہر ماہا تک پہنچی تو وہ کلس کر رہ گئی، مگر وہ تا حال چپ تھی، فہیم صاحب اس کے دفاع میں دوبارہ بولے تھے۔

''اس کا شوق ہے۔''

''اس کے فضول سے شوق کی خاطر ہم اپنی

ناک نہیں کٹوا سکتے۔" اس بار فاران نے حارث سے کہیں زیادہ شدت سے اس کی بات کو رد کیا تو فہیم صاحب کے ساتھ ساتھ نائرہ بیگم نے ماہا کی طرف کچھ اس انداز سے دیکھا جیسے اسے اپنے ارادے سے باز رکھن کی التجاء کر رہے ہو، ماہا نے ان کی التجاء کرتی نگاہوں کو بس چند پل کے لئے دیکھا پھر خود کو ان کے التجائی تاثر کی گرفت سے چھڑاتی اس بار وہ خود بولی تھی۔

"لازمی تو نہیں ہے بھوک سے مرتا انسان ہی جاب کرے، آپ دونوں بھی تو جاب کر رہے ہیں حالانکہ ابو کی پینشن اور دو دکانوں کا کرایہ ہمارے خرچے کے لئے کافی ہے۔" اس کا مقصد ان سے زبان چلانے کا ہرگز بھی نہیں تھا مگر اس کے باوجود فاران نے اسے ڈپٹ کر کہا تھا۔

"زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں ہے، جب کہہ دیا کوئی نوکری وکری نہیں کرنی تو بس نہیں کرنی۔" قطعی انداز میں انکار کے بعد اس نے مزید کہا تھا۔

"اور ہمارا مقابلہ کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کرو، کما کر کھانا مرد کی شان ہے۔" تیز نظر سے اس کی طرف دیکھتا وہ کہہ رہا تھا۔

"تمہاری ہر ضرورت پوری ہو رہی ہے پھر تمہیں جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نجانے کیا اوٹ پٹانگ باتیں تمہارے دماغ میں آتی رہتی ہیں۔" اس نے سر جھٹک کر جیسے اس کی بات کو فضول جان کر ہوا میں اڑایا تھا۔

"پھر سے وہی بات، وہی استہزائیہ بھرا انداز۔" وہ سرتا پیر ان دیکھی آگ میں جھلسی تھی، پڑھنے لکھنے کے باوجود ان کی سوچ اس قدر دقیانوسی تھی جس کا اندازہ اسے آج اچھی طرح ہوا تھا، مگر وہ کسی غلط بات کے لئے اجازت نہیں مانگ رہی تھی اس لئے وہ بھی اپنی بات پر ڈٹی پھر سے کچھ بولنے کو تھی، مگر اس سے پہلے حارث بولا پڑا۔

"ماہا! فضول کی سوچوں کو دماغ سے جھٹک دو، عورت ہمیشہ چار دیواری میں کام کرتی اچھی لگتی ہے، باہر نکلنے والی عورت کو کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ہے، تم ایک عزت دار گھرانے کی بیٹی ہو، اس لئے کچھ بھی بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو، پہلے بھی تم نے ضد کی تو تمہیں یونیورسٹی تک پڑھنے کے لئے بھیج دیا ورنہ تم اچھے سے جانتی ہو آج تک ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی یونیورسٹی تک پڑھنے نہیں گئی ہے۔" حارث نے اس بار قدرے سمجھانے والے انداز میں کہہ کر جیسے اس کی سوچ کو بدلنے کی کوشش کی، مگر اس کے کہے ہر ہر لفظ پر ماہا کو اعتراض تھا اس لئے وہ فوراً متعارض ہوئی تھی۔

"بالکل غلط حارث بھائی، آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ گھر سے باہر نکلنے والی عورت کو کوئی عزت کی نظر نہیں دیکھتا؟ اگر ایسا ہوتا تو آج سکول، کالج، یونیورسٹی سے لے کر ہر شعبے میں کسی عورت کا وجود دیکھائی نہ دیتا، اگر عورت اپنے فرائض کو بھول کر آپ کی طرح نام نہاد عزت کا سوچ کر صرف گھر میں بیٹھی رہ جائے تو سوچیں کیا ہو گا؟" ایک بڑا سوالیہ نشان اٹھا کر وہ باقاعدہ بحث پر اتر آئی تھی۔

"اور میں نے یونیورسٹی تک جا کر اس لئے تعلیم حاصل نہیں کی کہ میں ڈگری ہولڈر کہلواؤں، بلکہ میں اپنی ڈگری کو کسی کام میں لانا چاہتی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ "علم حاصل کر کے اس سے دوسروں کو نفع پہنچاؤ۔" اس نے حدیث کا حوالہ دے کر ان کی سوچ بدلنے کی ہلکی سی کوشش کی تھی، مگر حارث اور فاران کا شمار ان مردوں میں ہوتا تھا جو عورت کو

کسی گنتی میں شمار نہ کرتے ہوئے اسے کسی تیسرے درجے کی مخلوق تصور کرتے تھے، ان کی نظر میں مرد ہونا ہی سب کچھ تھا، اس لئے اس کی مسلسل چلتی زبان کو ناگواری سے سنتے ہوئے اس نے ایک عصیلی نگاہ اس کے حوالے کر کے کب سے خاموش بیٹھے فہیم صاحب کی طرف دیکھا تھا۔

''ابو! ہماری بات شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، اس لئے مسلسل ٹرٹر کیے جا رہی ہے بہتر ہو گا آپ اس کو اپنے طریقے سے سمجھا دیں۔'' اپنی طرف سے بات ختم کر کے وہ جانے کے لئے اٹھا تھا جب وہ دوبارہ تیزی سے بولی تھی۔

''میں جاب ضرور کروں گی۔'' بہن تو وہ بھی انہیں کی تھی اپنی بات سے ہٹنا تو شاید وہ بھی نہیں جانتی تھی اس لئے بنا ڈرے اس بار اس نے حتمی انداز میں کہہ کر جیسے ان کے طیش کو مزید ہوا دی تھی، حارث ایک دم غضب ناک ہوتا اس کی طرف بڑھا تھا، اسی سمے فائزہ بیگم اور فہیم صاحب دونوں اس کے سامنے آئے تھے۔

''یہ آپ دونوں کے اسے سر چڑھانے کا نتیجہ ہے جو آج یہ اس طرح ہمارے سامنے بول رہی ہے، بس ایک منٹ لگے گا اس کی طبیعت صاف کرنے میں۔'' غیض بھری نگاہوں سے وہ مسلسل اسے گھورے جا رہا تھا۔

''اگر وہ ضد پر اڑی ہے تو تم ہی مان جاؤ حارث۔'' فہیم صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''آپ مجھے مان جانے کو کہہ رہے ہیں ابو؟ مجھے۔'' حد درجہ حیرانگی سے ساتھ اس نے باپ کی سمت دیکھا تھا۔

''ہاں، تمہیں کہہ رہا ہوں، تم بھائی ہو اس کے، بھائیوں سے ضد نہیں کریں گی تو پھر کس سے ضد کریں گی۔'' بہت ٹھنڈے اور میٹھے لہجے میں بڑی سہولت کے ساتھ انہوں نے اس کے غصے کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی، پھر ذرا توقف کے بعد دوبارہ بولے تھے۔

''اور پھر یہ کون سا ساری عمر جاب کرنے کا کہہ رہی ہے، کچھ عرصہ کرے گی شوق پورا ہو جائے گا تو چھوڑ دے گی۔''

''ہر بار اس کی ضد کو اہمیت مت دیا کریں امی اور ویسے بھی اس بار اس کی ضد کسی صورت قابل قبول نہیں ہے، آپ خود سوچیں، بالفرض اگر ہم اسے جاب کی اجازت دے بھی دیں تو لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے؟ دو بھائیوں اور باپ کے ہوتے اسے جاب کرتے دیکھ کر لوگ یہیں سمجھیں گے کہ ہم ایک اکلوتی بہن کا بوجھ نہ اٹھا سکے، اس لئے اسے کمانے کے لئے گھر سے نکال دیا۔'' بہن کی فرمائش سے زیادہ اسے لوگوں کے بولنے کی فکر تھی۔

''ہم اسے جاب کرنے کی اجازت نہیں دے گے ابو۔'' اس نے قطعی انداز میں انکار میں سر ہلا دیا، تو فہیم صاحب نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس بار جیسے التجا کی تھی۔

''اپنے باپ کی خاطر اسے جاب کی اجازت دے دو۔''

بے بسی، لاچاری، التجا، آس، نجانے کیا کچھ تھا ان کے انداز میں، ماہا ایک دم تڑپ کر کچھ بولنے کو آگے بڑھی تھی، جب فائزہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے اسے اشارے سے کچھ بھی بولنے سے باز رہنے کو کہا، وہ لب بھینچ کر رہ گئی، یہی بات تو اسے غصہ دلاتی تھی کہ آخر باپ ہو کر بھی وہ ان سے اس طرح دب کر بات کیوں کرتے تھے؟ فہیم صاحب مزید کہہ رہے تھے۔

''اپنی بہن پر غصہ مت ہوا کرو، ابھی تو باپ

بھائیوں کے گھر پر ہے اس لئے ضد اور فرمائش کر لیتی ہے یہی سوچ کر اس کی ضد پوری کر دیا کرو کہ نجانے اگلے گھر جا کر کیا حالات ہو، وہاں اس کی بات کو اہمیت دی جائے یا نہ جائے۔" لفظوں کا جال بچھا کر گویا وہ جذباتی طریقے سے ان کے دماغ کو ٹھنڈا کرنا چاہا رہے تھے۔

"آپ کی لاڈلی ہے، آپ شوق سے اس کی ضدیں پوری کریں، مگر یاد رکھیں اگر اس کی وجہ سے ہمیں کسی سے کچھ بھی سننے کو ملا تو ہم آپ کا گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے، پھر آپ رہنا اس گھر میں اپنی کماؤ بیٹی کے ساتھ۔" اپنی ناراضگی کو ظاہر کرتا وہ تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

ماہا کی قسمت اچھی تھی جیسے ہی اس نے دو تین جگہوں پر اپلائی کیا، اس سے اگلے دن ہی اسے ایک کالج سے انٹرویو کال آگئی، مکمل تیاری کے ساتھ وہ انٹرویو دینے کالج پہنچ گئی جہاں امید سے زیادہ اچھا انٹرویو دینے کے بعد اسے دو دن بعد وہاں سے اپائمنٹ لیٹر موصول ہو گیا تو مقررہ تاریخ پر بہت جوش، جذبے اور نئی امنگوں کے ساتھ اس نے جاب کا آغاز کیا تھا، اس کی کولیگز، اسٹوڈنٹس اور کالج کا ماحول اچھا ہونے کی بدولت وہ بہت جلد وہاں سیٹ ہو گئی، حارث اور فاران ہنوز ناراض تھے، مگر اس نے ان کی ناراضگی کو زیادہ محسوس نہیں کیا تھا، ان کی شدید ناراضگی کا احساس تو اسے اسی دن ہوا جب قریبی رشتے داروں میں شادی کا کارڈ موصول ہونے پر خرچے کا موضوع چھیڑا، تو اپنے ذہن کے مطابق اس نے مشورہ دینے کی کوشش کی۔

"مایوں، مہندی، بارات اتنے فنکشن ہیں امی، میرے خیال میں ہر ایونٹ پر الگ الگ رقم دینا ٹھیک رہے گا۔" اس سے پہلے کہ فائزہ بیگم جواب میں کچھ بولتیں فاران تیزی سے بولا۔

"امی! اس کو کہیں یہ اپنی استانی گیری کو اپنے پاس رکھے، ہمیں سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرے، ہمیں اس کے کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے، ہم وہ کریں گے جو ہمارا دل چاہے گا۔" وہ اس سے اس قدر خفا تھا کہ اس کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کر رہا تھا، اس نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا جو چہرے پر مکمل بیگانیت سجائے اس کی طرف سے انجان بننے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے بس چند پل ہی اس کی طرف دیکھا، پھر گہرا سانس بھرتی وہاں سے اٹھ گئی۔

کیا فائدہ تھا وہاں بیٹھے رہنے کا جہاں اس کے لئے گنجائش ہی باقی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

نیو اپائنٹ ہونے والی ٹیچرز کے اعزاز میں کالج انتظامیہ ایک پارٹی دے رہی تھی جو کہ سنڈے ایوننگ میں "ہولی ڈے ان" ہوٹل میں منعقد ہونا تھی، اس پارٹی میں اس کا شریک ہونا ضروری تھا، مگر دعوت ملتے ہی وہ سوچ میں پڑ گئی تھی، کیونکہ ایک تو پارٹی ایوننگ میں تھی سیکنڈ سنڈے کے دن تھی اس کو اجازت ملنا دشوار تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا کہہ کر انہیں انکار کرے، اپنے اجازت نہ ملنے کی بات تو وہ انہیں ہرگز بھی بتانا نہیں چاہتی تھی اس لئے بہت سوچنے کے بعد بنا کوئی جواز پیش کیے اس نے پارٹی میں شریک نہ ہونے پر معذرت کر لی، اس کا انکار سننے کے باوجود اس کی کولیگز اس کے انکار کو خاطر میں لائے بنا اس کو پارٹی میں آنے کے لئے اصرار کرنے لگی تو وہ ہلکا سا رضا مند ہونے لگی، خود وہ تو پارٹی میں آنا چاہتی تھی مگر اس کے گھر والے۔

جب سب کا اصرار بڑھا تو اس نے بہت زیادہ سوچنے کے بعد بالآخر فائزہ بیگم سے پارٹی

کا ذکر کر دیا، جسے سن کر انہوں نے فوراً قطعی انداز میں کہا تھا۔

''ابھی تک حارث اور فاران تمہاری جاب کو لے کر ہم سے ناراض ہیں، ایسے میں تم پارٹی میں جانے کا کہہ کر کے ہمیں مزید کسی مشکل میں مت ڈال دینا۔''

''امی میں ضد تو نہیں کر رہی، بس آپ سے اجازت مانگ رہی ہوں۔'' مجرم نہ ہونے کے باوجود مرے مرے لہجے میں اس نے صفائی دینا چاہی تھی۔

''تم نے اجازت مانگی؟ میں نے انکار کر دیا، اب تم اس بات کو یہیں ختم کر دو، مزید بحث کرو گی تو مجھے ڈر ہے تمہارے بھائی اس بار ہماری بھی نہیں سنے گے اور تمہاری جاب ختم کرا دیں گے، پھر اٹینڈ کرتی رہنا پارٹیاں۔'' فائزہ بیگم روز روز کی ان باتوں سے خاصی عاجز دکھائی دے رہی تھیں، ماہا نے ایک نظر جھنجھلائی ہوئی مجبور ماں کو دیکھا پھر خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

جب دو دن کی چھٹی کے بعد وہ بہت مرجھائی سی کالج پہنچی تھی، ایک تو پارٹی میں شریک نہ ہونے کی شرمندگی، دوسرے اپنے حالات کے متعلق سوچ سوچ کر اس نے خود کو تھکا ڈالا تھا یہی وجہ تھی گزرے دو دنوں نے اس کی ساری شگفتگی نچوڑ کر رکھ دی تھی، وہ جانتی تھی اسے سامنے دیکھ کر ہزار سوال اٹھائے جائیں گے، اس لئے ان کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے خود کو تیار کرتی وہ ان کے سامنے تھی، مگر وہ سب اسے اس قدر مرجھایا دیکھ کر بجائے سوال جواب کرنے کے اس کے لئے تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔

''ماہا! یہ دو دن میں تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہارا تو رنگ ہی پیلا پڑ گیا ہے؟ کوئی پریشانی ہے تو ہمیں بتاؤ؟''

جتنے منہ تھے اتنے ہی سوال بلند ہو رہے تھے، وہ سب اس کی اپنی نہیں تھیں مگر اس کے لئے پریشان ہو رہی تھیں، ان کی اپنائیت محسوس کر کے اس کا دل بھر آیا تھا، مگر اس سے پہلے کہ اس کے دل کا گداز نمی بن کر اس کی آنکھوں سے چھلکتا، اس نے تیزی سے پلکوں کو جھپک کر ہلکی سی نمی کو اندر اتار کر مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ہلکا سا بخار ہو گیا تھا۔'' ہونٹوں کو پھیلا کر اس نے خود کو فریش ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی، اس کو مسکراتے دیکھ کر ان کی پریشانی ذرا کم ہوئی تو وہ بھی مسکراتی ہوئیں اس کے گرد گھیرا بنا کر بیٹھتی اسے پارٹی کے روداد سنانے لگیں، ان کا دھیان اپنی طرف سے ہٹتا دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا جس نے ہمدردی کے کسی بھی پل میں اسے کمزور ہونے سے بچا کر اس کا بھرم رکھ لیا تھا۔

☆☆☆

اسے جاب کرتے تقریباً سال ہونے کو آیا تھا، اب اس نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا، حالانکہ حارث اور فاران اب بھی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور خود وہ بھی ان کو دیکھ کر سامنے سے ہٹ جایا کرتی تھی، وہ جانتی تھی کہ اگر وہ ان کے سامنے رہی تو ضرور کسی نہ کسی بات پر ان سے ایسی بحث کا ہو جانا ممکن تھا جس کا انجام سوائے جھگڑے کے کچھ نہیں نکلنا تھا اور پھر اسی جھگڑے کے بعد اس کے ماں، باپ کو اس کی خاطر بہت کچھ سن کر برداشت کرنا پڑتا تھا، وہ جانتی تھی سب کچھ سن کر اس کے ماں باپ کس قدر تکلیف سے دوچار ہوتے تھے، وہ ان کو

تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی اس لئے اختلافات کے باوجود اس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی، مگر وہ بشر مومن تھی جب کہیں اس کی برداشت کی حد ختم ہوتی تو وہ بول اٹھتی تھی۔

جیسے اس دن شام کی چائے پینے کے دوران فاران نے اچانک ہی اپنے سوات جانے کا بتا کر دھماکہ کیا۔

''امی! پرسوں میں اپنی کمپنی کے ساتھ سوات جا رہا ہوں۔'' اس کے انداز میں اس کے لفظوں میں کہیں اجازت طلب کرنے کا کوئی تاثر نہیں تھا، وہ ان سے اجازت طلب کر ہی نہیں رہا تھا، وہ تو بس انہیں اپنے جانے کی اطلاع دے رہا تھا۔

ماہا نے پہلے اس کی طرف دیکھا، پھر اپنی حیرت بھری نگاہیں اپنی ماں کے چہرے پر جما دی جو اس سے باز پرس کرنے کی بجائے اسے دعاؤں سے نواز رہی تھیں۔

''اچھا بیٹا! خیر سے جا کر جلدی واپس آؤ۔''

''اس بار ہماری کمپنی کو بہت پروفٹ ہوا ہے امی اس لئے ہمارے باس نے خوش ہو کر اس ٹرپ کا اعلان کیا ہے، پندرہ دن کا ٹور ہے، مئی کے آخری تک واپس آ جائیں گے۔'' وہ اپنے ٹرپ کو لے کر بہت زیادہ خوش تھا اس لئے پرجوش سا انہیں تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

فائزہ بیگم مسکراتی ہوئی اسے سن رہی تھیں جبکہ ماہا فکر فکر کبھی ماں کو تو کبھی جوش سے بولتے فاران کو دیکھے جا رہی تھی، فاران کے سیل کی بیل بجی تو وہ کال سننے کی خاطر وہاں سے اٹھتا آگے بڑھ گیا، فائزہ بیگم بھی خالی کپ ٹیبل پر رکھتی اٹھنے کو تھی جب ماہا نے عجیب سی کیفیت کے زیر اثر ان کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''آپ نے فاران کو جانے سے کیوں نہیں روکا؟''

''میں اسے جانے سے کیوں روکتی؟'' انہوں نے الٹا اسی سے سوال کر دیا۔

''اس نے ابو اور آپ کی اجازت لئے بنا ہی سارا پروگرام ترتیب دے لیا آپ نے کوئی اعتراض ہی نہیں اٹھایا؟'' وہ ایسی طرح کے سوال کر کے نجانے کیا سننا چاہ رہی تھی۔

''میں اعتراض کیوں کرتی؟'' انہوں نے ابرو اچکا کر اس کی سمت دیکھ کر مزید کہا۔

''اور اعتراض تو جب کرتی جب وہ مجھ سے پوچھتا، اس نے تو بس اپنے جانے کی اطلاع مجھے دی ہے، ایسے میں اعتراض کا کہاں کوئی جواز بنتا ہے؟''

''ہاں تو وہی تو میں کہہ رہی ہوں جب اس نے آپ سے اجازت ہی نہیں لی تو آپ کو اسے فوراً منع کر دینا چاہیے تھا، تاکہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا۔'' اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا تھا۔

''میں نے آپ سے گھر کے نزدیک ہوٹل میں منعقد پارٹی میں جانے کی باقاعدہ اجازت لینا چاہی تھی، مگر آپ نے فوراً انکار کر دیا تھا، پھر اب جبکہ فاران شہر سے باہر ٹرپ پر جا رہا ہے تو بھی آپ نے کوئی اعتراض تک نہیں اٹھایا، کیوں؟''

''کیونکہ وہ مرد ہے اور تم ایک عورت۔''

''مرد اور عورت میں کچھ تو فرق بنتا ہے، تم کیوں ہر بار اعتراض اٹھا کر کھڑی ہو جاتی ہو؟''

''امی! یہ آپ لوگوں کے دلوں کا وہم ہے کہ مرد اور عورت میں فرق ہوتا ہے، ورنہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے اور.....'' ابھی اس نے بات مکمل نہیں کی تھی کہ فائزہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

''مجھے تم سے کوئی بحث نہیں کرنی ہے۔''
ایک تیز نظر اس کے حوالے کر کے انہوں نے مزید کہا تھا۔
''بھائی کے جانے پر واویلا کرنے کی بجائے اس کی خیریت سے لوٹ آنے کی دعا کرو بس۔''

ماہا نے حیرت و دکھ کے ملے جلے تاثرات لئے اپنی ماں کی طرف دیکھا جو اس کے حق پر ہونے کے باوجود اسے غلط ٹھہرا رہی تھیں، اپنے بھائیوں کے ساتھ ساتھ آج اسے اپنی ماں کی طرف سے بھی ایک بڑی سی گرہ اپنے دل میں پڑتی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

''کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔''
مگر اس نے تو ایک ذرا سے شوق کی تکمیل کی خاطر اپنا مان سمان سبھی کچھ کھو دیا تھا جس قدر جوش و جذبے سے اس نے جاب کی شروعات کی تھی اب قدم قدم پر اپنی تحقیر و توہین ہوتے دیکھ کر اس کے سارے شوق، سبھی جذبے اور تمام امنگیں اپنی موت آپ مرتی محسوس ہونے لگیں تھیں، وہ کب تک تن تنہا عورت کی عزت و عظمت کے لئے مرد کی مخالفت کا سامنا کر سکتی تھی؟
یہی وجہ تھی روز روز کی اس چخ چخ اور کماؤ بنی ہونے کے طعنے سن کر اسے قدم پیچھے ہٹانے جیسا سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، پہلے جس طرح ہر روز ایک نئی امنگ محسوس کر کے وہ فریش سی کالج جایا کرتی تھی اب اس کے بالکل الٹ وہ اپنی انا کی سلامتی کا سوچ کر لگے بندھے کالج جانے پر مجبور تھی۔
اب تو وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ شاید عروت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایک ایسا روبوٹ ہے جس کا کنٹرول ریموٹ مرد کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جسے مرد جب جیسے چاہے استعمال کر کے عورت کو اپنے اشاروں پر نچانے کی طاقت رکھتا ہے۔

☆☆☆

نیا کاروبار شروع کرنے کی وجہ سے حارث کو رقم کی ضرورت تھی، بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد اس کے پاس مطلوبہ رقم جمع نہیں ہو سکی تھی، اس کو پریشان دیکھ کر اس نے اپنے پاس جمع اپنی ساری تنخواہ اسے دینا چاہی، تو اس نے اسے بری طرح جھڑک کر کہا۔
''تمہاری کمائی کے پیسے لینے سے بہتر ہے میں بھیک مانگ کر پیسے جمع کر لوں۔'' انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اس قدر سخت نظر سے اس کی سمت دیکھا کہ اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں غرق ہو جائے اس کے کمائے روپوں کی اس قدر تحقیر؟
آج تک وہ ہمیشہ ان کی زیادتی پر ضبط کر کے اپنے ہر آنسو کو اپنے اندر اتارتی آئی تھی مگر آج اس کے ہر ضبط کا بند ٹوٹا اور وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ تیزی سے بھاگتی اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر کے اس سے ٹیک لگاتی زمین پر بیٹھتی بری طرح بکھری تھی۔
اس کو اسی طرح بکھرنا تھا، کیونکہ وہ ایک ایسی عورت تھی جس کا بولنا ہمیشہ جرم تھا اس کے باوجود اس نے آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو ہمیشہ کی طرح مجرم ٹھہرا دی گئی تھی۔

☆☆☆

اس کارِ محبت میں
حنا اصغر

کسی نے کھڑکی کے پٹ کھول دیے تھے تیز ہوا کے جھونکیں سورج کی بنفشی روشنی کو چھن چھن کر کے اندر داخل کر رہے تھے بادِ نیم کی ہلکی سی معطر ہوا نے کمرے میں تازگی کا احساس پیدا کر دیا تھا اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولی تھیں غائب دماغی سے اس نے اس اجنبی د انجان کمرے کو دیکھا تھا اور شعور کی پہلی سیڑھی پر پہنچ کر وہ چوکنا ہو کر ہڑبڑا کر جاگ اٹھی تھی رات کے ڈراؤنے سائے ابھی تک اس کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے وہ اٹھ بیٹھی تھی، جبکہ دماغ ابھی بھی غنودگی کے زیر اثر تھا سر میں درد کے جھکڑ سے چل رہے تھے تبھی کسی نے آہستگی سے دروازہ کھولا تھا وہ جانتی تھی وہ کون ہے، یہ انجان جگہ انجان کمرہ کس کی ملکیت ہے، وہ جانتی تھی بھی تو یہی جان پہچان اس کی روح کو اندر تک گھائل کر رہی تھی، وہ آہستگی سے اندر داخل ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی ٹرے تھی جس میں چائے کے دونگ بھرے کھانے کے لوازمات موجود تھے۔ اس نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی اور خود بھی وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تبل کو یاد آیا کہ اس نے کتنے ہی دنوں تک کھانے کے نام پر بس دو تین لقمے زہر مار کیے تھے۔

''تبل چائے پی لو'' اس نے چائے کا کپ اس کی جانب بڑھایا تھا تبل نے بغیر کسی تامل کے بغیر کسی حیل و حجت کے وہ کپ تھام لیا تھا وہ کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتی تھی۔

''سینڈوچ بھی لے لو'' خالی چائے کے سپ لیتا دیکھ کر حسام نے اس کو ٹوکا تھا اس نے سینڈوچ بھی اٹھا لیا تھا اور اب آہستگی سے اس کو کترنے لگی تھی، حسام نے بے ساختہ اس پر نظر ڈالی تھی اس کا منہ سوجا ہوا تھا دائیں آنکھ کے ارد گرد نیل پڑے ہوئے تھے تاسف کی تند و تیز

مکمل ناول

لہروں نے اس کے اعصاب جھنجھنا دیئے تھے اس نے اپنا مگ ٹرے میں رکھا تھا اور باہر نکل گیا تھا، سجل سر جھکائے بیٹھی رہی تھی اس نے اس کے اچانک سے اٹھ کر چلے جانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا، کچھ دیر بعد وہ فرسٹ ایڈ کا بکس اٹھائے اندر آیا تھا اور اس نے آگے بڑھ کر اس میں سے ٹیوب نکالی تھی اور اب انگلی کی پور پر ٹیوب نکال کر اس کے زخموں پر لگا رہا تھا، سجل نے انتہائی تحیر سے اس کو دیکھا دنیا میں دو قسم کے انسان ضرور ہوتے ہیں ایک وہ جو دوسروں کو دکھ دے کر تکلیف دے کر سکون محسوس کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو ان تکلیفوں کو دکھوں کو اپنی پلکوں سے چننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور یقیناً حسام عبدالخالق کا تعلق انسانوں کی دوسری قسم میں سے تھا، چائے کا کپ اس کے ہاتھوں میں کپکپا رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا سینڈوچ بیڈ پر گر چکا تھا، حسام نے چائے کا مگ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور سینڈوچ اٹھا کر واپس پلیٹ میں رکھ دیا تھا وہ اس کے دائیں گال پر ٹیوب لگا رہا تھا اس کے پورے چہرے پر ایک دن پہلے کی وحشت کے نشان تر و تازہ تھے، وہ جونہی اس کے چہرے پر ٹیوب لگاتا اس کے منہ سے نکلنے والی ہلکی سی سسکاری اس کو غم و غصے میں مبتلا کر دیتی تھی، جب وہ ٹیوب لگا چکا تھا اور بکس بند کر چکا تھا تو سجل نے زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا اس نے انتہائی تحیر سے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ روتے ہوئے اس کے کندھے سے جا لگی تھی، حسام کو وہ اس وقت ننھی سی بچی لگی تھی، وہ اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا اچانک دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھول کر محتشم پاگلوں کی طرح اندر داخل ہوا تھا۔

''اوہ تو یہاں یہ رنگ رلیاں منا رہے ہو تم لوگ۔'' وہ عربی میں چیخ چلا رہا تھا۔

وہ حسام کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا، جواباً حسام نے اس کی جانب اشارہ کیا تھا، سجل حسام کے پیچھے ہو گئی تھی پھر حسام اس کی جانب مڑا۔

''سجل جو کچھ تم نے مجھے بتایا تھا وہ سچ ہے ناں؟'' حسام کے لہجے میں یقین تھا وہ ڈگمگایا نہیں تھا وہ کسی ابہام کسی شک و شبہات کا شکار نہیں ہوا تھا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، اس کی بات سننے کے فوراً بعد اس نے محتشم کو پیچھے دھکا دیا تھا، وہ پیچھے پڑی ٹیبل کے اوپر جا گرا تھا گرنے کے دو منٹ بعد وہ اٹھ کر حسام کی جانب لپکا تھا اور اس نے پے در پے کتنے ہی مکے اس کے منہ پر دے مارے تھے، حسام بیڈ پر گر چکا تھا اور محتشم سجل کو بالوں سے گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔

''تو کیا سمجھی تھی بدذات میں تجھے چھوڑ دوں گا کبھی نہیں قبر تک تیرا پیچھا کروں گا چل میرے ساتھ۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں اس کو صلواتیں سنا رہا تھا۔

''حسام...... حسام بچاؤ مجھے۔'' وہ چیخ رہی تھی۔

''بلا اپنے یار کو شاید تیری مدد کو وہ آ جائے۔'' وہ اس کو گھسیٹتا ہوا لاؤنج تک آ گیا تھا اور اچانک سے پیچھے سے حسام نے اس کو گلدان دے مارا تھا۔

گلدان سے لگنے والی ضرب کاری تھی، وہ تیورا کر اس کی جانب پلٹا تھا اس کے ہاتھ سے سجل کے بال چھوٹ گئے تھے موقع غنیمت جان کر وہ حسام کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی اس نے حسام کی شرٹ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا، اسی وقت دروازہ کھول کر بلال اندر آ گیا تھا اس نے ایک سرد نگاہ سجل اور حسام پر ڈالی تھی۔

''محتشم چلو یہاں سے۔'' اس نے محتشم کو

پکڑ کر زبردستی گھسیٹا تھا جبکہ وہ حسام اور سجل کو گالیاں دے رہا تھا حسام کا منہ سوج چکا تھا اس میں مزید لڑنے کی سکت نہیں تھی ورنہ محتشم جو گالیاں دے رہا تھا وہ ناقابل برداشت تھیں، ان کے جانے کے بعد حسام نے دروازہ بند کر لیا تھا اور خود وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا تھا اس وقت اس کو سجل پر چیخنا چلانا چاہیے تھا یہ جو کچھ ہو رہا تھا اس کی ذمہ داری سراسر سجل پر عائد ہوتی تھی اس کے بوئے ہوئے کو حسام کاٹ رہا تھا، اس کا منہ سوج چکا تھا اور صبح کی اس اچانک آفتاد نے اس کو گھر پر رہنے پر مجبور کر دیا تھا یقیناً وہ اندر بیٹھ کر رو رہی ہو گی، اس نے ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکنے کی کوشش کی تھی اس کا جسم ہل رہا تھا، وہ آہستگی سے اٹھا کچن میں جا کر اس نے ایک بار پھر سے کافی بنائی تھی، کافی بنانے کے بعد اس نے رات کی بریانی اون میں گرم کی تھی دونوں چیزوں کو ٹرے میں رکھ کر وہ کمرے میں آ گیا تھا وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی، اس کا دوپٹہ ندارد تھا الجھے و ملگجے سراپے نے حسام کو الجھن میں ڈال دیا تھا پھر اس نے ٹرے بیڈ کے قریب رکھی تھی، بکھرے ٹوٹے برتن اس نے سمیٹ لیے تھے۔

''سجل کافی پی لو۔'' اس نے نرمی سے پکارا تھا اس کے ایک بار پکارنے پر وہ اٹھ بیٹھی تھی اس کی آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری حسام۔'' وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی تھی، حسام نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو خود سے دور نہیں کر پا رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں ٹینشن نہ لو سب ٹھیک ہو جائے گا میں ڈیڈ سے بات کروں گا وہ سب جانتے ہیں۔'' اس نے ہولے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا پھر غیر محسوس انداز میں اس کو پیچھے ہٹایا تھا۔

''حسام، محتشم وہ مجھے نہیں چھوڑے گا وہ بہت ظالم ہے نفسیاتی مریض ہے حسام وہ مجھے مار دے گا۔'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہو گا وہ کچھ نہیں کر سکتا تم ٹینشن نہ لو میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔'' حسام نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا پھر غیر ارادی طور پر اس کے گالوں پر بکھرے آنسوؤں کو صاف کرنے لگا پھر کافی کا مگ اس کی جانب بڑھا کر بولا۔

''سجل کافی پی لو۔'' اگرچہ وہ بظاہر پرسکون نظر آ رہا تھا لیکن اندرونی خدشات نے اس کا چہرہ متغیر کر دیا تھا۔

☆☆☆

رات کا کوئی پہر تھا جب وہ کھٹکے کی آواز سن کر بیدار ہوئی تھی، اپنے روم سے حسام تک کے روم کا سفر ایک پہاڑ کو سر کرنے کے مترادف تھا خوف کے گہرے سایوں نے اس کے رگ و جاں میں ایک محشر سا طوفان جگا دیا تھا۔

''آپ اب بھی ان کی طرف داری کریں گی کمال ہے۔'' وہ چلا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ ڈیڈ سے بات کرائے پلیز...... میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا سنو؟ یہی کہ میں ظالم ہوں غاصب ہوں جیسا کہ ہمیشہ سے سنتا آیا ہوں، ٹھیک ہے دیں ان کو فون۔'' وہ بھڑک کر بول دیا تھا، کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ فون پر دوبارہ سے بول رہا تھا۔

''خوشخبری تو مل چکی ہو گی آپ کو۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

''اب ایسا کریں اس کو بھجوا دیں پاکستان۔'' وہ سفاکی سے بولا تھا۔

''نہیں بھجوا سکتے تو بیٹے کو قابو میں رکھیں مجھے اور اسے دونوں کو مار کر گیا ہے، زبان میرے پاس بھی ہے ہاتھ میرے بھی ہیں۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کل اس سے بات کرتا ہوں اگر مان جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو بھجوا دیں لیکن ایک بات کی میں گارنٹی دوں گا آپ کا بیٹا اس کا جینا حرام کیے رکھے گا وہ اس کو سکون نہیں لینے دے گا اوکے بائے۔'' اس نے فون بند کر دیا تھا اور راکنگ چیئر کی پشت پر سر ٹکائے کسی سوچ میں غلطاں تھا معاً اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے غیر محسوس طریقے سے بالکل اچانک چیئر اس کی جانب گھمائی تھی اور ایک لمحے کو ساکت رہ گیا تھا وہ من وعن سب سن چکی تھی، تمام پردے گر چکے تھے، کردار واضح ہو گئے تھے اب سٹیج پر مکمل طور پر سناٹا تھا ایسا سناٹا جو کہ وقفے کے آجانے پر چھا جاتا ہے مبہم سا لیکن گہرا۔

''تم سب سن چکی ہو؟'' اس نے پر یقین لہجے میں کہا تھا۔

''اندر آؤ۔'' اس نے اس کو اندر بلایا، وہ جھجک کر اندر بڑھی تھی پھر اس کی چیئر کے قریب آ ٹھہری تھی۔

''یہ میز پہ دو کارڈ رکھے ہیں، دونوں میں سے ایک کا انتخاب تمہیں کرنا ہو گا، ایک کو چوز کر کے تم پاکستان چلی جاؤ گی اپنے پیاروں کے پاس اور دوسرے کا انتخاب کر کے تم یہیں رہو گی لیکن تمہاری پہچان ختم ہو جائے گی، تمہاری سیکورٹی لازم ہو گی میں ڈائیلاگ نہیں بول رہا تم دیکھ لو گی خود۔'' اس کا لہجہ سخت نہیں تھا لیکن اس کے بے لچک انداز نے اس کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

یہ وہ حسام عبدالخالق تو نہیں تھا جس کو وہ جانتی تھی، وہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا تھا، مجل زندگی میں کبھی Dour Die کی سچویشن انسان کو ایک منجدھار پر لا کھڑا کرتی ہے کھڑا رہے یا پھر ڈوب جائے میں بھی اسی سچویشن میں ہوں ایک مرغ بسمل کی طرح جس کے تڑپتے جسم کو کسی نے تپتی دھوپ پر رکھ دیا ہے میں کیا کروں کیا نہ کروں، سمجھ میں نہیں آتا میں نے جن لوگوں کے لئے اپنی ہستی کو مٹا دیا وہی لوگ میرے دشمن بن گئے ہیں میرے اور تمہارے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔

''میں کس پر بھروسہ کروں کس پر نہ کروں، بھروسہ ایک ریت ہے جو ہر لمحے کے ساتھ سرکتی جاتی ہے میں خدشات وابہام میں پھنس گیا ہوں تم ہی بتاؤ۔'' وہ ایکدم سے پیچھے مڑا تھا وہ کمرے سے چلی گئی تھی۔

''میں جس کے لئے ایک دنیا کو تیاگنے چلا تھا وہ کسی انہونی کی طرح آ کر چلی گئی تھی، ہاں حسام عبدالخالق محبت کی معراج پا کر بھی تہی دست رہے ہو تم۔'' اس کا دل چاہ رہا تھا اس کمرے کی ہر شے کو تہس نہس کر دے لیکن کیا ایسا کرنے سے اس کا غم ہلکا ہو جانا تھا نہیں۔

وہ مرے شکست خوردہ قدموں سے چیئر کے قریب آیا تھا، وہاں صرف ایک کارڈ پڑا تھا، اس نے ہڑبڑا کر میز کی طرف دیکھا وہاں کوئی کارڈ نہیں تھا میز پر پڑا کارڈ اٹھا کر اس نے فرش پر دیکھا چیئر کے نیچے دیکھا کہیں ہوا سے کارڈ نیچے نہ گرا ہو لیکن کارڈ موجود نہیں تھا وہ خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا اس کی کیفیت اس وقت ایسی تھی جیسے نیم مردہ انسان میں اچانک سے اللہ

جان ڈال دے، بے یقینی ہی بے یقینی تھی وہ اس کو پتج سے ہمکنار کر گئی تھی، وہ اس کو خوشی دے گئی تھی، اس نے انتہائی محبت وعقیدت سے محبوب کے اس بند دروازے کو دیکھا جو اس کے لئے محبت کے دروازے کھول چکا تھا۔

☆☆☆

للی ڈسوزا نے حسام کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا حسام کے کئی اور دوست بھی انوائٹڈ تھے اس کے لاکھ منع کرنے پر وہ مصر تھا کہ تم لازمی چلو گی، جب وہ گھر واپس آیا تو شام کے سات بج رہے تھے جبکہ وہ یونہی سر جھاڑ منہ پہاڑ پھر رہی تھی البتہ فلیٹ کی خوب صفائی کی گئی تھی۔

''کھانا بنایا ہے کیا؟'' حسام نے ڈرائنگ روم داخل ہوتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا اور ساتھ ہی اپنا لیپ ٹاپ ٹیبل پر رکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''بنالیا ہے میں نے۔''

''لیکن ہم تو باہر جارہے ہیں۔'' حسام نے اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا جہاں پر ویرانی اور وحشت کے بادل بہت تیزی سے برسنے کو تیار تھے، حسام کو ان بادلوں نے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا اس کو وہ وقت یاد آیا جب گاڑی کی فلیش لائٹ ٹیرس پر کھڑی اس لڑکی کے چہرے پر پڑی تھی اس کی بے ساختہ ہنسی نے اس کو مبہوت کر دیا تھا، وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہا تھا، اس کی نظروں کا ارتکاز تھا کہ اس پر نظر پڑتے ہی نجل ناگواری سے پیچھے ہٹی تھی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی بھی تھی، وہ مسمرائز تھا۔

''میں نہیں جاؤں گی حسام۔'' اس کے کہنے پر وہ چونکا تھا، اس نے بے تاثر لہجے سے اس کی جانب دیکھا، وہ بار بار پلکیں جھپکا رہی تھی وہ روئی نہیں تھی لیکن اس کا لہجہ کمزور پڑ رہا تھا کچھ تھا جس نے اس کو توڑ دیا تھا وہ جو یوں ریزہ ریزہ ہو کر کسی بوسیدہ عمارت کی مانند بکھر رہی تھی کسی طوفان کے ٹل جانے کا سندیسہ اس میں مضمر تھا وہ تباہ حالی کا شکار تھی قسمت کی سمت ظریفی پہ شکوہ کناں تھی لیکن اس کی آنکھیں سارے پردوں کو چاک کر دیا کرتی تھیں اور اب بھی وہ یہی کام باحسن خوبی سرانجام دے رہی تھی۔

''کوشش کرو گی تو بھول پاؤ گی۔'' وہ اس کے قریب آکر بولا۔

''کیا بھولنا اتنا آسان ہے۔'' وہ روہانسی لہجے میں بولی۔

''نہیں آسان تو نہیں ہے بھول پانا۔'' حسام نے ہڑبڑا کر کہا۔

وہ محض چشم پوشی کر سکتا تھا بدلہ لینے پر آتا تو ایک خاندان کے اجڑنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا وہ خاندان جس کے ساتھ اس کی اپنی سانسوں کی ڈور بندھی ہوئی تھی، اس لئے وہ برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

''تیار ہو جاؤ پلیز میرے لئے۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور انتہائی بددلی سے وہ تیار ہونے کے لئے اندر چلی گئی تھی جبکہ حسام وہی بیٹھ گیا تھا، کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تھی، وہ نہ صرف نہا چکی تھی بلکہ کپڑے بھی چینج کر لئے تھے اس نے ایک سرسری نظر لیپ ٹاپ میں مصروف حسام پر ڈالی اور اسی وقت حسام نے اس کی جانب دیکھا تھا لیکن وہ نگاہ پلٹنا بھول گئی تھی۔

''تم بھی تیار ہو جاؤ۔'' نجل نے اس کو کہا تھا وہ ٹھٹکا تھا پھر خود اپنے جذبوں کے آگے سرنگوں ہونے پر شرمسار سا نظر آنے لگا تھا، وہ اپنے احساسات پر لگام ڈال چکا تھا لیکن اس پر اٹھنے والی نگاہ پر وہ اکثر اپنا اختیار کھو جاتا تھا، وہ عام

سے حلیے میں بھی خاص لگ رہی تھی، اس نے تصور کی آنکھ سے اس کو کتنی ہی بار اپنے اپارٹمنٹ میں چلتے پھرتے دیکھا تھا اور اب یہی حقیقت اس کو خواب لگنے لگی تھی، یہ اس کی نظروں کا اعجاز تھا جس نے اس کو چونکنے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ اپنی نظروں کا زاویہ بدل چکا تھا وہ سر جھٹک کر کچن میں آ گئی تھی، اس نے حسام کے لئے چائے تیار کی تھی جب چائے بنا کر وہ ڈرائنگ روم میں وہ آئی تو وہ کمرے میں جا چکا تھا اس کا لیپ ٹاپ آن تھا، یعنی اس نے دوبارہ آنا تھا اس نے چائے ٹیبل پر رکھ دی وہ واپس آ چکا تھا۔

''چائے پی لو۔'' اس کے کہنے پر اثبات میں سر ہلاتا وہ صوفے پر دوبارہ دراز ہو چکا تھا۔

''ویسے مجھے خیال نہیں آیا تمہیں تو خیال کرنا چاہیے تھا۔''

''کس بات کا خیال؟'' اس نے ہونق پن سے پوچھا۔

''تمہارا میک اپ خراب ہو گیا ہو گا۔'' وہ شرارتی لہجے میں بولا جبکہ اس کی شرارت سمجھ کر وہ جھینپ سی گئی تھی اگرچہ اس نے مارے باندھے نہا لیا تھا کپڑے بھی بدل لئے تھے لیکن میک اپ کے نام پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی۔

''کچھ کھانے کو نہیں ہے؟'' اس نے خالی چائے کو دیکھ کر کہا اس کے کہنے پر سجل نے خود کو کوسا تھا اور کچن میں آ گئی تھی اس کو یاد آیا جب بھی حسام چائے یا کافی بناتا تھا اس کے ساتھ سینڈوچ لازمی لاتا تھا اس نے فریج میں سے میڈلن کے پیک میں سے دو نکالے تھے حسام کو میڈلن بہت پسند تھے اس نے اس کو بتایا تھا کہ جب وہ پیرس گیا تھا تو وہاں اس کے ایک دوست نے اس کو کھلائے تھے بیروت آنے کے بعد حسام نے خود بھی ٹرائی کیا تھا کہ وہ میڈلن بنائے لیکن وہ ٹیسٹ ٹیکسچر پیدا نہیں کر پایا تھا جو وہاں سے کھائے تھے اس کا دوست اکثر اس کو بھیجتا رہتا تھا شروع شروع میں جب حسام کے ساتھ اس نے فیس بک پر بات چیت شروع کی تھی، تو وہ اکثر اس کو میڈلن کہتا، ایک آدھ بار اس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تم مجھے میڈلن کیوں بلاتے ہو۔

''بس ویسے ہی۔'' اس کا جواب آتا۔

''تم بھی مجھے کچھ کہہ سکتی ہو میں برا نہیں مناؤں گا، میں اگر تمہیں کہوں گی تو اردو یا انگلش میں کہوں گی نہ تو میری فرنچ اچھی ہے اور نہ ہی مجھے عربی آتی ہے اور اردو تمہاری سبحان اللہ ہے ہر لفظ کا اپنے حساب سے معنی گھڑ لیتے ہو۔'' اس نے مضائقہ خیز انداز میں لکھا تھا، اس کے بعد اس نے Smiling fiqure بھیجا تھا پھر اس کا ایس ایم ایس آیا۔

''سجل!''

''ہاں بولو۔'' اس نے ٹائپ کیا۔

''کچھ نہیں۔'' اتنا سسپنس کریٹ کر کے وہ محض اتنی سی بات کہہ دیتا، پہلے پہل تو سجل متجسس ہوئی پھر وہ سمجھ گئی کہ وہ یونہی اس کو تنگ کرنے کے لئے کہتا ہے اور کبھی کبھار پڑھائی میں مصروفیت کی وجہ سے وہ اس کے ایس ایم ایس کا ریپلائے نہ کر پاتی تو وہ احتشام کو ایس ایم ایس کر دیتا، احتشام دوڑتا ہوا آتا۔

''حسام کی میڈلن کھو گئی ہے وہ ڈھونڈ رہا ہے نہیں مل رہی تم آ کر بتاؤ اسکو۔''

''کیا مطلب؟'' وہ بھونچکی رہ جاتی۔

''مجھے نہیں پتا اس نے جو کہا ہے وہی کہہ رہا ہوں web کو آن کر کے بتاؤ ایڈیٹ۔'' وہ زیر لب اس کو گالیوں سے نوازتی web آن کرتی، اس کے ویب آن کرنے کے ساتھ ہی حسام کے ایس ایم ایس آنا شروع ہو جاتے وہ جھنجلا کر

بھتی۔

''کیا ہے؟''

''سلام۔'' جواب فوراً آتا نہ چاہتے ہوئے بھی سجل کو ہنسی آجاتی۔

''آر یو او کے۔'' وہ پھر کہتا۔

''یس آئی ایم او کے۔'' وہ جواب بھیجتی۔

''کہاں تھیں؟''

''مصروف تھی۔''

''وہ تو میں بھی تھا لیکن ایسی بھی کیا مصروفیت کہ بھول جاؤ۔'' وہ شکوہ کرتا۔

''کیا ہوا سجل، تم اندر نہیں آئی میں پریشان ہو گیا تھا۔'' وہ ایک جھٹکے سے ماضی سے حال کی جانب لوٹی تھی، اس کے ہاتھ میں میڈلن کا پیک جوں کا توں تھا۔

''اوہ تم یہ لینے آئی تھیں۔'' اس نے انتہائی پیار سے ان کو دیکھا سجل کو بہت حیرت ہوئی۔

''تمہیں یہ اچھے لگتے ہیں؟''

''آئی لو اٹ۔'' اس نے اس کے ہاتھ سے ایک میڈلن سے لیا اور منہ رکھا پھر بولا۔

''چلو بھئی دیر ہو گئی ہے تم چائے پیو گی۔'' اس کے نہیں کہنے پر اس نے انتہائی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیک فریج میں رکھا دیا تھا حالانکہ سجل اس میں سے ایک لینا چاہتی تھی، لیکن وہ کہہ نہیں پائی تھی۔

''ایسا کرو منہ دھولو۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''وہ چہرے پر آنسوؤں کے نشان ہیں ناں۔'' اس لئے وہ کہہ کر اندر چلا گیا تھا سجل نے نہ چاہتے ہوئے بھی منہ دھولیا تھا منہ دھو کر جب وہ واپس آئی تو وہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا سامنے ٹی وی چل رہا تھا وہ اپنی گود میں لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا تھا اور ساتھ ہی فون پر باتیں بھی کر رہا تھا وہ جانتی تھی کہ اس کو بیک وقت کئی کام کرنے کی عادت تھی شروع شروع میں جب وہ نیٹ پر اس سے بات کرتا تو اکثر یونہی کیا کرتا تھا ایک سوال کا جواب کافی دیر سے آنے پر وہ جھنجھلا کر کہتی۔

''میں جا رہی ہوں۔''

''کہاں جا رہی ہو؟'' جواب فوراً آتا۔

''جہنم میں۔''

''وہ کون سی جگہ ہے؟'' وہ انجان تھا یا انجان بن کر ٹائپ کرتا۔

''جہاں پر تم جیسے لوگ جاتے ہیں۔''

''تم نہیں جا سکتی میرے ساتھ۔'' وہ ریکوسٹ کرتا۔

''مجھے تمہارے ساتھ جانے کا کوئی شوق نہیں ہے سمجھے تم۔'' وہ چڑ جاتی۔

''پلیز پلیز پلیز پلیز۔'' اس کے بعد پلیز کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑتی پھر کسی سیریس موضوع پر بات کرتے ہوئے وہ اچانک پوچھتا۔

''اچھا یہ بتاؤ ناراض کیوں تھیں؟''

''بس ویسے ہی۔'' وہ ٹائپ کرتی۔

''ویسے ہی کیوں کوئی وجہ تو ہوگی ناں بتاؤ پلیز۔'' وہ اصرار کرتا۔

''تمہیں کیا اس سے۔'' وہ شکوہ کرتی۔

''مجھے کچھ ہے تو پوچھ رہا ہوں میڈلن۔''

''کیا تم مجھے میڈلن کہہ رہے ہو۔'' اس نے شرارت سے ٹائپ کیا حالانکہ وہ پہلے بھی کتنی ہی بار اس نام سے پکار چکا تھا، اس نے Smiling figure بنا کر بھیجا۔

''تم مجھے میڈلن کیوں بلاتے ہو۔'' اس نے دوبارہ لکھ بھیجا۔

''بس دل چاہتا ہے تم بھی مجھے کسی نام سے بلاؤ ناں۔''

''تم چاہتے ہو میں تمہارا نام Suggest کروں۔''

''ہاں بالکل مجھے خوشی ہو گی۔''

''اچھا ویسے تمہاری شکل براک اوباما سے ملتی ہے۔'' اس نے شرارت سے ٹائپ کیا اور اگلے ہی منٹ What کے ساتھ Question mark(؟) کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

''کیوں وہ اچھا نہیں لگتا تمہیں۔''

''مجھے تو وہ تمہاری شکل لگتا ہے۔''

''نہیں وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔'' اس نے چڑ کر جواب دیا۔

''چلو ایسا کرتے ہیں تمہارا نام صرف براک رکھ لیتے ہیں۔''

''نہیں I hate barak۔''

''Butt i love brark۔'' اس نے سرعت سے ٹائپ کیا۔

''Plz کچھ اچھا سا نام تلاش کرو۔''

''اچھا پھر Ghoora (گھوڑا) کیسا ہے؟''

''What is ghoora۔'' اس نے سوال کیا۔

''پاکستان میں Horse کو Ghooray کہتے ہیں اور ویسے بھی تمہیں گھوڑے پسند ہیں ناں۔''

''ہاں یہ اچھا ہے میں Ghoora (گھوڑا) ہوں۔''

''لیکن Barak؟۔''

''نہیں Ghoora Ghoora Ghoora Ghoora۔'' براک براک براک براک اس نے ٹائپ کیا، پھر اس نے

''Sajal۔''

''Yes؟''

''I am happy when i talk with you۔'' (میں خوش ہوتا ہوں جب تم سے بات کرتا ہوں۔''

''اچھا۔''

''Sajal۔'' اس نے پھر ٹائپ کیا۔

''yes۔''

''کیا میں ساری زندگی یہ خوشی محسوس نہیں کر سکتا؟''

''نہیں۔'' اس نے سرعت سے ٹائپ کیا جبکہ حسام کے دل کی طنابیں ایک منٹ کو رکی تھیں۔

''کیوں؟''

''بس مجھ لگتا ہے میری ارینج میرج ہو گی اور میرا شوہر Bankar ہو گا۔''

''تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

''بس لگتا ہے۔''

''اگر وہ تمہیں پسند نہ کرتا ہو تو پھر کیا کرو گی؟''

''میں اجسٹ کرنے کی کوشش کروگی۔''

''اگر اجسٹ نہ کر سکیں پھر؟''

''ہم مشرقی لڑکیاں اجسٹ کر لیتی ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے لکھا۔

''لیکن اگر قسمت تمہیں یہ موقع دے کہ تم اپنے پسندیدہ بندے سے شادی کر لو پھر کیا کرو گی؟''

''اول تو میرا کوئی پسندیدہ بندہ ہے ہی نہیں اگر ہوا بھی تو دیکھو گی۔'' اس نے مسکرا کر ٹائپ کیا۔

''کیا تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے۔'' اس نے سوال کیا۔

''لاحول ولاقوۃ ہمارے پاکستان میں ابھی بوائے فرینڈ کا ٹرینڈ اتنا وسیع نہیں ہو گیا کہ ہماری فیملی میں استغفراللہ۔''

''تم کسی کو پسند کرتی ہو؟'' ایک سوال نے اس کو کوفت میں ڈال دیا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے لکھا۔

''Thanks۔'' سرعت سے جواب لوٹایا گیا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''چائے پی رہی ہوں۔''

''اگر میں کہوں مجھے بھی پلا دو؟''

''سوری میں بہت بدمزا چائے بناتی ہوں تم نہیں پی پاؤ گے، جس دن احتشام میرے ہاتھ کی چائے لیتا ہے اس دن وہ کافی دیر تک کلیاں کرتا رہتا ہے۔''

''اگر میں کہوں بدمزا چائے میں ساری عمر بہ راضی و رضا پینا چاہتا ہوں تو پھر تم کیا کہو گی؟''

''میں ساری عمر تمہیں یہ سزا نہیں دے سکتی۔'' اس نے شرارت سے ٹائپ کیا۔

''اور اگر میں اپنی خوشی سے یہ سزا لینا چاہوں پھر۔''

''سوری حسام مما بلا رہی ہیں پھر بات کروں گی۔'' اس نے ویب آف کر دیا تھا اور بیروت میں بیٹھے حسام عبدالخالق کے اردگرد چنگاریاں سی پھوٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

''سجل ایسے کیوں کھڑی ہو؟'' اس کی آواز پر وہ چونکی تھی وہ فون بند کر چکا تھا، لیپ ٹاپ بھی رکھا جا چکا تھا واحد شے ٹی وی تھی جس کو اس نے آف نہیں کیا تھا۔

''نہیں ویسے ہی۔'' وہ نظریں چرا کر بولی وہ اس کے ساتھ باہر آ چکا تھا ان کا فلیٹ دوسرے فلور پر تھا، لفٹ کی مدد سے وہ پارکنگ میں آ گئے تھے، حسام نے اس کے لئے کار کا دروازہ کھولا تھا وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی، موسم آج انتہائی ابر آلود تھا لیکن جیسے ہی اس نے کار آگے بڑھائی روشنیوں رنگوں نے ان کا خیر مقدم کیا تھا، وہ الجھی بکھری سی باہر کی جانب دیکھ رہی تھی کبھی اس کو بہت چاہ تھی کہ وہ بیروت دیکھے اور اب جو مناظر ایک کے بعد ایک اس کی نظروں کے سامنے آ رہے تھے ان کو دیکھنے کی نہ تو اس کو حسرت رہی تھی اور نہ ہی چاہ تھی اب، وہ اس کو لے کر بیروت روڈ پر ریسٹورنٹ میں آ گیا تھا۔

یہاں پر روڈ زیر ریسٹورنٹ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا، چلتے پھرتے اس نے مختلف قسم کے سینڈوچ لئے تھے انتہائی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ ہجوم کے درمیان میں چل رہا تھا موسم انتہائی زبردست تھا اور کل چونکہ ویک اینڈ تھا اسی لئے روڈ پر گہما گہمی تھی۔

''ارے تم بھی کھاؤ ناں۔'' سینڈوچ کھاتے ہوئے اس نے اس کو دیکھا تھا اور پھر اس کے کہنے پر بھی اس نے سینڈوچ نہیں کھایا تھا تو اسے اپنا بچا ہوا سینڈوچ اس کے قریب کیا اور اس کے منہ میں ڈال دیا جھجک شرم سے اس کا منہ سرخ پڑ گیا تھا، مزید آگے جا کر اس نے ایک بار پھر رک کر اس کو دیکھا تھا، سجل نے سرعت سے اپنے ہاتھ میں تھما سینڈوچ منہ میں ڈال لیا تھا اور پہلے ہی بائٹ پر اس کو زور کا اچھو لگا تھا تیز مرچوں کی وجہ سے بائٹ حلق میں پھنس گیا تھا وہ کھانسنے لگی تھی۔

''کیا ہوا سجل رکو میں کولڈرنک لاتا ہوں۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سامنے سے کولڈرنک لے آیا تھا، اس نے بامشکل کول ڈرنک کا ایک سپ لیا تھا اور اس کو واپس لوٹا دی تھی، اس نے نہ

صرف ڈرنک لے لی تھی بلکہ اب مزے سے اس کی بچی ہوئی کین پی رہا تھا۔
''تم انتہائی کم کھاتی ہو۔'' سجل نے اس کو سینڈوچ پکڑایا تھا اس نے سینڈوچ لینے کے ساتھ تبصرہ بھی کیا تھا اور ساتھ ہی سینڈوچ کھانا شروع کر دیا تھا، وہ دونوں چلتے ہوئے Souk-a-tayb مارکیٹ آ گئے تھے، یہ ایک بہت بڑی مارکیٹ ہے جہاں پر فریش پھل، سبزیاں اور ریسٹورنٹ سبھی تھے، اس نے جیب سے ایک چٹ نکالی تھی اور فون پر کسی سے بات کرنے لگا تھا کچھ دیر وہ دونوں وہی کھڑے رہے تھے سجل نے اردگرد مسلسل بڑھتے ہجوم کو دیکھا تھا تھوڑی دیر بعد ایک لڑکا آ گیا تھا حسام عربی میں اس سے کچھ کہہ رہا تھا پھر اس نے وہ چٹ اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی اور اس کے ساتھ واپس کار میں آ گیا تھا، کار ایک بار پھر رواں دواں تھی۔
''مجھے بیروت میں چپل بایل فوڈ ریسٹورنٹ بہت پسند ہے۔'' وہ اس کو وہاں لے آیا تھا اور اب اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ ایک لے گی، اس کے تحیر سے دیکھنے پر اس نے خود ہی آرڈر دے دیا تھا اور اب موبائل آن کر کے بیٹھ گیا تھا۔
''وہ تمہارے دوست کب آئیں گے؟'' ویٹر مینو لگا چکا تھا اور اس کو کھانے کا آغاز کرتا دیکھ کر وہ بے ساختہ بولی تھی۔
''ہاں وہ نہیں آ رہے۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا اور کھانا شروع کر دیا۔
''کیوں؟'' سجل کو حیرت ہوئی تھی یہ کیسے دوست تھے جو بلا کر خود غائب ہو گئے تھے۔
''میں نے جھوٹ بولا ہے کوئی پارٹی نہیں تھی میں تو ویسے ہی تمہیں لے آیا تھا، آؤٹنگ کے لئے اور کچھ سامان بھی خریدنا تھا گھر کے لئے۔'' وہ مزے سے بولا تھا اس کے پیروں لگی اور سر پہ بجھی تھی۔
''کیا مطلب، جھوٹ بولا تھا، میں تیار ہو کر آئی ہوں۔'' سجل کو اس پر سخت تاؤ آ رہا تھا غصے سے اس کا منہ سرخ ہو گیا تھا۔
''اس کو تیاری کہتے ہیں پارٹی کی وجہ سے تم نہائی ہو تم نے منہ دھویا ہے اگر پارٹی نہ ہوتی تو تم اگلے دو دن تک نہ تو نہاتی اور نہ ہی منہ دھوتی چہ چہ اتنی غلاظت، پھر تو تمہارا میرے ساتھ چلنا میرے لئے بھلائی ثابت ہوئی ہے تم صاف ستھری جو ہو گئی ہو۔'' وہ استہزائیہ انداز میں اس کو گھورتے ہوئے بول رہا تھا۔
''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے سمجھے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی تھی۔
''اب تمہارا ذاتی معاملہ میرا ذاتی معاملہ ہے سمجھیں میں ہی تمہیں روز دیکھتا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا تھا، اس کے اس طرح ہاتھ پکڑنے پر وہ سٹپٹا گئی تھی اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی لیکن گرفت بہت مضبوط تھی وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا اس کی والہانہ نظریں اس کو نظریں چرانے پر مجبور کر رہی تھیں اس کی آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا، روشنیاں، جگنو، خواب، انگڑائیاں لیتی امنگیں ایک کاروان آباد تھا، وہ اس کا ہاتھ چھوڑ چکا تھا لیکن سجل کی بولتی بند ہو گئی تھی مبادا وہ کوئی اور حرکت نہ کر دے۔
''میڈلن کھانا کھا لو۔'' اس نے ایک ڈش اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا سجل نے انتہائی تحیر سے اس کی جانب دیکھا کتنے عرصے بعد اس نے اس کو اس نام سے پکارا تھا، کھانا انتہائی خاموشی سے کھایا گیا تھا، کھانا کھانے کے بعد وہ اس کو ایک مقامی ریسٹورنٹ لے آیا تھا دونوں نے وہاں کافی پی تھی ایک مقامی گلوکار گانا گا رہا تھا سجل کے لئے زبان مختلف تھی لیکن وہ کھوسی گئی

تھی، وہ خود کو اس ماحول کا حصہ تصور کر رہی تھی، واپسی پر وہ اس کو کپڑے دلانے کے لئے مال لے آیا تھا، سجل کی پسند کے تین چار سوٹ اس نے خریدے تھے، اس طویل روڈ کو عبور کر کے وہ پارکنگ میں آنے والے تھے کہ اچانک اس کی نظر صولت جان پر پڑی تھی وہ بھی ان دونوں کو دیکھ چکی تھیں حسام نے سجل کا ہاتھ پکڑا تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے شاپنگ بیگز پکڑے ہوئے تھے، ان کی خشمگیں نگاہوں نے دونوں پر کوڑے سے برسائے تھے حسام بے ساختہ اس کا ہاتھ چھوڑ چکا تھا سجل کی اپنی حالت نہ گفتہ بہ تھی، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی، صولت جان کے ساتھ بلال کھڑا ہوا تھا اور محتشم قریبی مارکیٹ سے نکل کر آیا تھا، وہ بھی ان کو دیکھ چکا تھا وہ صولت جان کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا وہ نفرت و حقارت سے ان پر نظر ڈال کر کار میں بیٹھ گئی تھیں وہ تینوں چلے گئے تھے جبکہ حسام کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئی تھیں، وہ کار اسٹارٹ کر چکا تھا وہ ایک محتاط ڈرائیور تھا لیکن اس وقت وہ ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا اتنی کہ سجل کو یقین تھا وہ گھر پہنچیں نہ پہنچیں ہاسپٹل لازمی پہنچ جائیں گے گھر پہنچ کر بھی اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔

''سجل عمر آئے گا تم اس سے سامان لے لینا۔'' یہ آخری بات تھی جو وہ کہہ کر اسٹڈی میں بند ہو گیا تھا سجل ڈرائینگ روم میں پڑے صوفے پر بیٹھ گئی تھی اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے، اسی وقت دروازہ بجا تھا اس نے بغیر پوچھے دروازہ کھول دیا تھا اور اس کو ایسا لگا تھا جیسے طوفان خود چل کر اس کے دروازے پر آ کھڑا ہوا ہو اس کی ہستی کو تہس نہس کرنے صولت جان نے اندر آتے ہی اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا تھا وہ خود کو ان کی گالیوں کو سننے کے لئے بہت پہلے تیار کر چکی تھی لیکن یہ پہلی چیز تھی جس کی توقع اس نے نہیں کی تھی۔

''میری گود اجاڑ کر کیا ملا ہے تمہیں میرے بیٹے کو مجھ سے بدظن کر دیا ہے کیا اسی دن کے لئے میں تمہیں بیاہ کر لائی تھی۔'' وہ بین کرنے کے انداز میں بول رہی تھیں اور اسی وقت اسٹڈی کا دروازہ کھول کر حسام باہر آیا تھا، اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اس نے بہت آہستگی اور نرمی سے اس کو پیچھے ہٹایا تھا اور خود ان کے قریب جا کھڑا ہوا تھا وہ ان سے عربی میں بات کر رہا تھا اس کی بات سنتے سنتے ان کے چہرے کی رعونت میں کمی آتی جا رہی تھی وہ کچھ شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھیں جبکہ حسام چلا رہا تھا، محتشم کی جانب اشارہ کر رہا تھا، محتشم نے آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن صولت جان نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو بولنے سے روک دیا تھا، حسام ان کا ہاتھ پکڑ کر چوم رہا تھا، وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھے سجل کی جانب اشارہ کر کے کچھ بول رہی تھیں ان کی آنکھوں سے جھلکتی ناپسندیدگی و نفرت اور حقارت بھرا لب و لہجہ اس پر سب کچھ عیاں کر رہے تھے کچھ دیر وہ چلی گئی تھیں ان کے جانے کے بعد حسام نے دروازہ لاک کیا تھا اور خود اسٹڈی میں چلا گیا تھا اور وہ ڈرائنگ روم کے دائیں جانب ڈور کھول کر بالکونی میں آ گئی تھی، باہر ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی، تیز ہوا کے جھونکوں نے اس کے سرد احساسات پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا، ڈرائنگ روم میں پڑا حسام کا موبائل بج رہا تھا وہ جانتی تھی حسام نہیں آئے گا وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی ماں سے اپنی فیملی سے شدید محبت کرتا ہے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ صولت جان ہر ایک کے سامنے اس کو غاصب کے طور پر پیش

کرتیں تھیں بالکل ایسے جیسے وہ ان کے بچوں کے حقوق کو غضب کرتا آرہا ہو وہ سب جانتا تھا لیکن پھر بھی ان کی محبت میں پور پور اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ پچھلے ایک گھنٹے سے اس کا غم کم نہیں ہو رہا تھا، اس نے فون اٹھایا تھا پاکستان سے فون تھا احتشام کالنگ اسکرین پر جگمگا رہا تھا، اس نے سرعت سے موبائل آن کیا تھا۔

''ہیلو۔'' ڈیڈ کی آواز سن کر اس کو لگا جیسے صدیاں گزر گئی ہوں اپنوں سے بات کیے ہوئے ان کو سنے ہوئے۔

''ہیلو پپا...... پپا میں سجل ہوں۔'' وہ بولنا چاہتی تھی لیکن آواز حلق میں پھنس گئے تھے آنکھیں اشکبار ہو رہی تھیں، سجل بول رہی تھی، پپا کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''جی۔'' اس نے بامشکل حلق سے رندھی ہوئی آواز نکالی تھی۔

''تم نے محتشم سے طلاق لے لی ہے۔'' ان کی سخت کھدری آواز بغیر کسی شفقت و محبت کے اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برسی تھی، وہ نیم جان سی صوفے پر بیٹھ گئی تھی اگر وہاں نہ بیٹھتی تو یقیناً گر جاتی، ان کے بولے گئے الفاظ میں کتنا تضاد تھا، طلاق لینے میں اور اپنی مرضی سے دینے میں فرق تھا، وہ کتنی ہی بار پاکستان فون کر چکی تھی لیکن اس کی آواز سنتے ہی وہ لوگ فون کاٹ دیا کرتے تھے اور اب احتساب کی عدالت میں کھڑا اس کا وجود سزا یافتہ ہو گیا تھا۔

''پپا...... پپا......'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پیچھے سے آتی مما، طارق بھائی اور احتشام کی آوازوں نے اس کی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

''تم مر گئی ہو ہمارے لئے اب پاکستان کبھی مت آنا، سجل میں نہیں چاہتا میرے بیٹے تمہارے لئے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں۔'' مما کی آواز پیچھے سے آرہی تھی وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھیں لیکن پپا نے ان کو جھڑک دیا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا سجل تم یہ کام کرو گی ایک ناجائز رشتے کے لئے تم نے اپنے والدین کی تربیت کو گالی دی ہے۔''

''پپا نہیں میری بات سنیں۔'' وہ روتے ہوئے چیخی تھی۔

''چیخو مت چیخنے سے تم سچی ثابت نہیں ہو جاؤ گی تمہاری اور حسام کی تصویریں بھیجی ہیں محتشم نے ہمیں صولت جان سے خود رو رو کر ساری بات بتائی ہے۔''

''پپا سب جھوٹ ہے...... پپا۔'' وہ ان کو سب کچھ بتانا چاہتی تھی لیکن فون اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا تھا اس کے ذہن میں چاروں طرف آوازیں ہی آوازیں شور ہی شور تھا ایک طوفان تھا جو اس کی ہستی کو تہس نہس کر رہا تھا ماضی میں گزرے ایام کی جھلکیاں حالی کی تصویریں سب گڈ مڈ ہو رہی تھیں وہ کیا تھی اور اب کیا ہو گئی تھی کہ عملی تفسیر سب آپس میں الجھ گئی تھیں کوئی واضح شکل نہ بنتی تھی اور نہ دھندلائی شکل قابل شناخت تھی، شادی کے پہلے کا دور جس میں اس کے خواب تھے خوش رنگ تتلیوں کو پکڑنے کی جستجو پھر شادی کے بعد کا دور جس میں نہ صرف ذہنی و جسمانی تکالیف تھیں بلکہ روح کو گھائل کرنے کے عذاب تر عذاب سہہ کر وہ اس مقام پر پہنچی تھی اور اب یہ وقت تھا جس میں ملامت پھٹکار کے بلند و بالا پہاڑ تھے جن کا ملبہ اس کی ہستی کو داغدار کر رہا تھا، وہ صوفے سے نیچے گر گئی تھی اس کا ذہن بڑی تیزی سے تاریکیوں کا سفر کر رہا تھا۔

☆☆☆

رات دو تین بجے کے قریب حسام سٹڈی سے باہر آیا تھا ڈرائنگ روم کی لائٹ آن تھی وہ

آف کرنے کے لئے آگے بڑھا تھا سجل کو فرش پر بے ہوش پڑا دیکھ کر صحیح معنوں میں اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے، وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا اس نے اس کو سیدھا کیا تھا اتنی سردی میں وہ بغیر دوپٹے کے فرش پر جانے کب سے پڑی تھی اس کا جسم سرد ہو رہا تھا اور ہونٹ بالکل نیلے ہو گئے تھے اس نے تیزی سے اس کی ہتھیلیاں مسلی تھی اس کے گال تھپتھپائے تھے اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی، اس نے اس کو بازوؤں میں اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آیا اس کو بیڈ پر لٹا کر اس نے دو کمبل اس پر ڈال دیئے تھے، تھرڈ فلور پہ ڈاکٹر احسان رہتے تھے وہ ان کا نمبر ملانے لگا تھا رات کے تین بجے رہے تھے بے شک یہ انتہائی غیر اخلاقی حرکت تھی کہ کسی مہذب انسان کو اس وقت تنگ کیا جائے لیکن پریشانی نے اس کا ذہن ماؤف کر دیا تھا، پندرہ بیس منٹ کی لگاتار بیل کے بعد احسان صاحب کی آواز ائیر پیس پر ابھری تھی۔

''کون؟''

''احسان صاحب میں حسام بول رہا ہوں۔'' اس کی پریشانی میں ڈوبی آواز سن کر ان کا عود آنے والا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا، ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ فلیٹ پر موجود تھے اس کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد انہوں نے اس کو ایک سکون آور انجکشن دیا تھا اور چلے گئے تھے، وہ اس کے بیڈ کے قریب چیئر رکھ کر بیٹھ گیا تھا، اس کی بیتاب و بے چین نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، جس سجل سے وہ پاکستان میں ملا تھا وہ اس سجل کی پرچھائی بھی نہیں تھی، وہ کچھ ہی عرصے میں کیا سے کیا ہو گئی تھی، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اس کے ہاتھ پر جا بجا نشانات تھے اس نے انتہائی تحیر سے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر اس نے آستین کو ذرا سا اوپر سرکایا اذیت کے جن جن مرحلوں سے وہ گزری تھی سب نشانات من وعن موجود تھے، ایک لمحے کے لئے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا اس کے دل میں درد کی ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک عالم کو تہس نہس کر دے وہ اٹھ کر اس کے قریب ہوا تھا گردن کے نچلے حصے پر سگریٹ کے مدھم نشانات تھے، اس کو اس سوئی ہوئی لڑکی پر شدید غصہ آ رہا تھا جس نے چھ ماہ اس اذیت میں گزار دیئے تھے لب سیے بغیر کوئی آہ و بکا کیے، اس کو اس پر ترس بھی آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ان تمام اذیتوں کو تکلیفوں کو منہ پر قفل ڈالے برداشت کرتی آئی تھی اس کے صبر و استقلال پر وہ حیران بھی تھا وہ جس بھیڑیے کا بھرم قائم رکھے ہوئے تھی وہی اس کے کردار کا داغدار کر رہا تھا اس پر الزام کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھٹکے کی آواز پر کھلی تھی وہ شاید پانی کا جگ اٹھانے کی سعی کر رہی تھی اور جگ زمین بوس ہو چکا تھا وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا تھا۔

''کچھ چاہیے سجل۔'' اس نے بیقراری سے پوچھا۔

''پپ...... پانی۔'' اس نے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیری وہ سرعت سے باہر نکل گیا کچھ دیر بعد وہ پانی کا گلاس لے آیا تھا اس نے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگا لیا تھا صبح کب کی ہو چکی تھی وہ آفس کے لئے کافی لیٹ ہو چکا تھا اس نے آفس فون کیا تھا اور خود کچن میں آ گیا تھا جبکہ وہ دوبارہ سو چکی تھی، وہ سوپ بنانے میں مگن تھا جبھی ڈور بیل بجی تھی عمر سامان سے آیا تھا۔

''رات کو کیوں نہیں دے کر گئے تھے۔''

اس نے برہم لہجے میں پوچھا۔
''بارش بہت زیادہ تھی میں بھول گیا تھا۔''
وہ کرسی کھینچ کر ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ بیٹھ گیا تھا، وہ سامان رکھ کر جا چکا تھا اس نے نجل کے لیے سوپ بنا لیا تھا اور خود وہ چائے پی رہا تھا، تبھی یادوں کی ہوائیں ایک بار پھر سے اس کے قریب چلنے لگی تھیں۔
''تمہیں کوکنگ آتی ہے نجل۔'' جواب کافی دیر بعد آیا تھا۔
''یس۔''
''اچھا ماشاءاللہ تم کیا بنا لیتی ہو۔''
''تمام Traditional کھانے میں بنا لیتی ہوں لیکن اس کے علاوہ کچھ نہیں بنانا آتا۔'' اس نے فخریہ انداز میں ٹائپ کیا تھا۔
''لیکن بیروت میں لوگ ہلکا پھلکا کھانا پسند کرتے ہیں Traditional کھانے تو بہت کم بنتے ہیں یہاں۔''
''اچھا۔''
''لیکن یہاں تو سب ان کھانوں کو پسند کرتے ہیں کڑھائی گوشت، کوفتے، بریانی، پلاؤ، پائے، قورمہ۔'' وہ اس کو چڑانے کے لیے لکھنے لگی تھی۔
''او مائی گاڈ یہ تو بہت ہوی ہے ہم اتنا کچھ کھائیں گے تو ہاتھی جیسے لگنے لگیں گے۔''
''ہاں تم مت کھانا ورنہ تم ہاتھی لگو گے۔''
''اور اگر تمہاری شادی باہر ملک ہو گئی تو پھر تم کیا کرو گی۔''
''پھر میں کھانا ہی نہیں بناؤ گی۔'' اس نے جواب لکھا۔
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ کہ میں اپنے ہزبینڈ سے کہوں گی وہ بنائے کھانا۔'' اس نے شرارت سے ٹائپ کیا تھا۔
''لیکن مجھے تو کھانا بنانا نہیں آتا۔'' اس نے فوراً جواب لکھا تھا۔
''تمہاری بات کون کر رہا ہے۔'' اس نے غصے میں لکھا۔
''اوہ میں بھول گیا، لیکن میں سیکھ لوں گا۔''
''کیا سیکھ لو گے؟''
''جو تم کہو گی۔'' اس کے جواب پر وہ ایک لمحے کی ٹھٹکی تھی یہ واضح اشارہ تھا لیکن مما کے بلانے پر وہ اس سے معذرت کرتے ہوئے چلی گئی تھی، حسام کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی، جبکہ اگلے ہی دن اسے ریسپی بک خرید لی تھی وہ جو پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بھی بڑبڑاتا تھا اب ہمہ وقت کچن میں کھانے پکانے میں مگن نظر آنے لگا تھا۔
''لگتا ہے کسی پھوہڑ عورت سے شادی کا ارادہ کر لیا ہے جناب نے۔'' بلال اس کو آتے جاتے چڑانا نہیں بھولتا تھا، شاید چائے چھلکی تھی، اس نے چونک کر کپ کی جانب دیکھا، چائے گرم نہیں تھی لیکن یادیں اتنی تلخ تھیں، جب وہ کمرے میں آیا وہ تکیے پر سر ٹکائے رو رہی تھی اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔
''ارے تم جاگ رہی تھیں میں تو سمجھ رہا تھا تم سو گئی ہو۔'' اس کی آواز پر اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا سرعت سے اپنے آنسو صاف کیے تھے اس نے جبکہ وہ نظریں چرا کر اس کے قریب ٹرے رکھ چکا تھا اور خود بھی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔
''سوپ پی لو۔'' اس نے سوپ کا ایک چمچ بھر کر اس کے منہ کے قریب کیا، لیکن اس نے سوپ پینے کے لیے منہ نہیں کھولا تھا۔
''مجھے بھوک نہیں ہے اور میرا دل بھی نہیں

چاہ رہا۔"

"جانتا ہوں لیکن پینا تو پڑے گا، سوپ نہیں پیو گی تو طاقت کیسے آئے گی ویسے بھی کچھ دنوں کے لئے ہم شہر سے باہر جائیں گے۔"

"کیوں؟"

"میری Tourist ایجنسی میں کوئی مسئلے ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے مجھے وہاں خود جانا پڑے گا اب تمہیں یہاں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا اس لئے ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ نخوت سے بولی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے نہیں جانا سوپ تو پی لو، میرا ہاتھ بھی تھک گیا ہے تو بہ کتنے نخرے ہیں تمہارے۔" اس نے زبردستی چمچ اس کے منہ میں ڈال دیا تھا اور اسی ایک پر ہی نہیں رکا تھا لگاتار دو تین چمچ لبا لب بھر کے اس کے منہ میں ڈالتا گیا تھا۔

"ہضم تو کرنے دو مجھے۔" وہ چلائی تھی، اس کے اس طرح ٹوکنے پر حسام کو ہنسی تو بہت آئی تھی لیکن وہ اپنی مسکراہٹ چھپا گیا تھا جانتا تھا اگر وہ اس کے سامنے ہنسے گا تو پھر وہ سوپ نہیں پیئے گی۔

"کیسا بنا ہے اچھا ہے ناں، میں بہت اچھا کک ہوں ناں۔"

"بس ٹھیک بنا ہے۔" اس نے سوپ پینے کے دوران بامشکل جواب دیا تھا۔

"محترمہ پچھلے ایک گھنٹے سے اس سوپ کو بنانے میں مصروف رہا ہوں یوٹیوب پر ریسپی دیکھ دیکھ کر بنایا ہے میں نے۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح شروع ہو گیا تھا جبکہ وہ اپنا سر تکیے پر ٹکا کر آنکھوں پر بازو رکھ چکی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں سر میں درد ہو رہا ہے۔"

اس نے تشویش سے اس کو دیکھا۔

"کچھ نہیں ہو تم بولتے رہو میں سن رہی ہوں۔"

"کیا مطلب بولتا رہوں اور یہ سوپ کیوں بچا دیا ہے تم نے۔" وہ اب اس کا بچا ہوا سوپ خود پی رہا تھا۔

"تم یونہی سب کا چھوڑا ہوا کھا پی لیتے ہو۔" اس نے چوٹ کی تھی لیکن وہ زیر لب مسکرا کر بولا تھا۔

"سب کا تو نہیں بس تمہارا جھوٹا خوشی سے کھا پی لیتا ہوں۔"

"برا کیوں؟" اس نے استعجاب سے اس کو دیکھا تھا۔

"بس دل چاہتا ہے مجھے اچھا لگتا ہے، تم کچھ دیر آرام کر لو میں جب تک اپنا کام کر لوں۔" وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ اس نے دوبارہ سے سر پر بازو رکھ لئے تھے۔

☆☆☆

اس نے اس کو آج فون کر کے تیار رہنے کے لئے کہا تھا وہ آج اس کو اپنی ٹریولنگ ایجنسی دکھانے جا رہا تھا بیروت میں اس کی بہت بڑی ایجنسی تھی، ان کی اپنی ٹورسٹ بسیں تھیں، شروع شروع میں حسام نے اپنے بھائی بلال کے ساتھ یہ کام شروع کیا تھا پھر جب یہ کام چل نکلا تھا تو دونوں اب علیحدہ علیحدہ مختلف جگہوں پر اس کو چلا رہے تھے۔

وہ بددلی سے تیار تو ہو گئی تھی موسم کے بگڑتے تیور دیکھ کر وہ اپنا ارادہ ترک کر چکی تھی، لیکن حسام نے گھر آتے ہی ساتھ جلدی کرو، جلدی کرو کا شور مچا دیا تھا۔

"لیکن حسام آج موسم خراب ہے۔"

"جانتا ہوں ہم پیدل نہیں جا رہے۔"

''اگر بارش ہوگئی تو پھر۔'' اس نے ایک اور عذر تراشا تھا۔

''میں تمہیں بھیگنے نہیں دوں گا۔'' اس نے اسی اطمینان سے کہا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

''اگر ہم کل چلے چلتے۔'' اس کے واش روم میں نکلنے کے ساتھ ہی وہ بولی تھی، وہ کپڑے چینج کر کے آ چکا تھا، جبکہ اس کی بات کا اس نے مطلق کوئی اثر نہیں لیا تھا۔

''نہیں آج جائیں گے۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال بنا رہا تھا۔

''تم نے کھانا کھایا تھا آج؟''

''بڑی جلدی خیال آ گیا ہے تمہیں میرے کھانے کا۔''

''دیکھ لو مجھے خیال آ تو گیا ہے، ورنہ تم نے تو کبھی مجھ سے پوچھا ہی نہیں، میں نے کب کھانا کھایا ہے کب نہیں۔'' شکوہ جواب شکوہ شروع ہو چکا تھا اور سجل تو کسی طور پیچھے ہٹنا نہیں چاہتی تھی۔

''مجھے پتہ ہے کھا لیا ہوگا اس لئے نہیں پوچھا۔'' خود پر مرکوز اس کی نظروں سے نظریں چراتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''ہاں جی صبح پی لیا تھا۔'' وہ منہ بنا کر بولا پھر اس کے قریب ٹھہر کر اپنا موبائل چیک کرنے لگا۔

''کیا پی لیا تھا۔'' وہ متجسس ہوئی۔

''تمہارے لئے جو صبح سوپ بنایا تھا بس وہی پیا ہے پورے دن میں اور کیا پیا ہے۔'' اس کے جواب پر سجل بے ساختہ ہنسنے لگی تھی جبکہ وہ انتہائی تحیر سے اس کو دیکھ رہا تھا، پھر جان بوجھ کر چڑ کر بولا۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟''

''میں بھی تم نے آج پھر پیا ہے۔''

''ہاہاہا ویری فنی۔'' اس کے ساتھ ہی حسام کو کچھ یاد آیا تھا اور اس کی ہنسی کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی تھی، فیس بک پر چیٹنگ کے دوران سجل نے اس سے پوچھا تھا۔

''تم نے آج کیا کھایا ہے حسام؟''

''پہلے تم بتاؤ۔''

''میں نے کچھ نہیں۔'' اس نے جواب میں لکھا۔

''کیوں؟''

''میں ڈائٹنگ کر رہی ہوں۔''

''کیوں...... کیوں تم تو اتنی اسمارٹ ہو۔''

''آج کل موٹی ہو رہی ہوں۔''

''جھوٹ تم موٹی ہو ہی نہیں سکتیں اس طرح تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔''

''اور مجھے چھوڑو یہ بتاؤ تم نے کیا کھایا ہے آج۔'' اس نے حد سے زیادہ متفکر اس کو کئی بار دیکھا تھا وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں پر یونہی پریشان ہو جایا کرتا تھا، اس نے سرعت سے جواب ٹائپ کیا تھا۔

''آئس ڈرنک کوفی۔'' اور اس کے تھوڑی دیر بعد سجل نے لکھا تھا۔

''کب سے پی رہے ہو تم؟'' اس نے جواب میں لکھا تھا۔

''کافی سال ہو گئے ہیں۔''

''پہلی مرتبہ کب پی تھی؟'' ایک اور سوال کیا گیا تھا سدرہ بھی آ گئی تھی دونوں مل کر اب اس کی درگت بنا رہی تھیں۔

''شاید میٹرک میں تھا ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔''

''گھر والے کچھ نہیں کہتے؟'' اب کی بار سدرہ نے سوال لکھا تھا، اس کے اس طرح لکھنے پر وہ حیران ہوا تھا پھر اس نے ٹائپ کیا۔

''سب ہی پیتے ہیں مجھے کیا کہیں گے کیا یہ انوکھی چیز ہے۔''
''سب پیتے ہیں تمہارے گھر میں؟'' حیرت سے سوال کیا گیا تھا۔
''ہاں تقریباً سب ہی۔'' وہ الجھ رہا تھا جل پہلے اس طرح سے سوال نہیں کیا کرتی تھی۔
''صولت جان بھی؟'' اس نے پوچھا۔
''نہیں ان کو اچھی نہیں لگتی۔''
''شکر ہے وہ نہیں پیتی۔''
''تم کیا کہہ رہی ہو میں سمجھ نہیں پا رہا۔''
''تم کیا سمجھ نہیں پا رہے تم خود ہی تو کہہ رہے ہو تم سب ڈرنک کرتے ہو۔'' اس کے جواب نے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے وہ ایکدم سے بوکھلا گیا تھا، کس صفائی سے وہ اس کو بیوقوف بنا رہی تھی۔
''Are you mad'' اس نے ہنستے ہوئے لکھا تھا۔
''میں نہیں ہوں لیکن تمہارے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' اور پھر اپنے پریولیس میسج دیکھ کر وہ خود بھی ہنس پڑا تھا۔
''ویسے کمال ہے یار تم میرے والد کو ڈرنکر کہہ رہی ہو۔''
''میں نے کب کہا تم نے ہی تو کہا ہے کہ ہم سب ڈرنک کرتے ہیں۔'' وہ اس کی بات کا دل سے معترف ہو چکا تھا۔
''چلو پھر چلتے ہیں۔'' اس کی آواز پر وہ چونکا تھا۔
''ایک بار پھر۔''
''کوئی اگر مگر نہیں چلو بھی دیر ہو رہی ہے۔''
وہ اس کو لے کر پارکنگ میں آ گیا تھا اب دونوں کار میں بیٹھ چکے تھے حسام کو کار ڈرائیو کرنے کے دوران کچھ یاد آیا تھا۔

''میں تمہارے لئے کچھ لایا تھا؟'' اس نے جیب سے ایک ڈبیا نکالی اور اس کے حوالے کر دی تھی، اس نے انتہائی تحیر سے پہلے اس کو اور پھر اس ڈبیا کو دیکھا اور پھر آہستگی سے اس نے ڈبیا کھول دی تھی اس میں انتہائی دو خوبصورت ٹاپس جگمگا رہے تھے وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔
کافی عرصے بعد اس کے ہونٹوں پر اس طرح کی مسکراہٹ آئی تھی جس میں کوئی ڈر نہیں تھا کوئی خوف نہیں تھا کسی اچانک ملنے والی اذیت کا شائبہ نہیں تھا۔
ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک ڈراؤنے خواب سے بیدار ہوئی ہو۔
''کیسے لگے ہیں اچھے ہیں ناں۔'' اس نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تھی جبکہ وہ بڑی محویت سے انہیں ٹاپس کو دیکھ رہی تھی، اس کو وہ ٹاپس بہت پسند آئے تھے لیکن محض حسام کو چڑانے کے لئے وہ اتنا ہی بولی تھی۔
''ٹھیک ہیں بس۔''
''بس ٹھیک ہیں۔'' وہ تقریباً چلایا تھا۔
''محترمہ پورے ایک مہینہ سے جمع کیے ہیں پیسے میں نے ان کے لئے اور کیا شان بے نیازی ہے محترمہ فرما رہی ہیں ٹھیک ہیں۔''
''اب ٹھیک ہیں تو ٹھیک ہی کہوں گی ناں۔'' وہ معصومیت سے بولی تھی۔
''شکر ہیں ٹھیک لگے اگر برے لگتے تو تم نے تو منہ پہ ہی کہہ دینا تھا۔'' وہ منہ بنا کر بولا تھا جبکہ وہ اپنی مسکراہٹ چھپا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔
''اچھا اب ایسا کرو پہن تو لو ان کو۔'' معاً حسام کو یاد آیا تھا، اس نے کانوں میں کچھ نہیں پہنا ہوا تھا، حسام نے گاڑی روک دی تھی اس نے انتہائی استعجاب سے حسام کو دیکھا تھا۔

''میں پہنا دوں؟'' اس کی آنکھوں میں روشنیوں کا ایک جہان آباد تھا اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا جبکہ وہ اس کے ہاتھ سے ٹاپس لے چکا تھا اور اب اس کے تھوڑا قریب آ گیا تھا اس نے انتہائی آہستگی و نرمی سے اس کو ٹاپس پہنا دیئے تھے جب وہ ٹاپس پہنا چکا تھا تو اس نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تھی لیکن وہ نگاہ واپس ہٹنے کا حوصلہ کھو چکی تھی وہ سرخ چہرہ لئے سامنے دیکھ رہی تھی، حسام نے بامشکل اپنے بے لگام ہوتے جذبات کی شوریدگی پہ لگامیں ڈالی تھیں اور کار پھر سے اسٹارٹ کر لی تھی اس نے کار ایک بہت شاندار پرشکوہ عمارت کے سامنے روکی تھی جہاں پر ایک بے ہنگم ہجوم سا تھا، لگتا تھا پورا بیروت وہاں امڈ آیا ہو۔

''تمہاری ایجنسی اتنی بڑی ہے حسام پورا بیروت یہاں جمع ہے۔'' اس کی آنکھوں میں تجسس کے بادل ہلکورے لے رہے تھے۔

''ہاں کافی بڑی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا تھا، کار پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ دونوں ساتھ ساتھ ہی اندر داخل ہوئے تھے لیکن انٹرنیس میں ہجوم کو دیکھتے ہوئے حسام نے اچانک سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا وہ اب اس کو تقریباً اپنے ساتھ لگائے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا مردوں عورتوں میں جگہ بناتے ہوئے ایک ایسا وقت بھی آیا جب حسام نے اس کے کندھوں کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا تھا، تحفظ کے احساس نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا تھا، وہ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ایک بہت بڑے ہال کے دروازے پر پہنچ چکے تھے جہاں پر کئی سیکورٹی اہلکار کارڈ چیک کر رہے تھے حسام نے دو پمفلٹ نکال کر ان کو دیئے تھے جس پر انہوں نے مہر لگائی تھی اور ان کو پمفلٹ واپس کر دیئے تھے۔

''تھرڈ رو پلیز۔'' انہوں نے تیسری روکی جانب اشارہ کیا تھا جبکہ سجل نے انتہائی سراسیمگی سے اس کو دیکھا تھا، سامنے ایک بہت بڑا اسٹیج تھا جس پر مختلف آلات موسیقی نصب تھے وہ تیسری رو میں آ چکے تھے۔

''ہم کہاں آ گئے ہیں حسام؟'' اس نے حسام سے پوچھا تھا۔

''یہ بیروت کا سب سے بڑا میوزک ہال ہے دنیا بھر سے فنکار یہاں پرفارم کرنے آتے ہیں یہاں ٹکٹ ملنا انتہائی مشکل ہے لاسٹ ائیر شکیرا نے یہاں پرفارم کیا تھا۔'' وہ میوزک ہال کی تاریخ بتا رہا تھا، جبکہ وہ غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''تم نے جھوٹ بولا تھا حسام کے تم مجھے اپنی ایجنسی دکھانے لائے ہو اور پچھلی بار تم نے مجھ سے پارٹی کے متعلق جھوٹ بولا تھا۔''

''تو کیا کرتا تم سے سچ کہتا تم کبھی نہ مانتی اس لئے جھوٹ بولنا پڑا۔'' وہ پاپ کارن کھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم کتنے جھوٹے ہو ناں۔'' اس نے تلملا کر کہا تھا اور پاپ کارن کا پیکٹ اس سے چھین لیا تھا۔

''ہاں میں نے جھوٹ بولا تھا تم ہمیشہ میرے بولے گئے جھوٹ کو سچ سمجھتی ہو اور میرے سچ کو کبھی تم نے سچ نہیں سمجھا۔'' وہ بالکل سیریس تھا۔

وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی پتہ نہیں شاید اس کی آنکھوں میں کچھ پڑ گیا تھا ایکدم سے جلن ہونے لگی تھی، آنکھوں میں دھند پھیل رہی تھی۔

''پلیز سجل اب نہیں تمہارے آنسو اتنے ارزاں نہیں ہیں کہ تم ان کو یوں لٹاتی پھرو۔'' وہ

بہت آہستگی سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا اور بھی روتے ہوئے وہ اس کے کندھے سے جا لگی تھی اور اگلی رو میں بیٹھے ہوئے بلال اور محتشم نے انتہائی خشمگیں نظروں سے اس منظر کو دیکھا تھا سجل رو رہی تھی اور اپنا سر حسام کے کندھے پر رکھے ہوئے تھی جبکہ حسام اس کے سر کو سہلا رہا تھا، اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

☆☆☆

''ہمارے گھر رکیں گے وہ لوگ۔''

''بالکل وہ تو چاہتے تھے کسی ریسٹورنٹ میں قیام کر لیں لیکن میں نے عبدالخالق کو سختی سے کہہ دیا ہے کہ وہ یہیں رکیں گے صولت آپا سے بھی کہہ چکا ہوں رشتے داری کی بات ہے اچھا تھوڑی لگتا ہے لیکن صولت آپا کہہ رہی تھیں کہ شاید شادی سے کچھ دن پہلے وہ ناہید آپا کے گھر چلی جائیں، دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔''

''کب پہنچ رہے ہیں وہ لوگ؟''

''پرسوں شام تک آ جائیں گے۔''

''کون آ رہا ہے مما؟'' سجل نے سرعت سے ڈائننگ ٹیبل پر اپنی انٹری دی اور احتشام کی جگہ پر آ بیٹھی اس کا اور احتشام کا ہمیشہ سے اسی بات پر جھگڑا ہوتا تھا کہ ڈیڈ کے ساتھ والی چیئر پر کون بیٹھے گا۔

''صولت جان کی فیملی آ رہی ہے۔'' مما نے بریڈ پر جام لگاتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔

''چوہیا پھر یہاں آ کر بیٹھ گئی ہو، سائیڈ پر جاؤ۔'' احتشام تلملاتا ہوا بولا تھا اور طارق بھائی کی ڈانٹ پر وہ خاموش ہو گیا تھا جانتا تھا کہ وہ سجل کے سب سے بڑے سپورٹر ہیں۔

''طارق بھائی آپ یہاں آ جائیں ناں میرے ساتھ۔'' سجل نے شرارت سے احتشام کو دیکھا تھا جو اس وقت پیچ و تاب کھا رہا تھا، طارق بھائی مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئے تھے جبکہ احتشام اپنے دانت پیستا ہوا اس کے عین سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

''طارق بھائی آپ کے سسرال والے آ رہے ہیں۔'' وہ ان کے نزدیک ہو کر راز داری سے بولی تھی، جبکہ احتشام اب بھی مسلسل اس کو گھور رہا تھا۔

''وہ بھی آ رہی ہے کیا؟'' طارق بھائی نے بھی اتنی ہی راز داری سے پوچھا تھا۔

''پتہ نہیں پوچھ کر بتاتی ہوں۔''

''ویسے زینب کے کزن کی شادی ہے آئے گی تو لازی۔'' احتشام خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور رہا تھا اور اس کی نظریں سجل کو مزا دے رہی تھیں، ڈیڈ نے ان دونوں کو آپس میں مگن دیکھا اور ساتھ ہی احتشام کو تلملاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔

''تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو احتشام کو بھی شامل کیا کرو اپنی باتوں میں۔'' ڈیڈ کے کہنے پر وہ دونوں بے ساختہ ہنسنے لگے تھے۔

''دیکھ لوں گا تمہیں چوہیا، ڈیڈی میری برائیاں کر رہی ہے یہ۔''

''تمہاری برائیاں کرنے کے علاوہ بھی مجھے بہت سے کام ہیں سمجھے تم۔'' وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

''تم دونوں کیوں ستاتے ہوئے میرے بیٹے کو سجل خیال رکھا کرو بھائی ہے تمہارا۔'' مما نے اس کو ڈپٹا۔

''بھائی؟'' اس نے آنکھیں مٹکا کر اس کو چڑایا تھا۔

''مما زینب بھی آ رہی ہے کیا؟'' اس نے اپنے لہجے کو سرسری رکھ کر پوچھا تھا۔

''شاید آ جائے صولت آپا سے پوچھوں گی۔''

''تو کیا وہ بھی ہمارے گھر رہے گی؟''

''نہیں صولت جان کہہ رہی تھی بچے شاید اپنے Relitives کے گھر رہیں گے۔'' اس نے شرارت سے طارق بھائی کو دیکھا تھا جو کہ بریک فاسٹ کرنے میں بظاہر مگن تھے لیکن وہ جانتی تھی کہ ان کا سارا دھیان اسی گفتگو کی جانب ہے۔

☆☆☆

''وہ لوگ آچکے ہیں مما پاپا اور طارق بھائی ان کو ائیر پورٹ پر ریسیو کرنے گئے ہیں۔'' سجل نے واک کرنے کے دوران سدرہ کو بتایا، تبھی گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں آرہی تھیں گیٹ کھل چکا تھا گاڑیاں اندر آرہی تھیں۔

''آؤ دیکھتے ہیں؟'' سجل نے سدرہ سے کہا اور ٹیرس سے نیچے جھانکنے لگی تھی، تین اجنبی لڑکے صولت جان انکل اور زینب ایک کار سے نکلے تھے جبکہ دوسری کار سے طارق بھائی مما پپا باہر نکلے تھے سب آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے اور تبھی تیسرے اجنبی لڑکے کی نظریں بے ساختہ اوپر اٹھیں تھیں اور جیسے وہ مسمرائز ہوگیا تھا رات کی گہری چادر اور روشنیوں کے درمیان جگمگاتا وہ چہرہ اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا گیا تھا وہ جس کو اپنی ہستی پر فخر تھا خود پر مان تھا غرور تھا سب ایک پل کو ٹس سے مس نہیں ہوگیا تھا وہ تہی دست تہی داماں یک ٹک اس کو دیکھ رہا تھا، معاً اس کی گہری بولتی نظروں سے سجل کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا اس کے چہرے پر ناگواری کی دبیز چادر پھیل سی گئی تھی، جبکہ سدرہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا تھا۔

''تمہارے دانت کیوں نکل رہے ہیں سدرہ؟'' وہ کھرک کر بولی تھی۔

''تمہاری بھابھی کے بھائی تیسرا ہیں سجل ذرا سنبھل کر رہنا۔'' اس نے سجل کو چھیڑا تھا اور اس کو واقعی اس اجنبی کا یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا ذرا بھی اچھا نہیں لگا تھا، وہ دونوں نیچے آگئی تھیں، روشنی میں وہ بہتر لگ رہا تھا لیکن اسے چھوٹا محتشم انتہائی مہذب تھا انتہائی باوقار کم گو سا تھا جبکہ بلال ہنس مکھ تھا لیکن تیسرا احسام جو کہ صولت جان کا سوتیلا بیٹا تھا انتہائی چھچھورا تھا اس نے آتے ہی نہ صرف طارق بھائی احتشام سے بھی دوستی گانٹھ لی تھی بلکہ سدرہ کو بھی اپنا ہم نواں بنا لیا تھا اور تو اور کتنی ہی بار وہ سجل کو مخاطب کر چکا تھا اس کے منہ پر چسپاں نولفٹ کا بورڈ بھی اس کو نظر نہیں آرہا تھا، اپنی ہر بات کے اختتام پر وہ سجل کی جانب دیکھنا نہیں بھولتا تھا اور اس کے ہر بار دیکھنے پر سجل کوفت میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

''چیپ چھچھورا۔'' اس نے دل میں اس کو کتنی ہی گالیوں سے نوازا تھا اور سدرہ کا شرارتی انداز میں اس کو دیکھنا اس کو تیخ پا کر رہا تھا دوسری جانب زینب طارق بھائی کے ساتھ باتوں میں ایسی مگن تھی کہ دونوں نے ڈھٹائی و بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے، وہ سدرہ کو لے کر اپنے روم میں آگئی تھی اور وہاں آکر اس نے سدرہ کو مارنا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

وہ سب اپنے رشتے داروں سے ملنے گئے ہوئے تھے ان کے جاتے ہی سجل نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا گھر میں آج سکون تھا خاص طور پر حسام عبدالخالق کے جانے پر اس نے شکر ادا کیا تھا وہ ہمہ وقت اس کو اری ٹیٹ کیے رکھتا تھا۔

حسام انکل عبدالخالق کی پہلی بیوی میں سے تھا پہلی بیوی کے انتقال کے بعد انہوں نے صولت جان سے شادی کر لی تھی حسام صولت

جان کے اعصاب پر بھی یونہی سوار رہتا تھا اس کے متعلق کتنے ہی قصے تھے جو اس کی آمد کے ساتھ ہی مشہور ہو گئے تھے، وہ یونیورسٹی سے ابھی آئی تھی اور احتشام نے اس سے چائے کی فرمائش کی تھی۔

''صفیہ (نوکرانی) سے کہہ دو ناں۔'' اس نے سستی سے کہا۔

''مجھے پیٹرول پینے کی عادت نہیں ہے۔''

''پلیز بنا دو حسام بھی ہے۔''

''کیا وہ گیا نہیں۔''

''کیا کریں بس دل ہی نہیں کرتا اس کا ادھر سے جانے کو۔'' وہ کہہ رہا تھا، احتشام نے اس کے الفاظ من وعن اس کو بتا دیئے تھے اور وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔

''میری چائے پی ہے ناں تم نے کتنی بری بناتی ہوں میں۔''

''اچھا اب نخرے نہ کرو اور بنا دو۔'' چاروناچار وہ اس کو دل میں گالیاں دیتی ہوئی اس نے چائے بنائی تھی تبھی صفیہ نیا آرڈر لے کر آ گئی تھی کہ صاحب کہہ رہے ہیں کچھ کھانے کو بھی بھیج دیجئے گا، اس نے ٹرالی بھجوائی اور اپنے کمرے میں آ گئی، اس کو کمرے میں آئے ہوئے بامشکل پندرہ بیس منٹ ہوئے تھے کہ اس کے روم میں دستک ہوئی تھی۔

''کون ہے؟'' اس نے ناگواری سے پوچھا۔

''سجل تم سے ملنے کوئی آیا ہے دیکھو تو۔'' احتشام اندر آ کر بولا اور اس کے پیچھے مسکراتے حسام عبدالخالق کو دیکھ کر اس کا حلق اندر تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں زینب کیسی ہے؟''

''وہ بھی ٹھیک ہے آپ کو بہت یاد کر رہی تھی شاید آج آئے۔''

''کیا میں بیٹھ سکتا ہوں۔'' اس کو کمبل ہوتا دیکھ کر اس کا دل مکدر ہو گیا تھا جبکہ وہ اپنی باتوں میں مکمل طور پر مگن ہو چکا تھا جبکہ احتشام اور سجل خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے تھے، وہ اب اس سے اس کی سٹڈی کے متعلق پوچھ رہا تھا اور وہ انتہائی ناگواری سے ناک منہ چڑا کر جواب دے رہی تھی۔

''حسام بھائی چلیں بھی دیر ہو رہی ہے۔'' معاً اس کا سیشن کو طویل ہوتا دیکھ کر احتشام نے ٹوکا تھا اور اس کو جانے کا خیال آیا تھا وہ اس کو آرام کرنے کا کہہ کر اور پھر دوبارہ ملنے کا عندیہ سنا کر چلا گیا تھا۔

''کیا مصیبت ہے چھچھورا۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول بول کر اس کو گھور گھور کر مزید اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا گیا تھا، وہ گالیاں دے دے کر تھک گئی تھی اور آخر کار سو گئی تھی۔

☆☆☆

''سجل جلدی آؤ دیکھو تو کس نے تمہیں فرینڈ ریکوسیٹ بھیجی ہے۔'' سجل جو کو اپنی الماری کھولے اپنے کپڑے نکال رہی تھی اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے رکا تھا۔

''کس نے بھیجی ہے؟'' اس نے استعجاب سے پوچھا۔

''حسام عبدالخالق نے۔''

''کیا اس کو کیسے پتہ میری آئی ڈی کا یہ احتشام کے ہی کام ہوں گے ذلیل انسان۔''

''ہائے سجل تو کتنی لکی ہے ناں دیکھ کتنا ذہین ہے ناں یہ شخص۔'' وہ اس کی شان میں زمین

آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔
''ذہین یا نیچر۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔
''اگر محتشم بھیجتا تو کچھ بات بھی تھی۔''
''محتشم وہ کھڑوس مجھے ایک آنکھ بھی اچھا نہیں لگا۔'' سدرہ نے تبصرہ کیا تھا جبکہ وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔
''ویسے بھی جو بات حسام میں ہے وہ کسی اور میں کہاں ہے۔'' سدرہ حسام کی معترف تھی جبکہ سجل منہ بنا رہی تھی۔
''اچھا یہ بتاؤ اب اس ریکویسٹ کا کیا کریں۔''
''کرنا کیا ہے ڈیلیٹ کر دو منحوس کو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔
''سجل وہ تو میں نے کب سے قبول کر لی ہے میں تو کافی دیر سے سجل بن کر بات کر رہی ہوں۔''
''واہیات......کیا...... یہ کیا کیا تم نے، مجھ سے پوچھ لیتی، میں بتاتی ہوں تمہیں۔'' وہ اس کے پیچھے دوڑی تھی لیکن راستے میں احتشام نے سدرہ کو بچالیا تھا، سجل بکتی جھکتی واپس کمرے میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن صولت جان اور اس کی فیملی کو بیروت کے لئے روانہ ہونا تھا زینب اداس تھی کہ اس کو سجل کے ساتھ ٹائم گزارنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا، وہ اور سدرہ ٹیرس پر ٹہل رہی تھی جب اچانک احتشام اور حسام کی انٹری ہوئی تھی دونوں کی محویت کو توڑا تھا۔
''حسام بھائی تو بہت اداس ہیں کل چلے جو جائیں گے۔'' احتشام نے مزے لے کر کہا۔
''حسام بھائی آپ سب سے زیادہ کس کو مس کریں گے پاکستان میں۔'' سدرہ نے معنی خیزی سے پوچھا جبکہ وہ بغیر جھجکے بولا۔
''کم آن سدرہ آپ تو جانتی ہو۔'' اس کے جواب پر سدرہ بے ساختہ ہنسنے لگی تھی جبکہ سجل کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا تھا۔
''سجل آپ مجھ سے فیس بک پہ بات کریں گی ناں۔'' وہ روشنیوں کا ایک جہان آباد کیے یک ٹک اس کو دیکھ رہا تھا اس کی نظروں نے اس کی سانسیں پھلا دی تھیں۔
''ضرور کرے گی کیوں نہیں کرے گی۔'' سدرہ نے اس کو کندھے سے تھام کر کہ جبکہ سجل کا جی چاہ رہا تھا اس کا ہاتھ جھٹک دے وہ یونہی کرتی تھی، وہ چلا گیا تھا اور جانے کیوں سجل کو کچھ کچھ ادھورا لگ رہا تھا وہ ان پندرہ دنوں میں پندرہ بار ان کے گھر آتا تھا کبھی سی ڈیز دے جاتا تو کبھی بکس دے جایا کرتا تھا سجل نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے متعلق سوچے جا رہی تھی، بیروت پہنچنے کے ساتھ ہی وہ اس کو جانے کتنے ہی میسج کرتا رہا تھا وہ کئی کئی بار اس کے میسج پڑھتی تھی لیکن جواب نہیں دیتی تھی اور ایک دن جب اس نے اس کو جواب دینا شروع کیا تو دونوں کو بات کرتے ہوئے دو گھنٹے گزر گئے تھے وہ اتنا بڑا اور اتنا بھی چھچھورا نہیں تھا جتنا کہ وہ سمجھتی تھی۔

☆☆☆

''حسام تمہاری Hobbies کیا ہیں۔'' اس نے ایس ایم ایس کیا تھا۔
''مجھے ٹیورزم کا بہت شوق ہے بیروت میں میری اپنی ٹیورسٹ ایجنسی ہے جس کی دو شاخیں اور بھی ہیں میں اس کے علاوہ مستقبل میں اپنا ایک ریسٹورنٹ کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں اکثر گھومتا پھرتا رہتا ہوں اس کے علاوہ بکس پڑھتا ہسٹری اور کلچر کے متعلق پڑھنا میرا شوق ہے گانے سنتا ہوں اور آج کل I love to

''talk with sajal'' اس کے آخری الفاظ کو اس نے بامشکل ہضم کرنے کے ساتھ ساتھ نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی۔
''سجل میں تمہارے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔''
''مثلاً کیا جاننا چاہتے ہو۔''
''تمہاری ہوبیز تمہارے متعلق سب کچھ۔''
''اگر میں کہوں کہ میں نے سب کچھ تمہیں بتایا ہے تو پھر مزید تم کیا جاننا چاہتے ہو؟'' اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کچھ دیر بعد اسکرین پر اس کا نام جگمگایا تھا۔
''سجل!''
''یس۔''
''تم بیروت دیکھنا چاہتی ہو؟''
''ہاں۔'' اس نے صاف گوئی سے لکھا تھا۔
''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم بیروت آجاؤ۔''
''اچھا مجھے بیروت کی مشہور چیزوں کے متعلق بتاؤ۔'' اس نے سوال کیا تھا۔
''بہت خوبصورت ہے میرا بیروت اس کے میوزیم اس کے کھانے، اس کی مساجد اس کے پارک ہوٹل سب کے سب بہترین ہیں مجھے ان سب سے محبت ہے خاص طور پر امریکن یونیورسٹی آف بیروت aub میری جان ہے۔''
''سجل!''
''ہوں۔''
''کچھ نہیں۔''
''اچھا میں اب سونے جا رہی ہوں پھر بات کروں گی۔'' اس نے ٹائپ کیا تھا اور کچھ دیر بعد اس کا جواب آیا تھا۔
''کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ناں وہ لوگ جو اپنی مرضی سے سو سکتے ہیں جاگ سکتے ہیں ہنس سکتے ہیں بول سکتے ہیں اور دوسری جانب کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کی نیندیں گروی ہیں جو اپنی مرضی سے ہنس نہیں سکتے بول نہیں سکتے کسی ایک انسان کو چوبیس گھنٹے نظروں کے سامنے رکھتے ہیں انہی سے اپنے تصورات خواب، خوشیاں غم مشروط کر لیتے ہیں۔''
''کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔''
''کچھ نہیں میڈلن تم سو جاؤ میں پھر بات کروں گا۔''
''اوکے۔'' اس نے ویب آف کر دیا تھا لیکن کافی دیر تک اس کا ایس ایم ایس اس کی نظروں کے سامنے گھومتا رہا تھا۔

☆☆☆

صولت جان نے سجل کے لئے محتشم کا ہاتھ مانگ کر سب کو حیران کر دیا تھا اور اس خبر کو سنتے ہی ایک لمحے کے لئے سجل کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا یہ رشتہ احتشام کو بھی پسند نہیں آیا تھا وہ بھی حسام کو پسند کرتا تھا، چاہے سجل کے والدین کتنے ہی لبرل کیوں نہیں تھے لیکن سجل کا رشتہ طے کرتے وقت انہوں نے ایک دفعہ بھی سجل سے نہیں پوچھا تھا جبکہ سدرہ اس کو کہہ کہہ کر تھک گئی تھی کہ سٹینڈ لو سجل سٹینڈ لو۔
''کیا سٹینڈ لو مجھ سے کوئی پوچھے گا تو کہوں گی اور ویسے بھی حسام کے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں، محتشم پرفیکٹ ہے۔''
''تمہاری نظر میں کون پرفیکٹ ہے یہ بتاؤ۔'' سدرہ متاثر ہوئے بغیر بولی۔
''سدرہ کوئی نہیں مانے گا پپا کی خالہ زاد بہن ہیں صولت جان اگر وہ جھوٹ بھی بولیں گی تو ان کو سچ لگے گا۔'' اور رات کو کتنے ہی ایس ایم ایس آ چکے تھے وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن چار و ناچار اس نے دل کڑا کر کے اس سے بات کا آغاز کیا تھا۔

"تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟" اس کے ایس ایم ایس پڑھ کر اس نے بے ساختہ لکھا تھا۔

"تم اور محتشم صولت مما کو تو چھوڑو لیکن کیا تمہارے گھر والے پاگل ہو گئے ہیں، تم سب جانتے ہیں محتشم سائیکی کیس ہے۔" اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا ٹائپ کرتے ہوئے۔

"میں جانتی ہوں اس کی منگنی کیوں ٹوٹی ہے اور رہی بات سائیکو کی تو تم اس کے سوتیلے بھائی ہو کوئی تمہاری بات کا یقین نہیں کرے گا، کیا ہو گیا تمہیں حسام کیوں اری ٹیٹ کر رہے ہو مجھے۔" اس نے جیسے دہائی دی تھی۔

"میں اری ٹیٹ کر رہا ہوں میری بات سنو تم۔"

"بتاؤ۔"

"اس رشتے سے انکار کر دو۔"

"کس وجہ سے کوئی وجہ بھی تو ہو۔"

"میں ہوں یہ وجہ کیا کم ہے میں شادی کروں گا تم سے۔"

"مسٹر عبد الخالق صاحب آپ بہت ڈپریشن میں ہیں۔" اس نے استہزائیہ انداز میں لکھا تھا۔

"تم میری بات کو سیریس نہیں لے رہی ہو سجل تمہاری زندگی Spoil ہو جائے گی پلیز سوچو۔"

"حسام تم میرے دوست ہو میں تمہاری دوستی کی قدر کرتی ہوں لیکن میں کبھی بھی اپنے گھر والوں کے کیے گئے فیصلوں کے خلاف نہیں جاؤں گی سمجھے تم۔"

"چاہے وہ غلط فیصلہ بھی کریں گے پھر بھی۔"

"پھر بھی۔"

"او کے فائن تھینکس۔" وہ مشتعل ہو گیا تھا۔

"بات سنو حسام۔" اس نے کتنے ہی میسج بھیجے تھے لیکن اس نے اس کے کسی ایس ایم ایس کا جواب نہیں دیا تھا اور اگلے چار پانچ دنوں تک اس نے ویب آن ہی نہیں کیا تھا سجل کتنی بار ہی ایس ایم ایس کر چکی تھی لیکن اس نے جیسے خاموشی اختیار کر لی تھی اور آخر تھک ہار کر اس نے اس کے سیل نمبر پر فون کیا تھا، سیل نمبر اس نے احتشام سے لیا تھا۔

کافی دیر بیل جاتی رہی تھی لیکن فون ریسو نہیں کیا گیا تھا ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ اس کو کال کر رہا تھا کال آن ہوتے ہی وہ بولا تھا۔

"کہو سجل۔" سجل کا نمبر اس کے پاس نہیں تھا سجل حیران ہوئی تھی۔

"تم ایسا کیوں کر رہے ہو حسام؟"

"تم ایسا کیوں کر رہی ہو سجل؟" وہ بھاری بوجھل آواز میں بولا تھا۔

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے حسام مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" وہ پر تشویش لہجے میں بولی تھی۔

"ایسی باتیں نہ کرو سجل کہ میں کہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہیں مجھے ایسا نہ لگنے لگ جائے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگی ہو، کہیں میں خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس نہ کرنے لگوں نہیں تم ایسا نہیں کرو گی تم وقتی طور پر میری باتیں سن لو گی لیکن میرے ساتھ انوالو نہیں ہو گی مجھے محبت کے راستے پر لے جا کر خود کسی اور راستے کا انتخاب کر لو گی میرا خیال ہے اب مجھے خود کو یقین دلانا ہو گا کہ تم کوئی بھی نہیں ہو میری سجل یہاں سب لوگ نکاح کے لئے آ رہے ہیں اور میں الو کا پٹھا اپنے بنائے ہوئے خود ساختہ خوابوں کے محلوں کو زمین بوس ہوتا دیکھ کر مر رہا ہوں مجھے مر

جان چاہے سجل حسام عبدالخالق کو مر جانا چاہیے پہلی نظر کا عشق تھیں تم میرا، لیکن اب اس عشق کی آگ نے میرے دل کے اندر آگ بھڑکا دی ہے۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو حسام تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ روہانسی لہجے میں بولی تھی۔

''میں کہہ رہا ہوں اب مجھے تنگ مت کرنا میرے راستے کھوٹے نہ کرو میں برباد ہو گیا ہوں میں سمجھتا تھا سوتیلے رشتے ہی ساری زندگی میری جڑیں کاٹتے رہے ہیں مجھے کھوکھلا کرتے رہے ہیں لیکن سوتیلی محبت نے تو میری زندگی ہی چھین لی ہے۔'' وہ بوجھل آواز میں دھاڑ رہا تھا اس کو عربی زبان میں جانے کیا کیا کہہ رہا تھا حقارت، تمسخر، نفرت سب کچھ اس کے لہجے میں تھا وہ فون بند کر چکا تھا اس کو ان فرینڈ کر چکا تھا، وہ اس کی زندگی میں ایک بہار کے جھونکے کی طرح آیا تھا اور خزاں کا موسم دکھا کر جا چکا تھا۔

☆☆☆

''سجل تمہارے ڈیڈ کبھی نہیں مانیں گے، ایک نمبر کا لوفر ہے وہ صولت جان اور اس کے بچوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے اس نے الگ اپارٹمنٹ میں عورتوں کے ساتھ رہتا ہے کانی کانی دن گھر نہیں گھستا بھائی جان کے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ دیا ہے اس کو، تم چاہتی ہو ہم آنکھوں دیکھی مکھی نگل لیں، کبھی نہیں۔''

''سجل تمہارے پاپا ہاں کر چکے ہیں کچھ دنوں تک تمہاری اور طارق کی شادی طے پا رہی ہے جب رشتے کی بات چل رہی تھی تو تم منہ میں گھنگنیاں ڈال کر بیٹھی تھیں تمہارے ڈیڈ کبھی بھی حسام کے لئے نہ مانیں گے۔''

''مما!'' اس نے آنسوؤں بھری نظروں سے ان کو دیکھا لیکن اس کے بہتر مستقبل کے لئے انہوں نے اس کو نظر انداز کر دیا تھا۔

☆☆☆

احتشام نے طارق بھائی اور پپا سے بات کی تھی لیکن دونوں نے اس کو بری طرح جھڑک دیا تھا ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی حسام کو پسند نہیں کرتا تھا ان کو حسام کو ناپسند کرنے کی ہزار وجوہات تھیں، وہ جس کے لئے وہ سب کی باتیں سن رہی تھی وہ منظر نامے سے ہی غائب ہو چکا تھا اور وہ دن آن پہنچا تھا، جب اس کو محتشم کے نام کیا جا رہا تھا اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، حسام دور تھا قریب تھا پتہ نہیں کہاں تھا، اس نے احتشام سے پوچھا تھا اس نے بتایا تھا کہ وہ لبنان سے باہر گیا ہوا ہے اس نے احتشام سے کہا تھا کہ وہ فون کر کے وہ کافی دنوں سے ٹرائی کر رہی تھی لیکن وہ اس کا نمبر نہیں اٹھاتا تھا۔

''لو کر لو بات۔'' کال رسیو ہوتے ہی احتشام اس کو فون دے کر چلا گیا تھا آج اس کی شادی کا دن تھا اور وہ سارا دن روتی رہی تھی۔

''حسام تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''کیونکہ سجل میں تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتا نہیں دیکھ سکتا تم کھائی میں گرنے والی ہو میں تمہیں بچا نہیں سکتا تو گرتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''تم نہیں آ ئے ناں۔''

''نہیں میں تمہاری بربادی کا تماشا دیکھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''میں خوش نہیں ہوں حسام لیکن میں کیا کروں میں مجبور ہوں۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''کیوں خوش نہیں ہو محتشم اچھا ہے تم سب کا آئیڈیل ہے چھچھورا نہیں ہے لڑکیوں کو دیکھ کر

پاگل نہیں ہو جاتا مس سجل میں تو تمہارے لئے دعا بھی نہیں کر سکتا میرا دل کرب میں مبتلا ہے، جی چاہتا ہے خودکشی کر لوں لیکن پھر سوچتا ہوں تم نے تو کبھی بھی مجھ سے محبت کے دعوے نہیں کیے تم تو میری باتیں سن کر ہمیشہ مجھے نظر انداز کرتی رہی ہو میں تو اس راہ کا اکیلا تنہا مسافر تھا، پھر کیوں خودکشی کروں، سجل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے Wish you best luck۔'' اس نے فون بند کر دیا تھا اور وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

محتشم، حسام کی پیشن گوئیوں سے کہیں زیادہ برا نکلا تھا، شادی کی پہلی رات کو ہی وہ گھر نہیں آیا تھا، اگلی شام جب وہ نشے میں دھت گھر آیا تو اس نے آتے ہی صولت جان پر برسنا شروع کر دیا تھا، صولت جان نے اس کو فون کیا تھا اور فون اس کی گرل فرینڈ نے اٹھایا تھا صولت جان نے اس کو برا بھلا کہا تھا اور اس نے بات بڑھا چڑھا کر محتشم کو بتا دی تھی لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا وہ بیڈ روم میں آیا تھا اور آتے کے ساتھ ہی اس نے غلیظ باتیں اور حرکتیں شروع کر دی تھیں، وہ سنتی رہی تھی سنتی رہی تھی، اتنا سننے کے باوجود بھی وہ بہری نہیں ہوئی تھی وہ فون پر اپنی گرل فرینڈ کے ایم ایس اس کو دکھاتا رہا تھا پھر بھی اس کی آنکھیں بصارت سے محروم نہیں ہوئی تھیں، وہ ہر روز یونہی کرتا تھا اس کے پاس سجل کو دکھانے اور سنانے کے لئے ہر روز نئی خبریں ہوتی تھیں اور ایک رات وہ شراب کے نشے میں مدہوش گھر آیا تھا لیکن وہ مستی میں جھوم رہا تھا۔

''سجل پتہ ہے میں باپ بننے والا ہوں کیتھی پریگننٹ ہے، اوہ میں کتنا خوش ہوں تمہیں بتا نہیں سکتا۔'' وہ جھوم رہا تھا گا رہا تھا جبکہ سجل اپنی قسمت پر مہر بہ لب حیرت کناں تھی وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔

☆☆☆

صولت جان انتہائی زیرک خاتون تھیں پورا گھر جیو اور جینے دو کی پالیسی پر گامزن تھا انکل خالق اپنے کاروبار کی وجہ سے شاذونادر ہی گھر پر نظر آتے تھے صولت جان ہی پورے گھر کو ہینڈل کرتی تھیں اگر سجل نے پاکستان بات کرنی ہوتی تو صولت جان اپنی موجودگی میں بات کراتی تھیں۔

''سجل شام کو تیار رہنا ہم دو تین دن کے لئے جا رہے ہیں۔'' شادی کو چھ ماہ ہونے کو آئے تھے جب ایک دن محتشم نے ڈائننگ ٹیبل پر اس سے کہا تھا، جبکہ صولت جان خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور رہی تھیں محتشم کے اٹھتے ہی وہ اس کے پیچھے چل دی تھیں محتشم آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا، صولت جان کی آواز کمرے سے باہر آ رہی تھی، وہ محتشم پر چلا رہی تھیں جبکہ وہ بھی برابر جواب دے رہا تھا اور آخری حرکت جو اس نے صولت جان کے ساتھ کی تھی اس کو دیکھ کر سجل اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی اس نے صولت جان کو غصے میں آ کر بیڈ پر دھکا دیا تھا اور خود بکتا جھکتا چلا گیا تھا صولت جان خود کو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

وہاں گھٹن بڑھ گئی تھی محتشم انتہائی نفسیاتی مریض تھا اس کو سجل کو ٹارچر میں مزا آتا تھا اور یقیناً اس کو ٹارچر کرنے کا اس نے کوئی نیا منصوبہ بنایا ہوا تھا وہ اب مزید وہاں نہیں رہنا چاہتی تھی وہ جلد از جلد پاکستان فون کر کے مما پپا کو محتشم کے بارے میں سب سچ سچ بتانا چاہتی تھی، اس کو دوپہر کو ہی موقع مل گیا تھا صولت جان سو رہی

تھیں وہ دبے پاؤں ڈرائنگ روم میں آئی تھی اور لینڈ لائن پر بیل جا رہی تھی لیکن کوئی کال ریسو نہیں کر رہا تھا پندرہ منٹ لگاتار بیل جانے کے بعد صفیہ نے فون اٹھایا تھا، سلام دعا کے بعد اس نے اس کو ماما سے بات کرانے کو کہا۔

''سب لوگ تو شادی پر گئے ہیں باجی گھر کوئی نہیں ہے آپ کیسی ہیں باجی خوش ہیں۔'' صفیہ بول رہی تھی لیکن اس نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

شام کو محتشم گھر جلدی آ گیا تھا وہ اس کو تیار رہنے کا پہلے ہی کہہ چکا تھا اس نے ایک بیگ میں اپنے دو تین جوڑے ڈالے تھے وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے جب اچانک صولت جان ان دونوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں وہ اس کو عربی میں کچھ کہہ رہی تھیں جبکہ وہ انتہائی بدتمیزی سے بول رہا تھا پھر اس نے سجل کو کار میں بیٹھنے کا کہا اور خود وہ صولت جان سے بات کر رہا تھا، ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد وہ غصے سے کھولتا ہوا کار میں آ بیٹھا تھا رلیش ڈرائیونگ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ منہ بگاڑ بگاڑ کر عربی زبان میں گالیاں بھی دے رہا تھا، بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد اس نے کار ایک ہوٹل کے سامنے روکی تھی انٹرنس میں داخل ہوتے ہی ایک شخص اس کو ملنے آ گیا تھا، اس کی معیت میں وہ دونوں ایک روم میں گئے تھے جہاں پہلے سے دو افراد موجود تھے وہ اس کو وہاں رکنے کا کہہ کر خود جا رہا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو محتشم۔'' اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''تمہیں ان کے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں تم دو دن ہی رہو گی ان کے ساتھ۔'' ناگا ساکی اور ہیروشیما پر جس طرح بمباری ہوئی تھی ویسی ہی بمباری سجل کے دماغ میں ہوئی تھی وہ اس حد تک غلیظ ہو گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے محتشم اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھنا پاکستان میں تمہاری بہن موجود ہے۔'' سجل بے خوفی سے چلائی تھی۔

''جانتا ہوں لیکن اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا میرا بزنس ڈوب رہا ہے سجل میری بات مان لو پلیز، یہی وہ لوگ ہیں جو مجھے بچا سکتے ہیں تم میری بیوی ہو تمہیں میری مدد کرنا چاہیے۔''

''تم اتنے بے غیرت ہو سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی سچ کہا تھا حسام نے۔''

''حسام تمہارا عاشق اسی کا پڑھایا ہوا ہے سبق ہے وہی سانپ ہے جو ہماری آستینوں میں بیٹھ کر وار کرتا ہے اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو طلاق لے کر پاکستان جاؤ گی سمجھیں۔'' وہ غرایا تھا۔

''دے دو تم جیسے انسان کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہتی۔'' وہ نڈر و بے خوف لہجے میں بولی تھی۔

''کیتا تجھے کرنا ہو گا وہی سب کچھ جو میں کہہ رہا ہوں، دیکھتا ہوں تو کیسے نہیں مانتی۔'' اس نے ایک زوردار تھپڑ اس کے دائیں گال پر مارا تھا بھاری مردانہ ہاتھ کا نشان اس کے گال پر ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

''لعنت ہو تم پر۔'' سجل نے پوری قوت سے اس کو دھکا دیا تھا وہ اس دھکے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے اپنی جگہ سے ہلا تھا وہ باہر دروازے کی جانب بھاگی تھی، محتشم پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور عین انٹرنس میں وہ اس کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''چھوڑو مجھے ورنہ میں چلاؤں گی۔'' وہ اپنا بازو چھڑانے کی سعی کر رہی تھی جبکہ وہ اس کو گھسیٹتا

ہوالے جا رہا تھا۔

"تمہیں میری بات ماننا ہوگی ورنہ میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم خود کو پہچان نہیں پاؤں گی۔"

"بازو چھوڑو میرا جنگلی انسان۔" وہ ایک بار پھر چلائی تھی تین چار لوگ اور دو سیکورٹی اہلکار ان کے اردگرد جمع ہو گئے تھے، وہ عربی زبان میں محتشم سے پوچھ رہے تھے وہ تاویلیں دے رہا تھا وضاحتیں دے رہا تھا جبکہ سجل کا دایاں گال سوجا ہوا تھا بکھرا سراپا، ان کو پوچھنے پر مجبور کر رہا تھا، وہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ سیکورٹی اہلکار پولیس کو بلا رہے تھے۔

"چلو میرے ساتھ۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے جاؤ تم آزاد ہو، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بکتا جھکتا چلا گیا تھا اور وہ تہی دست و تہی داماں ہوٹل سے باہر آ رہی تھی ہجوم میں جہاں سے وہ گزرتی لوگ اس کو رستہ دے دیتے تھے، کہاں جائے کس کو مدد کے لئے پکارے اجنبی شہر اجنبی لوگوں میں شناسا کوئی بھی نہیں تھا، وہ غم میں ادھ موئی سی ہوٹل کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھی، اس کا گال سوجا ہوا تھا دائیں آنکھ سے پانی بہہ رہا تھا، وہ اندھے کنوئیں میں تو بہت پہلے جا گری تھی اب تو نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا تبھی کار کی لائٹ اس پر پڑی تھی اور ساکت سی ہو گئی تھی، اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اب سر اٹھانے کے لئے کچھ نہیں بچا تھا، مسلسل لائٹ پڑنے پر اس کے چہرے کے خدوخال اس کا بے ترتیب حلیہ اس کی نظروں میں آ گیا تھا، وہ کار سے نکل کر تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"سجل تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" پر تشویش لہجے میں اس نے پوچھا تھا اور وہ جو نیم جان سی تھی شناسا سی آواز سنتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔

اس کو حسام کے اپارٹمنٹ میں رہتے چھ ماہ ہو گئے تھے، اس دوران گھر والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر وہاں کوئی اس سے بات کرنے کو تیار نہ تھا، محتشم نے حسام پر سجل کے اغواء کا مقدمہ کر دیا تھا مجبوراً حسام کو سجل سے نکاح کرنا پڑا تھا وہ جانتا تھا کہ سجل نے مارے باندھے اس رشتے کو قبول کیا ہے۔

☆☆☆

محتشم غصے میں ان کی جانب بڑھنے لگا تھا لیکن لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ تھا اس کو ان تک آنے میں ٹائم لگتا اور پھر دوسرا یہ کہ بلال اس کا بازو پکڑ کر اس کو سمجھا رہا تھا سجل باقاعدہ کانپ رہی تھی جبکہ حسام نے اس کو اپنے اور قریب کر لیا تھا اور محتشم کو چڑانے کے لئے اس نے اس ہجوم میں سجل کے گرد اپنا بازو حمائل کر لیا تھا وہ اس کے بکھرے بال سمیٹ رہا تھا، اسی وقت حسام کا موبائل بجا تھا اس نے فون کان سے لگا لیا تھا۔

"جی ڈیڈ میں یہاں کام سے آیا ہوں۔" وہ شرارتی انداز میں سجل کو دیکھ رہا تھا۔

"سجل جی میرے ساتھ ہے آپ کی باقی اولادیں بھی موجود ہیں بس آپ کی بیگم کی کمی ہے ان کو لے کر آپ آ جائیں مزا آئے گا۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"یہی وہ بیان دے گا، گڈ چلیں شکر آپ کو یقین تو آیا، چلیں پھر بات ہو گی۔" اس نے فون بند کر دیا تھا۔

"کیا کہہ رہے تھے انکل۔"

"ہوٹل البروٹ میں ڈیڈ کو دو ایسے اہلکار ملیں ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ محتشم نے تمہیں ان کے سامنے طلاق دی ہے ان کے بیانات کل جمع

ہوں گے اور دوسری خبر بہت مزیدار ہے۔'' وہ ہنستا تھا۔

''کون سی خبر؟''

''تمہارے والد نے تمہیں عاق کر دیا ہے۔''

اس کے پیروں کے نیچے سے سہی معنوں میں زمین نکل گئی تھی۔

''تم نے اپنی شادی سے پہلے مجھ سے شادی کرنے کا بولا تھا اپنی مما کو۔'' وہ پوچھ رہا تھا اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا، جیسے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہی ہو۔

''بس پھر تو ان کا تمہیں عاق کرنا بنتا ہے ناں لیکن اس بات کو سن کر تو میں ہواؤں میں اڑ رہا ہوں میڈلن۔'' وہ اس کو گہری بولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا، پرفارمنس شروع ہو چکی تھی۔

''اب کیا ہوگا حسام؟'' پورے ہال میں خاموشی سی چھا گئی تھی صرف سروں کی آوازیں آ رہی تھیں صرف سنگر گا رہا تھا سب لوگ مبہوت ہو کر سن رہے تھے وہ بھی کھویا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں ہوگا، بے فکر رہو، ڈیڈ کو سب پتہ ہے یہ صولت جان کی خواہش تھی اپنے بیٹے کو سدھارنے کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔''

''محتشم بہت خطرناک ہے حسام۔''

''وہ کچھ نہیں کر سکتا اگر کر سکتا ہوتا نہ تو کر چکا ہوتا اتنے ثبوت میں ناں کہ عمر قید تو مل ہی جائے گی اسے۔'' اس نے آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تھا۔

''حسام کیا میرے گھر والے مجھے نہیں اپنائیں گے۔'' یہ وہ واحد پھانس تھی جو ابھی تک اس کے حلق میں اٹکی ہوئی تھی۔

''کیوں نہیں اپنائیں گے ہم اگلے ماہ ڈیڈ کے ساتھ پاکستان جائیں گے۔''

''انکل چلیں گے ناں۔'' اس نے تائید چاہی۔

''بالکل ڈیڈ تو میرا رشتہ کرنا چاہتے تھے لیکن صولت جان کو محتشم کی بہت فکر تھی انہوں نے اور زینب نے وہ پھرتیاں دکھائیں کہ ڈیڈ کو بھی حیران کر دیا تھا۔''

''ویسے تم نے کچھ خاص سدھارا نہیں تھا اسے۔'' وہ شرارت سے بولا تھا۔

''سدھار تو میں تمہیں بھی نہیں سکی ہوں۔'' اس نے دوبدو جواب دیا تھا۔

''خیر یہ تو نہ کہو اتنا تو سدھر گیا ہوں، لوفر پن ختم ہو گیا ہے بغیر بتائے گھومتا پھرتا نہیں ہوں اچھے شوہروں کی طرح گھر جلدی آ جاتا ہوں بیوی کو فل ٹائم دیتا ہوں کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے، فیس بک پر بھی صرف اپنی بیوی کو جوائن کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، یعنی جو کچھ گھنٹے میں سکون کے گزارنا چاہوں گی تم وہاں بھی مجھے نہیں چھوڑو گے، بالکل تمہیں اب پتہ چلے گا حسام عبد الخالق تمہیں کتنا چاہتا ہے پہلی ہی نظر میں دیوانہ ہوا ہوں۔''

''اور جانتے ہو اس وقت میں نے تمہارے متعلق کیا رائے قائم کی تھی۔'' سجل نے مسکرا کر کہا حسام نے اس کا ہاتھ تو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا تھا۔

''جانتا ہوں۔'' پھر مسکرا کر بولا۔

''کیا؟'' اس نے معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر پوچھا۔

''چھچھورا لوفر، یہی کہا ہوگا تمہارے چہرے کے ایکسپریشن بتاتے تھے۔''

''پھر بھی تم باز نہیں آتے تھے کیوں؟'' وہ متجسس ہوئی تھی۔

''وہ اس لئے میڈلن کہ اس طرح سے پہلے

کسی نے اپنی نظروں کے حصار میں مجھے باندھا ہی نہیں تھا، سحر نہیں پھونکا تھا مجھ پر۔'' وہ اس کے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھ کر بولا تھا، وہ مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

''کیا اسی دن کے لئے میں نے اپنی پھولوں جیسی بیٹی کو آپ کے حوالے کیا تھا صولت جان کہ اس کا یہ حال کیا ہے تم نے، اوپر سے وہاں بیٹھ کر آپ ہمیں کیا کیا کہانیاں سناتی رہی ہیں۔'' پاپا کی گرج دار آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی، جبکہ سجل کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا، وہ اور حسام کل ہی پاکستان پہنچے تھے لیکن حسام اس کو ہوٹل لے آیا تھا رات کو ڈیڈ نے ان کو ادھر آنے کا کہا تھا اور وہ دونوں جب یہاں پہنچے تھے تو صولت جان اور انکل عبدالخالق کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی، صولت جان کسی مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں، صولت جان کو تنگ کرنے کے لئے حسام نے اس کی آستین اوپر کر کے دکھائی اور بولا۔

''ذرا پوچھیں یہ ان کے نارمل بیٹے کے کرتوت ہیں جس کا چرچہ صولت مما پورے جہان میں کرتی تھیں۔'' اس کے بازو پہ نشان دیکھ کر طارق بھائی اور پپا بھڑک اٹھے تھے طارق بھائی تو غصے میں زینب کو چھوڑنے کا کہہ رہے تھے۔

''صولت بتاؤ مجھے بیٹی بنا کر لے گئی تھیں ناں تم میری بچی کو اسی لئے بنا کر گئی تھی بیٹی کے تمہارا وہ نفسیاتی بیٹا اس کا یہ حال کرے اگر میرا طارق تمہاری زینب کے ساتھ یہی کچھ کرتا پھر، پھر کیا کرتیں تم یونہی خاموشی بیٹھی رہتیں۔''

''میں شرمندہ ہوں بلقیس بھابھی۔''

''تمہاری شرمندگی سے کیا ہوگا، تم نے جان بوجھ کر چھپائے ہیں اپنے بیٹے کے کارنامے ہمارے سے اگر حسام نہ ہوتا تو آپ کا بیٹا تو سجل کو قبر میں اتار کر دم لیتا، ایسا کریکٹر لیس اور نفسیاتی مریض بیٹا ہے آپ کا اس کے کارنامے تو بیروت میں بیٹھے آپ کے سارے رشتے داروں نے سنائے ہیں، سجل تم آرام کرو۔'' معا مما کو سجل کی ابتر حالت کا خیال آیا سجل اندر چلی گئی تھی جبکہ طارق نے صاف کہہ دیا تھا کہ صولت جان کے ساتھ اس کی بیٹی کو بھی رخصت کر دیا جائے وہ کسی صورت بھی زینب کو اپنے گھر میں نہیں رکھے گا، پھر ڈیڈ کے سمجھانے بجھانے پر وہ خاموش ہو تو گیا تھا لیکن اس کے تیور دیکھ کر فی الحال زینب نے کچھ عرصہ بیروت چلے جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

☆☆☆

صولت جان اور عبدالخالق واپس بیروت جا چکے تھے، حسام پاکستان تیسری بار آ چکا تھا جس کے لئے وہ پاکستان آیا تھا اس کے پاس اس کے لئے ٹائم ہی نہیں تھا کبھی پتہ چلتا وہ سو رہی ہے تو کبھی مما کے ساتھ مارکیٹ گئی ہے تو کبھی ڈرائنگ روم میں محفل جمع کر بیٹھ جاتی تھی وہ لاکھ اس کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ انجان بن جاتی یا پھر کنی کترا کر گزر جاتی، ابھی بھی ایسا ہی ہوا تھا بکر عید کا چاند نظر آ گیا تھا سب لوگ باہر شور و غل کر رہے تھے دعائیں مانگ رہے تھے اور وہ ٹیرس پہ چکر لگا لگا کر اپنے چاند کو دیکھنے کے لئے ترس رہا تھا، باقی سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع تھے، زینب واپس آ چکی تھی وہ طارق کے بچے کی ماں بننے والی تھی اور اسی بات نے طارق کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی تھیں، وہ اکھڑا اکھڑا سا تھا، جبکہ دوسری جانب حسام غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

''ذرا بھی پرواہ نہیں میری جو تیسری بار پاکستان آیا ہوں دیکھ لیتی کہ اسی کی وجہ سے آیا

ہوں ورنہ یہاں میرا کون ہے اس کے سوا لیکن نہیں جی وہ کیوں دیکھے گی بھاڑ میں جائے شوہر۔'' وہ چکر لگا لگا کر بول بول کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا، تبھی وہ کافی کا مگ ہاتھ میں لئے اوپر آ گئی تھی۔

''ارے حسام تم ادھر بیٹھے ہو اور میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔''

''کیوں ڈھونڈتی پھر رہی ہو بڑی جلدی خیال آیا ہے میرا تمہیں، ایک گھنٹے سے یہاں سڑ رہا ہوں سب چاند دیکھ چکے ہیں اور میرا چاند کہیں نظر ہی نہیں آ رہا مجھے۔''

''اب تو آ گیا ناں۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''اتنی دور سے۔'' اس نے جذبوں سے چور لہجے میں کہا۔

''چاند دور سے ہی دیکھا جاتا ہے محترم۔'' اس نے تصحیح کی تھی۔

''لیکن مجھے تو ہمیشہ چاند کو چھونے کی تمنا رہی ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کر گمبھیر لہجے میں بولا تھا، تبھی پیچھے سے احتشام کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

''وہ اصل میں ہم موِوی دیکھنے جا رہے ہیں تم چلو گے ناں۔''

''نہیں۔'' اس نے غصے میں کہا۔

''چلو ٹھیک ہے تم یہ کافی پیو ہم موِوی دیکھ کر آتے ہیں پھر بات کرتے ہیں۔'' وہ شرارت سے کہہ کر آگے بڑھی تھی۔

''کیا مطلب پھر آ کر بات کرتی ہوں تم کہاں جا رہی ہو۔'' وہ اس کے سامنے آ کر بولا تھا۔

''موِوی دیکھنے جا رہے ہیں ناں۔''

''خبردار تم نہیں جا سکتیں سمجھی۔'' وہ دھونس بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''لیکن۔''

''میں نے کہاں ناں نہیں۔'' وہ غصے میں بولا تھا۔

''تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو۔'' وہ اس کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر بولی تھی۔

''بول سکتا ہوں شوہر ہوں تمہارا۔'' وہ رعب جما کر بولا تھا۔

''تو پھر بولتے رہو میں جا رہی ہوں۔'' وہ غصے میں بولی تھی لیکن آگے نہیں بڑھ سکی تھی کیونکہ وہ محض دو قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

''جا کر دکھاؤ ذرا۔'' وہ اس کے اور قریب ہوا تھا اتنا کہ سجل کے بال اب اس کے چہرے کو چھو رہے تھے اچانک موسم ابر آلود ہو گیا تھا۔

''میں رو دوں گی اگر تم غصے میں بولے۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔

''اچھا نہیں بولوں گا غصے میں پلیز مت جاؤ۔'' وہ اس کے بالکل قریب ہوتے ہوئے بولا حتیٰ کہ اس کے بال اس کے چہرے پر بکھر سے گئے تھے۔

''اچھا نہیں جاتی۔'' وہ ایکدم سے پیچھے ہٹی تھی اور چیئر پر بیٹھ کر کافی پینے لگی تھی جو کہ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

''میرے لئے نہیں لائیں۔''

''تمہارے لئے ہی لائی تھی۔'' وہ ہنستے ہوئے بتانے لگی تھی جبکہ وہ دوسری چیئر پر بیٹھنے کے بجائے اس کے عین قدموں میں بیٹھ کر چیئر کے بازو پر اپنا سر ٹکا چکا تھا اور دوسرے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' سجل نے انتہائی آہستگی سے اس کے بالوں کو چھوا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے سر جھکائے ہوئے نفی میں سر ہلایا، پھر سر اٹھا کر اسکو دیکھا مسکرا کر بولا۔

''I love you madlan۔'' اس کی آنکھوں میں محبتوں کا ایک جہان آباد تھا۔

''I know that۔'' اس نے سر جھکا کر کہا، اس نے آہستگی سے اس کے ہاتھ سے کافی کا کپ لیا تھا اور اب بچی ہوئی کافی پی رہا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ اس نے اس کے ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔

''لو جی یہاں بیٹھے ہیں دونوں اور پورے گھر میں ڈھنڈیاں مچی ہے کہ میاں بیوی بھاگ گئے ہیں۔'' سدرہ اور احتشام کی اچانک انٹری نے دونوں کو بوکھلا دیا تھا حسام ایکدم کھڑا ہو گیا تھا۔

''سدرہ کچھ کبھی تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' سجل نے اس کو گھرکا جبکہ حسام نہ صرف اس سچویشن کو انجوائے کر رہا تھا بلکہ سدرہ کے ساتھ مل کر اس پر فقرے بھی چست کر رہا تھا۔

''کیسی بہن ہو تم اپنا گھر تو بسا لیا اس چھچھورے لوفر کے ساتھ اور بھائی کا ذرا بھی خیال نہیں ہے تمہیں۔'' احتشام نے سدرہ کو دیکھ کر کہا تھا جبکہ سجل کے ذہن میں جھما کا سا ہوا تھا۔

''پہلے یہ بتاؤ کس نے بتایا ہے تمہیں کہ میں حسام کو چھچھورا لوفر کہتی ہوں۔'' وہ دونوں آستین چڑھائے میدان میں اتر آئی تھی۔

''سدرہ مجھے فون پر بتاتی تھی۔'' احتشام نے بھانڈا پھوڑا تھا۔

''سدرہ کی بچی رک میں بتاتی ہوں۔'' وہ سدرہ کے پیچھے بھاگی تھی لیکن سدرہ نے نیچے کی طرف دوڑ لگا دی، پیچھے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہی تھی، جبکہ حسام اور احتشام دونوں اس سچویشن کو انجوائے کر رہے تھے، اس امید کے ساتھ کہ اب کسی خزاں کا گزر نہیں ہو گا ان کی زندگیوں میں روشن راستے صاف اور واضح تھے۔

☆☆☆

عزہ خالد

وہ اس کا ہاتھ سختی سے تھامے تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا آمنہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی تھی پر کوشش کے باوجود بھی وہ اس کے ساتھ نہیں چل پا رہی تھی ایسے ہی جیسے زندگی کے اس سفر میں وہ اس سے بہت آگے تھا وہ ہزار کوشش کے باوجود بھی اس کے ساتھ نہیں چل سکتی تھی وہ اس سے بہت آگے تھا وہ اس کے ساتھ کی خواہش تو کر سکتی تھی پر وہ خواہش ان ہزاروں خواہشوں میں سے ایک ہوتی تھی جنہیں شاید کبھی پورا نہیں ہونا تھا۔

اس نے سامنے سے آتی ٹیکسی روکی اور ڈرائیور کو ایڈریس سمجھا کر اسے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا وہ شیشے سے روشنیوں میں نہائے اس بڑے شہر کو دیکھ رہی تھی جہاں رات میں بھی دن کا سماں تھا وہ چار گھنٹے کوچ میں سفر کر کے یہاں پہنچی تھی

جانے ابھی بھی کتنا سفر باقی تھا اسے شدید بھوک اور پیاس لگ رہی تھی ان چار گھنٹوں میں اس نے جھوٹے منہ بھی اس سے کچھ کھانے پینے کا نہیں پوچھا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ٹیکسی رک چکی تھی اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا وہ فوراً چادر سنبھالتی اتر گئی، وہ ڈرائیور کو کرایہ دے رہا تھا اور وہ سر اٹھائے اس چھ منزلہ عمارت کو دیکھ رہی تھی اتنی اونچی عمارتیں اس نے صرف ٹی وی میں دیکھی تھیں آج پہلی بار حقیقت میں دیکھ رہی تھی ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پہلی بار شہر آئی تھی ابا کے زندگی میں بھی ان کے ساتھ آئی ہوگی۔

ڈرائیور کو فارغ کر کے وہ بلڈنگ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا وہ اس کی رہنمائی میں چل رہی تھی۔

فلیٹ کے دروازے تک پہنچ کر اس نے بیگ نیچے رکھا اور پاکٹ سے چابی نکال کر لاک کھولا اور بیگ اٹھا کر اندر چلا گیا، وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اندر آ گئی تھی، دروازے سے کچھ فاصلے پر بیگ رکھ کر وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا ٹھک کی آواز سے دروازہ بند ہوا تھا اس نے سامنے دیوار پر لگی وال کلاک کو دیکھا جہاں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے، یہ تین کمروں کا فلیٹ تھا وہ اندازے سے دائیں طرف چل پڑی، جہاں اس کے خیال میں کچن ہونا چاہیے تھا اس کا اندازہ درست تھا پر وہاں پہنچ کر اسے شدید مایوسی ہوئی تھی وہاں کھانے کو کچھ نہیں تھا وہ پانی کے دو گلاس پینے کے بعد وہیں کرسی پر بیٹھ گئی تھی، وہ رو رہی تھی اپنی کم مائیگی کا احساس اسے بری طرح رلا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ نماز پڑھ رہی تھی وہ سامنے صوفے پر بیٹھا اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

''چائے بنا کر مجھے کمرے میں دے جانا۔''

اسے سلام پھیرتے دیکھ کر وہ حکم دیتا اپنے کمرے میں چلا گیا، وہ دعا مانگ کر اٹھی اور کچن کی طرف چل پڑی، اتنے دنوں میں اسے یہی لگا تھا کہ وہ یہاں ملازمہ بن کر آئی ہے زید کی نظروں میں اس کی حیثیت ملازمہ سے زیادہ نہیں ہے وہ چائے کا کپ لئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب کمرے سے آتی آواز سن کر اس کے قدم رک گئے۔

''وہ تو کیا کوئی بھی تمہاری جگہ نہیں لے سکتا، میں نے پہلے ہی اماں کو بتا دیا تھا کہ میں دوسری شادی ضرور کروں گا، میرا اس اجڈ گنوار لڑکی کے ساتھ بالکل بھی گزارا نہیں ہو سکتا۔''

اسے معلوم تھا وہ یہ الفاظ اسی کی شان میں کہہ رہا ہے وہ اکثر یہ الفاظ اس کے لئے استعمال کرتا تھا پر جانے کیوں یہ الفاظ سن کر ہر بار پہلے سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی اس کے ہاتھ سے کپ گرتے گرتے بچا تھا۔

''تم آنٹی سے بات کرو، میں جلد از جلد تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' آمنہ کو اندازہ ہو گیا تھا وہ اسی لڑکی سے بات کر رہا ہے، جس سے وہ شادی کرے گا جس کا ذکر وہ خالہ کے سامنے کر چکا تھا۔

''ہاں وہ یہیں رہے گی، اس کے یہاں رہنے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ فائدہ ہو گا تمہیں گھر کے کاموں کی کوئی ٹینشن نہیں ہوگی، تم بھلے شادی کے بعد بھی جاب جاری رکھنا۔''

آمنہ نے دیوار تھام کر اس کا سہارا لیا تھا اسے اب اس کی بیوی کی بھی ملازمہ بننا تھا یہ سوچ اس کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔

☆☆☆

''مجھے واپس جانا ہے۔'' کھانا اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے اپنا مدعا بیان کیا تھا اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' اس نے آمنہ کو گھورتے ہوئے پوچھا تھا وہ کچھ دیر جواب سوچتی رہی تھی۔

''مجھے گاؤں میں رہنے کی عادت ہے، یہاں میرا دم گھٹتا ہے۔''

''میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں کہ تمہیں لے کر آنے اور واپس چھوڑ کر آنے میں ضائع کرتا پھروں۔'' اس نے کھانا کھاتے ہوئے بڑی بے مروتی سے جواب دیا تھا۔

''آپ مجھے بس میں بٹھا دیں میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ بڑی مشکلوں سے بولی تھی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا...... اسکول کی شکل نہیں دیکھی اور اکیلی سفر کرو گی۔'' وہ طنزیہ کاٹ دار لہجے میں بول رہا تھا وہ جانتی تھی وہ بہت پڑھا لکھا ہے۔ اس کی اتنی تعلیم کے سامنے آمنہ فیروز الدین کی آٹھ جماعتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، وہ سر جھکائے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''تم آنٹی سے کب بات کرو گی؟'' اس نے بڑی رغبت سے کھانا کھاتی مشعل کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''جیسے ہی موقع ملے گا، بات کرلوں گی۔''

''آنٹی مان تو جائیں گی نا؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتی، آئی ڈونٹ نو ان کا کیا ردعمل ہو۔'' مشعل نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''انہیں تمہاری پہلی شادی پر اعتراض ہو گا۔'' مشعل نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''تو تم انہیں بتانا کہ میں نے اپنی مرضی اور خوشی سے شادی نہیں کی وہ میری مجبوری تھی میری اماں کو اپنی یتیم مسکین بھانجی کے لئے کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں مل رہا تھا اور انہیں اپنی مرحومہ بہن اور بہنوئی کے احسانات اتارنے تھے تو انہیں میری پتلی گردن نظر آئی تو مجھے قربان کر دیا۔'' زید چہرے پر مسکینیت طاری کیے اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا، مشعل کو اس لمحے واقعی اس پر ترس آیا تھا، اس کی اماں نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اتنے ویل ایجوکیٹڈ ویل آف بیٹے کی شادی کرنے سے پہلے انہیں اس کا معیار دیکھنا چاہیے تھا۔

''مشعل! فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے، میں بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا نہ بھی کرتا تو وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔

☆☆☆

وہ اپنے روز مرہ کے کام نبٹا رہی تھی بیل بجنے کی آواز پر وہ کام چھوڑ چھاڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی، دروازہ کھولتے ہی اپنے سامنے کھڑی اس ماڈرن سی لڑکی کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

''زید گھر پر ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ ابھی تک آفس سے نہیں آئے۔''

''اچھا۔'' اس کی خوبصورت آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں، آفس ٹائم تو کب کا ختم ہو چکا تھا۔

''آپ زید کی...... بیوی ہیں؟'' مشعل نے سامنے کھڑی لڑکی کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے ہوئے پوچھا، آمنہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''میں اندر آسکتی ہوں؟'' مشعل کے سوال

پر وہ شرمندہ سی ایک طرف ہوگئی تھی اور اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''آمنہ!''

''میں مشعل ہوں زید کی دوست۔'' ڈرائینگ روم میں سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے مشعل نے اپنا تعارف کروایا۔

''آپ کو معلوم ہوگا زید مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''مجھے کیا اعتراض ہونا ہے اور میرے اعتراض سے کیا یہ شادی رک جائے گی؟'' وہ چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں ایک اجڈ گنوار لڑکی ہوں، میرے اعتراض سے کسی کو کیا فرق پڑے گا، کوئی کیوں میرے لئے اپنی خوشیوں کی قربانی دینے لگا۔'' اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی مشعل کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔

''میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی تھی اس کے جانے کے بعد مشعل بھی وہاں ٹھہر نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک گھنٹے بعد گھر پہنچا تھا آمنہ نے اسے مشعل کی آمد سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً پاکٹ سے موبائل نکالا اور مشعل کا نمبر ملانے لگا، تیسری چوتھی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''تم گھر آئی تھی، مجھے فون کر دیتی میں آ جاتا۔''

''تمہارا نمبر آف جا رہا تھا۔''

''اوہ ہاں میں فیضان کے ساتھ فارم ہاؤس گیا ہوا تھا وہاں سگنل پرابلم ہوگا۔'' زید کو فوراً یاد آیا۔

''تم نے آنٹی سے بات کی؟''

''زید میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔''

''پر کیوں؟'' زید چلایا تھا اس نے مشکوک نظروں سے سامنے کچن میں کام کرتی آمنہ کو دیکھا تھا۔

''آمنہ نے کچھ کہا ہے تم سے؟''

''ن..... نہیں..... نہیں، وہ بیچاری کیا کہے گی، وہ تو مجھے انتہائی مظلوم لگی ہے، تم نے اس کا جو خاکہ کھینچا تھا وہ اس سے بہت مختلف ہے، مجھے تو وہ بالکل بھی اجڈ اور گنوار نہیں لگی، تم اگر اسے محبت اور توجہ دو گے تو مجھے یقین ہے وہ خود کو تمہاری پسند کے مطابق ڈھال لے گی۔''

''پر مشعل میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''محبت تو آمنہ سے بھی کی جا سکتی ہے وہ اتنی بری نہیں ہے اور پھر خدا نے اسے تمہارے لئے منتخب کیا ہے، بہتر یہی ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ۔'' مشعل نے فون بند کر دیا تھا وہ حیرت اور بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھ رہا تھا کچھ ہی دیر بعد موبائل کی میسج ٹون بجی تھی وہ میسج مشعل کا تھا۔

''کسی شے کا چھوٹا سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہاتھ اسے دور سے دیکھا جائے یا پھر غرور سے دیکھا جائے ورنہ اگر اسے قریب سے دیکھا جائے اور عزت سے دیکھا جائے تو وہی سے اپنے اندر اک جہاں رکھتی ہے۔''

اس نے سامنے کچن میں کام کرتی آمنہ کو دیکھا تھا بڑے عام سے سادہ سے حلیے میں رہنے والی آمنہ آج اسے اتنی بری نہیں لگ رہی تھی۔

☆☆☆

ثمینہ بٹ

''تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ نکلو یہاں سے، نکلو باہر میرے کمرے سے، دفع ہو جاؤ یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔'' وہ جو پورے انہماک سے اس کی سٹڈی ٹیبل پر جھکا اس کے فولڈرز اور فائلز کھنگال رہا تھا، اس کی تیز چیخ نما آواز سن کر بے ساختہ اچھل پڑا تھا اور اسی ہڑبڑاہٹ میں اس کے ہاتھ سے کچھ فائلز پھسل کر نیچے جا گریں۔

''ہاہ حنان کے بچے تمہاری جرأت کیسے ہوئی بغیر اجازت میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی اور تم...... تم اس وقت ادھر میرے کمرے میں کر کیا رہے ہو؟'' وہ تیزی سے آگے بڑھی اور جھپٹا مار کر اس کے ہاتھ سے باقی ماندہ فائلز بھی چھین لیں۔

''ثوبی! پلیز مجھے تمہارے نوٹس چاہیں پلیز مجھے اکاؤنٹس کے نوٹس دے دو۔'' اس کے موڈ اور غصے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ منت سے بولا۔

''کیا؟ نوٹس، مگر تمہارے نوٹس کہاں ہیں، تم بھی تو کلاس میں ہی موجود تھے میرے ساتھ ناں، پھر کیوں چاہیے تمہیں میرے نوٹس والی فائل۔'' ثوبیہ نے بے حد مشکوک انداز میں اسے گھورتے ہوئے اپنی فائل لاشعوری طور پر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''وہ...... میرے نوٹس...... وہ تو جنید لے گیا، وہ آیا نہیں تھا ناں کالج اس لئے میں نے اپنی فائل اسے دے دی اور اب مجھے تمہاری والی ہی چاہیے۔'' حنان نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے مسکین سی صورت بناتے ہوئے کہا تو ثوبی کا دماغ جنید کا نام سنتے ہی ایک بار پھر گھوم گیا۔

''کیا، آج پھر دے دیے اس جنید نالائق کو اپنے نوٹس، ایک بات تو بتاؤ تم مجھے آج، وہ جنید نالائق کیا تمہارا چاچو لگتا ہے جو اپنی ہر چیز اسے دان کر آتے ہو اور پھر آ جاتے ہو منہ اٹھا کر میرے پاس، ثوبی نوٹس دینا، ثوبی کتاب دے دو، ثوبی لیپ ٹاپ چاہیے، اونہہ ضرورت کیا ہوتی ہے تمہیں حاتم طائی کا جان نشین بننے کی۔''

''اف ثوبی، پلیز دے دو ناں، لاسٹ ٹائم پلیز، پکا پرامس، آئندہ کبھی کچھ نہیں دوں گا، کچھ بھی نہیں، نہ نوٹس نہ کپڑے، نہ جوتے، پلیز یار اس بار میری مدد کر دو، ورنہ اسائمنٹ پوری نہیں ہوگی اور پرسوں لاسٹ ڈیٹ ہے جمع کروانے کی، سمجھا کرو ناں ثوبی جی۔'' اس کی ساری کڑوی کسیلی مگر سچی باتوں کے جواب میں حنان نے بے چارگی اور مظلومیت کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا کہ اسے ماننتے ہی بنی۔

''اچھا ٹھیک ہے لے لو، مگر یہ آخری بار ہے سمجھے تم، آخری بار اور ہاں مجھے کل تک میری فائل واپس چاہیے ہر حال میں ورنہ؟'' ہمیشہ کی طرح اس کی مسکینی برساتی صورت پر ترس کھاتے ہوئے ثوبیہ نے اسے فائل پکڑا تو دی، مگر ساتھ ہی تنبیہی انداز میں واپسی کا مطالبہ کرنا نہیں بھولی تھی۔

''ہاں ہاں دے دوں گا واپس یقین کرو ثوبی جی اور بہت بہت شکریہ تمہارا تم بہت اچھی ہو اور ہاں میرے چاچو کا نام ''جنید احمد'' نہیں، طفیل عالم رضوی ہے اور حنان تو ابھی خود بچہ ہے، لہٰذا اس کے بچوں کے تشریف لانے میں ابھی ایک زمانہ پڑا ہے، سو تب تک انتظار فرمائیے۔'' دروازے کے پاس رک کر اس سے شرارت سے کہا اور کسی بھی متوقع حملے سے پہلے ہی باہر بھاگ گیا۔

''حنان کے بچے۔'' ثوبیہ اس کی شرارت سمجھ کر ایک بار پھر چیخی تھی، مگر وہ رفو چکر ہو نے

میں کامیاب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

عالم رضوی صاحب کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، کفیل عالم رضوی اور طفیل عالم رضوی اور ان دونوں سے چھوٹی اکلوتی لاڈلی مدحت جو سارے گھر میں مینا کی طرح چہکتی پھرتی، پورے عالم ولا میں اس کی ہنسی کی جھنکار گونجتی تھی، عالم رضوی صاحب کا لیدر کا بزنس تھا جو پہلے تو محدود پیمانے پر ہی تھا، مگر جب سے ان کے دونوں بیٹے، دو جوان بازو بن کر ان کے ساتھ ملے تھے، ان کا بزنس تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا تھا اور پھر جیسے ہی مدحت کی تعلیم مکمل ہوئی، عالم رضوی اور ان کی بیگم نزہت رضوی نے ان کا فرض ادا کرنے کی تیاری کی، بہت جلد مدحت اور کفیل رضوی کی شادیاں طے کر دی گئیں، گو کہ ان تینوں بہن بھائیوں کے رشتے وہ بہت پہلے سے طے کر چکے تھے، مگر مدحت کی تعلیم مکمل ہونے کے منتظر تھے۔

جلد ہی مدحت اظہر کے سنگ بیاہ کر ابوظہبی سدھاریں، کیونکہ ظہر صاحب (اظہر کے والد) بہت عرصہ پہلے ہی پوری فیملی سمیت وہاں شفٹ ہو چکے تھے، لہٰذا شادی کے بعد مدحت بھی وہیں جا بسی اور عالم ولا میں ان کی جگہ آمنہ رضوی رونق افروز ہو گئیں، ان ہی دنوں نزعت بیگم کے دل میں حجاز مقدس جانے کی خواہش جاگی اور کچھ اس شدت سے کہ وہ سب کچھ بھول گئیں، اٹھتے بیٹھتے ان کے لبوں پر ایک ہی بات رہتی، ادائیگی عمرہ اور حج کی سعادت حاصل کرنا، جیسے ان کی آخری خواہش بن چکی تھی، ان کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے عالم رضوی صاحب نے حج فارم جمع کروا دیئے اور ساتھ ہی اپنے آخری فرض کی ادائیگی سے بھی سبکدوشی اختیار کی، طفیل رضوی، شگفتہ سے کروا کر وہ دونوں جیسے فارغ ہو گئے۔

شگفتہ طفیل کی کلاس فیلو اور پسند تھیں، ادھر ان کی شادی ہوئی، ادھر عالم رضوی اور نزہت بیگم کو اللہ کے گھر سے بلاوہ آ گیا اور وہ خوشی خوشی گھر اور کاروبار بہوؤں اور بیٹوں کے حوالے کر کے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے، وہ دونوں بڑے جوش اور جذبہ ایمانی کے ساتھ مناسک حج ادا کر رہے تھے، اس دن شیطان کو کنکریاں مارنی تھیں، دوسرے حجاج کرام کے ساتھ وہ لوگ بھی اس مقدس فریضہ کو ادا کرنے جذبہ ایمانی سے سرشار چلے تھے، پھر ایکدم جانے کیا ہوا، ہر طرف ہڑبونگ سی مچ گئی، شاید پل ٹوٹ گیا تھا، ہر طرف افراتفری کا عالم تھا اور اسی ہڑبونگ اور افراتفری میں بہت سے حجاج کرام پیروں تلے آ کر کچلے گئے، بہت سے زخمی ہوئے اور بہت سے شہید اور انہی شہدا میں نزہت بیگم بھی شامل تھیں، عالم رضوی صاحب سناٹے میں رہ گئے، طفیل رضوی، کفیل رضوی اور مدحت اظہر کی تو جیسے دنیا ہی اجڑ گئی، ان کی جنت حجاز مقدس میں ہی رہ گئی، کہ پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا۔

دوسری مرحومین کے ساتھ انہیں بھی وہیں دفنا دیا گیا، عالم صاحب افسردہ اور ملول سے واپس آ گئے، اب جا کر ان سب کی سمجھ میں آیا تھا کہ نزہت بیگم کو وہاں جانے کی اتنی بے تابی کیوں تھی، شاید ان کی اجل انہیں وہاں لے جا رہی تھی، تو وہ لوگ بھلا کیسے رکاوٹ بن سکتے تھے، بہت عرصے تک افسردہ رہنے کے بعد آخر کار وہ لوگ واپس زندگی کی طرف پلٹنے ہی لگے کہ جانے والوں کے ساتھ بھلا کون جا سکتا ہے، زندہ ہیں تو زندگی کے تقاضے بھی تو پورے کرنے ہی پڑتے ہیں اور پھر ان کی زندگیوں میں تو کھلنے والے

ننھے منے پھولوں نے رنگ بھی بھر دیئے تھے، ان سب کو واپس زندگی کی طرف کھینچ ہی لیا تھا آخر کار کفیل اور شگفتہ کے ہاں سمیرا اور مدحیت اور اظہر کے ہاں عمیر کی آمد نے رونق لگا دی تھی، رہ گئے طفیل رضوی اور آمنہ تو چند ماہ کے وقفے سے ان کے ہاں حنا نام کا پھول کھلا تھا، عالم رضوی اپنے پوتے، پوتی کی وجہ سے بہت حد تک بہل گئے تھے، ان کا زیادہ وقت اب گھر میں ہی گزرتا تھا، کبھی کبھار آفس کا چکر لگا آتے، باقی سارا وقت اپنے پودوں یا پھر سمیر اور حنا کو دیتے۔

☆☆☆

''حنان...... حنان کے بچے، سن رہے ہو کہ بہرے ہو گئے ہو؟'' وہ لان میں بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا، جب ثوبیہ اسے دور سے پکارتی تیز تیز چلتی اس کے سر پہ آن پہنچی تھی، گو کہ وہ اسے کن اکھیوں سے اپنی طرف آتے دیکھ چکا تھا، مگر جان بوجھ کر انجان بنا اپنے کام میں مگن رہا، جس کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ چڑ گئی۔

''حنان! تم نے اپنا پرامس پورا نہیں کیا، تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے نوٹس واپس کر دو گے، مگر دو دن گزر گئے، پھر بھی تم نے میری فائل واپس نہیں کی کیوں؟'' اب وہ غصے سے بھری اس کے سر پہ کھڑی برس رہی تھی۔

''اور اگر میں نہ دوں، تو؟'' آنکھوں میں شرارت بھرے اس کے جارحانہ انداز کو خاطر میں لائے بغیر بولا تو ثوبی کا رنگ مارے غصے کے دہکنے لگا۔

''تو...... تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی، یہ...... یہ جو تمہارا فیورٹ گملا ہے ناں، یہ ہی تمہارے سر میں دے ماروں گی، دیکھتی ہوں کیسے نہیں دیتے تم میری فائل۔'' وہ غصے میں بھری سچ مچ گملا اٹھانے کو جھکی تو حنان اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''باپ رے باپ، تم تو بالکل جنگلی بلی بنتی جا رہی ہو ثوبی، لڑاکا اور تحصیل، غصے میں قتل وتل ہی نہ کر بیٹھنا مجھے، قسم سے ثوبی مجھے تو خوف آنے لگا ہے تم سے۔'' وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا چند قدم دور ہٹ گیا اور پھر ایکدم پینترا بدلتے ہوئے بولا تھا۔

''دیکھیں سمیر بھائی! یہ ثوبی مجھے مار رہی ہے اور لڑائی بھی کر رہی ہے میرے ساتھ۔'' اب کے اس کا لہجہ اور انداز بالکل بدلا ہوا تھا، مسکین اور مظلوم سا جبکہ سمیر بھائی کا نام سنتے ہی ثوبیہ کے ہاتھوں کے طوطے، کبوتر، فاختائیں سب ایک ساتھ ہی اڑ گئے تھے، اس نے گھبرا کر اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا تو واقعی اس سے چند قدم کے فاصلے پر سمیر کھڑا اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''سم...... سمیر بھائی وہ حنان میرے نوٹس نہیں دے رہا، بلکہ الٹا مجھے......''

''یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا ثوبی؟ دن بدن زیادہ سے زیادہ ال منیرڈ ہوتی جا رہی ہو، ایسے بات کرتے ہیں بڑوں کے ساتھ؟ اور یہ ہی سیکھنے جاتی ہو تم کالج اور اکیڈمی۔'' سمیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا اور وہ جو سر جھکائے چپ چاپ اس کی ڈانٹ سن رہی تھی، حنان کے لئے بڑوں کا لفظ سن کر بے ساختہ اچھل پڑی۔

''مگر بھائی یہ...... یہ تو میرے ہی جتنا ہے، یہ کہاں سے بڑا ہو گیا؟ صرف دو دن کا ہی تو فرق ہے، اس کا اور میرا۔'' سمیر کی بات کاٹتے ہوئے وہ بے ساختہ بولی تو سمیر بھنا کر رہ گیا جبکہ حنان سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔

''اوفو ڈفر کی ڈفر ہی رہو گی تم، فرق چاہے

دو دن کا ہے یا دو گھنٹے کا، حنان تم سے بڑا ہے تو بڑا ہے بس اور اس کی عزت کرنا اس کا احترام کرنا تم پر ایسے ہی فرض ہے جیسے کہ تم میرا اور عمیر کا کرتی ہو، سمجھیں۔" سمیر نے غصے سے کہا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

"ثوبی! یہ لو اپنے نوٹس میں تو کل بھی گیا تھا تمہیں دینے، مگر تم گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہی تھیں اور مجھے مناسب نہیں لگا کہ تمہارے کمرے میں جاؤں، اسی لئے واپس لے آیا اور اب بھی میں تمہیں دینے ہی والا تھا کہ تم نے لڑنا ہی شروع کر دیا تو میں بے چارہ کیا کرتا بھلا؟" پوری مکاری اور چالاکی سے اسے ڈانٹ پڑوا کر اب جانے کہاں سے اس کی فائل برآمد کیے وہ ان کے سامنے کھڑا باتیں بھگار رہا تھا اور ثوبیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہ ہی فائل اٹھا کر اس کے سر پر ہی دے مارے۔

"اونہہ، دیکھ لوں گی تمہیں بھی۔" ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے فائل کھینچ کر پیر پٹختی وہ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔

آ جا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تو ہی تو میری دوست ہے

اور اس کے پیچھے حنان مسکرا کر گنگناتے ہوئے دوبارہ لیپ ٹاپ آن کر چکا تھا۔

☆☆☆

ان دنوں مدحت عمیر کے ساتھ پاکستان آئی ہوئی تھیں، ان کی اپنی بھابھیوں کے ساتھ بہت دوستی تھی، بھائیوں کی تو وہ شروع سے ہی بے حد لاڈلی تھیں، مگر بھابھیوں کے ساتھ بھی ان کے تعلقات بے حد مثالی تھے، آمنہ اور شگفتہ بھی اسے بالکل بہنوں کی طرح ہی سمجھتی تھیں اور آج کل تو ویسے بھی وہ سب آنے والی خوشیوں کے شدت سے منتظر تھے، تین سال کے بعد آمنہ اور شگفتہ پھر سے امید سے تھیں اور پھر جلد ہی آمنہ رضوی کی گود میں گل گوتھنا سا حنان رونق افروز ہوا، سب گھر والے بے حد خوش تھے، شگفتہ رضوی اپنی ناسازی طبع بھلائے، ننھے منے گول مٹول سے حنان کو گود میں بھرے بیٹھی تھیں، مدحت بھتیجے اور بھابھیوں کے صدقے اتارتی پھر رہی تھیں، عالم رضوی صاحب رب کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہے تھے، اس خوشخبری نے جہاں سب کو نہال کر ڈالا تھا، وہیں ایک بار پھر نزہت رضوی کی یاد سب کے دل میں چٹکیاں لینے لگی تھی۔

اور بعض اوقات بے پایاں خوشیاں بھی تو اپنے جلو میں اندوہناک غم لے آتی ہیں جن کی وجہ سے خوشی کا مفہوم ہی تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے، دو دن بعد صرف دو دن بعد ہی اسی ہسپتال میں اسی جگہ شگفتہ رضوی لیٹی تھیں، جہاں دو روز قبل آمنہ رضوی موجود تھیں، مگر پرسوں میں اور آج میں بہت فرق تھا، اتنا ہی بڑا فرق جتنا کہ دن اور رات میں، جتنا کہ شور و گہما گہمی اور سناٹوں میں ہے، جتنا زندگی اور موت میں ہے۔

آمنہ رضوی اسی ہاسپٹل سے جیتا جاگتا ہنستا کھیلتا بیٹا لے کر گئیں، مگر شگفتہ کے لئے کاتب تقدیر اور ہی فیصلہ کیے بیٹھا تھا، دوران ڈیلیوری ایکدم خطرناک حد تک بڑھ جانے والا بلڈ پریشر بہت سی پیچیدگیاں بڑھتا چلا گیا، جس کی وجہ سے بچی کی پیدائش کے فوراً بعد شگفتہ کومے میں چلی گئیں، ڈاکٹرز کی بے حد کوششوں کے باوجود چند گھنٹوں کے اندر اندر ہی ان سب کو داغ مفارقت دے گئیں، ان کی موت کی اطلاع جیسے ہی عالم ولا میں پہنچی ہر طرف کہرام مچ گیا، دو دن سے جس گھر میں خوشی بھرا ماحول بنا ہوا تھا، جہاں قہقہے گونج رہے تھے وہاں ایکدم سے ماتم کی فضا پھیل گئی، گھٹی گھٹی سسکیوں اور رونے کی آوازوں

نے ماحول بوجھل اور سوگوار کر دیا تھا، سمیر سے تو ماں کی گود چھنی ہی تھی، غریب ثوبیہ بھی دنیا میں آتے ہی اس کی گرمائش اور محبت سے محروم ہوگئی، عالم رضوی صاحب کے لئے لاڈلے بیٹے کے یوں اجڑ جانے کا غم بہت بڑا تھا، ابھی تو ان کے دل کے تار اپنی بیگم کی جدائی کے غم سے یہ لرز رہے تھے کہ بیٹے کی محبوب بیوی بھی اسے چھوڑ اگلے جہاں سدھاری، وہ ایکدم خاموش اور نڈھال دکھائی دینے لگے، مدحت جو بھائیوں، بھابھیوں کی خوشیاں دوبالا ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھیں، ایکدم ششدر رہ گئیں، شگفتہ کے بوڑھے والدین جو اکلوتی بیٹی کی طرف سے ملنے والی خوشخبری کے منتظر تھے، یہ المناک خبر سن کر ڈھے ہی گئے، ان کی دنیا تو صحیح معنوں میں اجڑی تھی، ایک شگفتہ ہی تو تھی، ان کے جینے کا سہارا اب وہ بھی نہ رہیں، ان کی حالت تو دیکھی ہی نہ جاتی تھی مگر پھر سمیر اور ثوبیہ کو دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے۔

اور سنبھلنا تو آمنہ کو بھی بہت جلد پڑا تھا کہ اب اس کے سر پہ صرف حنا اور حنان کی ہی نہیں سمیر اور ثوبیہ کی بھی ذمہ داری تھی، انہوں نے اس ذمہ داری کو بڑا احسن و خوبی سنبھال لیا تھا اور ان کی یہ کوشش آہستہ آہستہ سب کو غموں کے طوفان سے باہر کھینچ ہی لائی تھی، پھر وقت کیسے گزرا، کسی نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی، وہ سارے بچے آمنہ کی محبت بھری گود میں پل بڑھ رہے تھے، شکیل رضوی نے سب کے اصرار کے باوجود شگفتہ کی جگہ کسی کو بھی دینے سے صاف انکار کر دیا تھا، ان کا اب زیادہ تر وقت بزنس میں گزرتا تھا یا پھر ابا جان کے ساتھ۔

☆☆☆

حنا اپنی تعلیم مکمل کر چکی تھی اور آج کل آمنہ سے گھر داری کے طریقے سیکھ رہی تھی جبکہ حنان اور ثوبیہ بی کام پارٹ ٹو کے اسٹوڈنٹ تھے، ایک ہی کالج اور اکیڈمی جاتے تھے، سمیر اپنی تعلیم مکمل کرکے ابو اور چچا کے ساتھ بزنس جوائن کر چکا تھا اس کی اور حنان کی دوستی بھی بہت تھی اور محبت بھی بے شمار تھی، مگر مزاج دونوں کے یکسر جدا تھے، حنان جتنا شوخ چلبلا اور ہنس مکھ تھا، سمیر اتنا ہی سنجیدہ ریزرو اور کم گو تھا، مگر اس کے باوجود دونوں میں بہت اچھی بنتی تھی اور پھر جب عمیر اور عمر آ جاتے تو ان کی محفل رات رات بھر جاری رہتی تھی، یہ ہی حال حنا ثوبیہ اور ثنا کا تھا، ان تینوں کی موجودگی میں انہیں کبھی کسی چوتھے ساتھی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی، ہاں جب حنا اور ثنا کی خالہ زاد مشی اور نوشی کراچی سے آ جاتیں تو پھر خوب ہلا گلہ رہتا۔

☆☆☆

''ثوبی آپی! آپ کو پتا ہے اس بار چھٹیوں میں ہمیں بہت مزہ آنے والا ہے ہائے، میں تو ابھی سے ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔'' ثنا نے اس کے پاس دھپ سے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ جو ڈائجسٹ میں منہ دیئے اپنے فیورٹ ناول کی آخری قسط پڑھنے میں گم تھی، اچھل ہی پڑی۔

''کیا...... کیا مطلب؟ تم لوگ کہیں جا رہے ہو چھٹیوں میں، خالہ کے گھر یا پھر ماموں کی طرف۔'' ثوبی نے اس کے دمکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اوہوں، نہ ماموں کی طرف نہ خالہ کے گھر، بلکہ ہمارے گھر مہمان آ رہے ہیں، بھلا بوجھیں تو کون آ رہا ہے؟'' ثنا نے حسب عادت کھسوٹی کھسوٹی کھیلنا شروع کر دی تو ثوبی کے ساتھ ساتھ حنا بھی جھلا گئی۔

''کیا ہے ثنا! سیدھی طرح بتاؤ کون آ رہا

ہے، ورنہ میں امی سے پوچھ لوں گی جا کر، تم اپنا یہ کوزہ شو اپنے پاس ہی رکھو۔" حنا نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا تو ثنا نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اگلے ہفتے ابوظہبی سے پھپھو جانی آرہی ہیں، عمیر بھائی اور عمر بھائی کے ساتھ اور ان کے دو دن کے بعد خالہ جانی مشی آپی اور نوشی آرہی ہیں کراچی سے، اب بتائیں آگے گا مزہ کہ نہیں ان چھٹیوں میں۔" پوری تفصیل ان کے گوش گزار کرنے کے بعد اس نے فخریہ انداز سے ان کی طرف دیکھا تو وہ بھی خوش ہو گئیں۔

"ہاں، پھر تو واقعی بہت مزہ آنے والا ہے، خوب گھومیں گے، سیریں کریں گے مزہ آئے گا یار۔" ثوبیہ کی ابھی سے انجانی خوشی ہو رہی تھی، ان سب کو پھپھو سے بے حد محبت تھی، آخر کو اکلوتی پھپھو تھیں وہ ان کی، مگر حنا کی آنکھوں میں جانے کیوں جگنو سے بھر گئے تھے اور ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکان ٹھہر گئی تھی۔

☆☆☆

"اللہ! ابا جی، یہ سارے بچے کتنے بڑے ہو گئے ہیں اور کتنے حسین بھی۔" مدحت پھپھو بار بار سب کو باری باری گلے سے لگا لیتیں، چومتی پیار کرتیں اور پھر ہر بار ایسے ہی جملے بولتی ہوئی پائی جاتیں، جنہیں سن کر وہ سب محظوظ ہو رہے تھے، اصل میں پھپھو کا اس بار چکر پورے پانچ سال کے بعد لگا تھا، کچھ ناگزیر وجوہات کی وجہ سے وہ ہر سال آتے آتے رہ جاتیں اور شاید اس بار پھر ایسا ہی کچھ ہو جاتا کہ ان کی سسرال میں چند اہم تقریبات متوقع تھیں، جن کی وجہ سے وہ ڈانواڈول ہو رہی تھی، مگر بھلا ہو دادا جی کا جنہوں نے انہیں اور پھوپھا جان کو جانے کا کہا تھا کہ وہ فوراً دوڑی چلی آئی تھیں اور جلد ہی پھوپھا جان کی آمد بھی متوقع تھی اور کچھ یہی حال خالہ جانی کا بھی تھا۔

شگفتہ رضوی تو تھیں ہی اکلوتی اور ان کے بعد ان کے والدین بھی زیادہ عرصہ حیات نہیں رہے تھے، جبکہ آمنہ رضوی بھی میکے کے نام پر صرف ایک بہن اور بھائی ہی رکھتی تھیں، اسماء خالہ کراچی اور توقیر ماموں اسلام آباد رہائش پذیر تھے اور مشترکہ طور پر سب بچوں کے ماموں جان اور خالہ جانی تھے، کیونکہ آمنہ کی طرح انہوں نے بھی کبھی بچوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا تھا اور اب پانچ سال بعد جہاں مدحت جوان اور خوبرو بھتیجوں کو دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں، وہیں نازک حسین بھتیجیوں کے بھی واری صدقے جا رہی تھیں اور پھر جیسے ہی مشی اور نوشی کی آمد ہوئی ان کا کورم پورا ہو گیا، روزانہ ہی کہیں نہ کہیں سیر سپاٹوں کے پروگرامز بننے لگے، ایک طرف تمام بڑے دادا ابو کے کمرے میں بیٹھے پرانے قصے دہراتے نہیں تھکتے تھے تو دوسری طرف وہ لوگ علیحدہ علیحدہ تو کبھی مشترکہ ٹولہ بنائے باتوں اور شرارتوں میں مصروف نظر آتے۔

☆☆☆

جس طرح ہر پھول کی خوشبو اور رنگ جدا ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں کی فطرت عادات اور خصائل بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور اسی تنوع میں حسن ہے، خوبصورتی ہے کشش ہے، ان تمام بچوں کی عادات اور مزاج بھلے ہی الگ الگ تھے، مگر کشش اور محبت سب میں ایک جیسی ہی تھی۔

سمیر اور عمیر ہم عمر اور ہم مزاج تھے، تھوڑے سنجیدہ تھوڑے کم گو اور بہت زیادہ حساس، ذمہ دار، جبکہ ان کے برعکس حنان اور عمر ایک دوسرے کی کاپی لگتے تھے، چلبلے، شرارتی بظاہر لاپرواہ نظر

آنے والے لگر درحقیقت بہت محبت کرنے والے نرم دل اور زندہ دل نوجوان، ادھر لڑکیوں میں حنا اور مشی بھی ہم عمر ہی تھیں اور بہت محبت کرنے والی فرمانبردار بیٹیاں، ذہین، سگھڑ سلیقہ مند اور شرمیلی سی، ثنا اور نوشی کا بھی حنان اور عمر والا ہی حال تھا، ہم عمر ہم مزاج اپنی عمر کے عین مطابق معصومیت شرارت اور لاپرواہی کا حسین امتزاج اور رہ گئی ثوبی تو اس کا مزاج سب سے جدا تھا، دھوپ چھاؤں جیسی اس لڑکی کی عادتیں بھی اس کے جیسی ہی تھیں، موڈی، معصوم، حساس، ذہین اور شرارتی، اس کے مزاج میں سارے رنگ ایک کے بعد ایک جھلکتے تھے اور مزاج کے تمام رنگوں اور ان رنگوں کے تمام شیڈز کے ساتھ وہ سب کو بے حد عزیز تھی۔

حنان اس کا ہم عمر بھی تھا اور اس کا سایہ بھی، بہت چھوٹی عمر میں جب وہ دونوں پہلی بار اسکول جا رہے تھے تو دادا ابو، امی اور چاچو نے باری باری اسے علیحدہ علیحدہ سمجھایا تھا کہ گھر کے باہر ثوبی کا خیال صرف اور صرف اسے ہی کھلنا ہے، اسکول میں اس کا سایہ بن کر رہنا ہے اور اسے رونے تو بالکل بھی نہیں دینا، کیونکہ وہ ثوبی سے بڑا ہے اور یہ بڑوں کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ چھوٹوں کا خیال رکھیں اور اسی ذمہ داری کو نبھاتے نبھاتے وہ جانے کب شعوری اور لاشعوری طور پر خود بخود اس کا بیسٹ فرینڈ بنتا چلا گیا، جس سے ثوبی لڑتی بھی بے شمار تھی، مگر اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی، جس کی ہر تان، حنان پر ہی آکر ٹوٹتی تھی اور پھر اس سے جڑ بھی جاتی تھی، جانے کیوں؟ مگر یہ تو طے تھا کہ نہ تو ثوبیہ کا اس کے بغیر گزارا ہوتا تھا اور نہ ہی حنان اسے چڑائے بغیر رہ سکتا تھا، ان کی یہ کھٹی میٹھی لڑائیاں ہی عالم ولا کی اصل رونق تھیں۔

☆☆☆

''ابا جی! آپ کو پورا یقین ہے کہ جس طرح آپ سوچ رہے ہیں، بالکل ویسا ہی ہے، میرا مطلب یہ کہ اس طرح کرنا، کیا مناسب رہے گا؟'' طفیل رضوی دادا ابو کی پوری بات غور سے سننے کے بعد بھی تذبذب کا شکار نظر آ رہے تھے، جب کہ باقی سب کو ان کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض تھا ہی نہیں۔

''ہاں بیٹا! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، میں نے دنیا دیکھی ہے یار، میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا اور پھر میں نے ابھی کسی پر کوئی فیصلہ تھوڑی صادر کیا ہے، ابھی تو تجویز پیش کی ہے، تم لوگ خوب اچھی طرح سوچ لو، آگے جو اللہ کو منظور۔''

''بھائی جان! میرے خیال میں ابا جان بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آپ پریشان مت ہوں سب اللہ پر چھوڑ دیں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' مدحت پھپھو نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ بھی مطمئن ہو گئے، یوں اس بند کمرے میں کافی روز سے منعقد کی جانے والی خفیہ کانفرنس کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے قریب قریب ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

''دادا ابو! کل ہم نے شاہی قلعے کا پروگرام بنایا ہے اور اب کی بار آپ کا کوئی بہانہ نہیں چلے گا، آپ کو ہمارے ساتھ پکنک پر چلنا ہی ہو گا بس، کہہ دیا ہے ہم نے۔'' وہ ساری بچہ پارٹی اس وقت دادا ابو کے سر ہوئے بیٹھے تھے، جو خود بھی گھومنے پھرنے کے بے حد شوقین تھے، مگر اس بار جانے کیا ہوا تھا کہ خود تو وہ عین وقت پر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر رک ہی جاتے تھے، ساتھ ساتھ ساری امیوں اور ابوؤں کو بھی روکنے میں کامیاب ہو جاتے تھے، مگر اب کی بار ان کا پورا پورا ارادہ

سب کو ساتھ لے جانے کا ہی تھا، وہ کسی بھی طرح کا کمپرومائز کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں لگ رہے تھے۔

''اچھا بھئی! جیسے تم لوگوں کی مرضی، جہاں لے جاؤ گے چل پڑیں گے ساتھ تمہارے۔'' دادا ابو نے احسان جتانے والے انداز میں کہا تو ان کی شرارت کو سمجھتے ہوئے سب بے ساختہ ہنس دیئے تھے۔

☆☆☆

مشی کو تاریخ اور تاریخی مقامات سے بے پناہ لگاؤ تھا اور وہ جب بھی لاہور آتی یہاں کی تمام تاریخی جگہوں پر بڑے ذوق و شوق سے جاتی، کئی کئی بار کی دیکھی ہوئی جگہوں کو وہ ہر بار ایسے دیکھتی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو، گم صم سی، کھوئی کھوئی سی، یہاں سے وہاں چکراتی پھرتی اور اس وقت بھی گلابی اور آسمانی کلیوں والے فراک چوڑی پائجامے اور بڑے سے دوپٹے میں ملبوس شیش محل کی دیواروں کو ہولے ہولے چھو کر محسوس کر رہی تھی، جگہ جگہ سے اکھڑے پلستر اور ٹوٹے شیشوں کی جگہ، وہ تصور ہی تصور میں وہی پرانا شاہی دور کا شیش محل دیکھ رہی تھی، جگر جگر کرتے آئینے، دبیز قالین، خوبصورت محرابیں مضبوط منقش دروازے اور حسین ترین شہزادیاں اور طرح دار کنیزیں۔

''کیسی قوم ہے ہماری، ہم اپنے تاریخی ورثے کی قدر نہیں کرتے، جو قومیں اپنے تابناک ماضی کو فراموش کر دیتی ہیں، اپنے نوادرات اپنے نورتنوں کی حفاظت نہیں کر پاتیں، اپنے تاریخی ورثے کو نہیں سنبھال سکتیں، ان کا حال اور مستقبل ایسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اس وقت ہمارا ہے، افسوس صد افسوس کہ کسی دل میں نہ درد رہا اور نہ ہی احساس زیاں۔'' مشی خیالوں ہی خیالوں میں جانے کہاں پہنچی ہوئی تھی کہ اپنے نزدیک سے ابھرنے والی صدمے اور غصے کی ملی جلی کیفیت والی آواز سن کر حال میں لوٹ آئی، سمیر اس کے قریب کھڑا ٹوٹے فرش، گندی دیواروں اور شیشوں سے خالی چھتوں کو دیکھتا نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے قومی ورثے کی حفاظت نہیں کرتے، دیکھیں ابھی بھی یہاں کنسٹرکشن کا کام ہو رہا ہے، رینوویشن بھی ہو رہی ہے اور محکمہ آثار قدیمہ والے بھی کچھ نہ کچھ تو بہر حال کر ہی رہے ہوتے ہیں، پھر آپ اتنے مایوس کیوں ہو رہے ہیں بھلا۔'' اپنی ازلی نرمی سے کہتی وہ بالکل اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہونگی، مگر ہماری قوم کے سپوتوں کو کیا کہیں گی آپ جو اپنی ناکام محبتوں کی داستانیں ان بے جان دیواروں کے سینے پر کھود جاتے ہیں یہ فون نمبرز، یہ لیلاؤں اور مجنوؤں کے نام تھرڈ کلاس عاشقوں کے گھٹیا پیغامات، یہ کیا ہے؟ یہ محکمہ آثار قدیمہ والوں کو نظر نہیں آتا کیا؟ یہ جگہ جگہ لگے کوڑے کے انبار، یہ ٹوٹی پھوٹی ٹائلیں اور بکھرا ہوا کنسٹرکشن میٹریل، جب بھی آؤ، جتنے سال بعد بھی آؤ، ویسے کا ویسا ہی نظر آتا ہے، بہت افسوس ہوتا ہے مشی، مجھے بے حد افسوس ہوتا ہے یہ سب دیکھ کر، تاریخ کے اوراق ہمیں کن ناموں سے یاد رکھیں گے معلوم نہیں، راجہ رنجیت سنگھ نے اگر یہاں تباہی پھیلائی تھی تو کم ہم بھی نہیں کر رہے، ڈر لگتا ہے مجھے مشی کہ کل کو جب ہماری آئندہ نسل مغلیہ آرٹ کے حسین فن پارے، یہ تاریخی عمارات دیکھنا چاہیں گے تو کہاں جائیں گے، کن کھنڈرات سے سر پھوڑیں گے، کون سی ویب سائٹ کھولیں، کون سی

کتابوں کے اوراق میں ملے گی انہیں اپنی پرشکوہ تاریخ۔" سمیر کا ملال کسی طور کم ہونے میں نہ آرہا تھا۔

"دیکھیں سمیر! جس طرح سب کے دو رخ ہوتے ہیں اور تصویر کے دو پہلو، اسی طرح غلط اور صحیح ساتھ ساتھ ہی چل رہا ہوتا ہے، ضرورت ہے تو اپنے خیالات کو درست نہج پر چلانے کی، ضرورت ہے صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی اور آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، یہ تاریخی ورثہ ہمارے پاس تاریخ کی امانت ہے، مغلیہ آرٹ کے جو نادر نایاب نمونے قدرت کی مہربانی سے ہمارے حصے میں آئے ہیں، ہم اپنی عاقبت نااندیشی اور مجرمانہ غفلت اور بے حسی کے باعث انہیں ختم کرتے جا رہے ہیں، مگر میرے خیال میں ابھی بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس ورثے کو اس عظیم دولت کو دل و جان سے لگائے رکھنے کی چاہ میں ہی زندہ ہیں، مغربی دنیا اور دنیا بھر کے سیاحوں کے لئے جو جگہیں کشش کا باعث ہیں، وہ انہیں دنیا کے سامنے خوبصورتی سے پورٹریٹ کرنے کے فن میں ماہر ہیں۔" سمیر نافہم تاثرات لئے حیرانگی کے ساتھ اس کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے ایسے تاثرات دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"آپ کو یقین نہیں آرہا ناں، مگر میں ایسی کئی جگہوں کے بارے میں جانتی ہوں اور آپ کو بھی دکھا سکتی ہوں، آیئے میرے ساتھ۔" کہتے ہوئے وہ ان کمروں اور بھول بھلیوں میں چلنے لگی، سمیر خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا، کئی موڑ مڑتے اور کئی غلام گردشیں پار کرنے کے بعد وہ دونوں جس جگہ پہنچے، وہ اس پہلے والی جگہ سے اس قدر مختلف تھی کہ سمیر کو ایک بار پھر حیرت کا شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا، اسے یوں لگا جیسے وہ واقعی صدیوں پہلے کے مغلیہ دور میں آ کھڑا ہوا ہو، خوبصورت چھوٹی چھوٹی ٹائلوں میں مزین دیواریں، جگر جگر کرتے رنگ برنگے شیشوں اور مینا کاری سے سجی چھتیں، فرش پر بچھے خوبصورت سرخ دبیز قالین، ایک طرف شاہی تخت کے انداز میں سجایا گیا اسٹیج اور سامنے دو رویہ خوبصورت اونچی پشت والی آرام دہ سرخ اور سنہری کرسیاں، بے حد دل نشین محرابیں اور قیمتی منقش بھاری آبنوسی دروازے، وہ سارے کا سارا ماحول بھی بے حد خوابناک اور پرفسوں لگ رہا تھا۔

"یہ ہے وہ تصویر کا دوسرا رخ، جس سے عوام عموماً ناآشنا ہی رہتی ہے، یہ محل کا وہ حصہ ہے جہاں مہمان صدر و وزرا سفارت کار اور اہم شخصیات کے اعزاز میں ظہرانے عصرانے اور عشائیے دیے جاتے ہیں، یہ ہے مغلیہ آرٹ اور ہمارے قومی ورثے کا وہ رخ جو عالمی میڈیا کو دکھایا جاتا ہے، یہ اور اس کے بہت سے گوشے ہر تاریخی ورثہ کی حامل عمارتوں میں لازماً ہوتے ہیں، جسے ہم سجا سنوار کر اس قابل بنا لیتے ہیں کہ اقوام عالم کے سامنے شرمندگی سے بچ سکیں، ہم دنیا کو اپنا صرف وہ چہرہ ہی دکھاتے ہیں جو سجا سنورا ہے۔" سمیر ابھی تک ایک ٹرانس کے عالم میں اس سارے سیٹ اپ کو دیکھے بنا رہا تھا کہ مشی کی اگلی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اور وہ دیکھیں سمیر! وہ گارڈن یا باغیچہ، جانتے ہیں اس احاطے کی گھاس کہاں سے منگوائی گئی ہے، سوئٹزر لینڈ سے، یہ لش گرین گھاس، یہ خوش رنگ خوشبودار پھول پودے، سب امپورٹیڈ ہیں، یہ باغیچہ محل کا وہ حصہ ہے جہاں ان معزز شخصیات کے اعزاز میں محفل موسیقی، غزل نائٹ، محفل مشاعرہ اور اسی طرح کی دوسری تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے، اب آپ ہی بتائیں بھلا محکمہ آثار قدیمہ والے کچھ نہ کچھ تو

بہر حال کر ہی رہے ہیں ناں ہاتھ پر ہاتھ رکھ تو بیٹھے نہیں ہیں۔" مشی کی اتنی مکمل انفارمیشن اور نالج نے اسے واقعی بڑا متاثر کیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں مشی، آپ یہ سب کیسے جانتی ہیں، مطلب، میں لاہور میں رہتا ہوں اور اتنا کچھ نہیں جانتا اور آپ کراچی میں رہتے ہوئے اتنی باخبر ہیں، کیسے؟" واپس آتے ہوئے سمیر نے بالآخر وہ سوال پوچھ ہی ڈالے جو اسکے ذہن میں کب سے گھوم رہے تھے۔

"سیدھی سی بات ہے سمیر، یہ میرا سبجیکٹ بھی تھا اور شوق بھی ہے، میں بھی آپ کی طرح بے حد مایوس تھی، مگر پھر شوق میں تحقیق کی تو سب علم ہوتا چلا گیا، ویسے بھی یونیورسٹی میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سر عبدالحق نے اس سلسلے میں میری بے حد مدد کی۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے باتیں کرتے ہوئے اپنے اہل خانہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے، یہ دیکھے بغیر کہ کئی آنکھیں انہیں یوں ساتھ دیکھ کر چمکی تھیں اور کئی لب بے ساختہ مسکرائے تھے۔

☆☆☆

دادا ابو کے کمرے کے بند دروازوں کے پیچھے پھر خفیہ کانفرنس جاری تھی، جس میں پھوپھا جان اور خالو جان بھی بنفس نفیس موجود تھے، وہ لوگ کل رات ہی عالم ولا پہنچے تھے اور اب دادا جان کے روبرو بیٹھے آئندہ کے لئے لائحہ عمل کر رہے تھے اور تو اور طفیل چاچو کے لیپ ٹاپ پر تو تیمر ماموں اور عطیہ ممانی بھی آن لائن تھے اور اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے ان سب کو ساتھ ساتھ نوازتے جا رہے تھے۔

کوئی اور وقت ہوتا تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ثنا اور نوشی اس بند کمرے کے اندر ہونے والی میٹنگ کے راز جاننے کی کوشش نہ کرتیں، بلکہ عین ممکن تھا کہ وہ مشہور نیوز چینلز اور ماہر جاسوسوں کی طرح "اندر کی اسٹوری" باہر نکال ہی لاتیں، مگر ابھی واقعی ان کا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا کیونکہ لاؤنج میں جو مسئلہ کھڑا ہو چکا تھا وہ ان کے لئے زیادہ اہم تھا۔

"کیا ہے یار، یہ ہی تو موسم ہے نادرن ایریاز جانے کا، گھومنے پھرنے اور خوب خوب انجوائے کرنے کا اور آپ لوگ اتنے بور ہو کے سردی سے ڈر کر بستروں میں گھسے بیٹھے ہیں، حد ہو گئی یار ہاہ۔" حنان اور عمر ہر ممکن طور پر ان چھٹیوں کا لمحہ لمحہ انجوائے کرنے کے موڈ میں تھے، مگر کیا کرتے ان جوانوں کا جو "تپتے صحراؤں" کے باسی ہونے کی وجہ سے لاہور کی سردی سے کانپے چلے جا رہے تھے، تو پھر وہ بھلا نادرن ایریاز کیسے جاتے، مگر دوسری طرف ووٹ زیادہ تھے، عمیر کا ساتھ دینے کے لئے اکا دکا ساتھی ہی تھے۔

"تو اور کیا، ایسا زبردست موسم اور ایسی سولڈ سردی تو کئی سالوں کے بعد پڑی ہے، سنا ہے پچاس سالہ ریکارڈ ٹوٹ گیا ہے اس بار ٹھنڈ کا اور آپ ہیں کہ سنو فال دیکھنے کی بجائے ان دیواروں کو دیکھنا پسند کر رہے ہیں، زیادتی ہے عمیر بھائی، زبردست زیادتی ہے۔" تو بیہ ثنا اور خوشی بھی ان کو قائل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔

"یہ ہی تو میں کہہ رہا ہوں، سمجھنے کی کوشش کرو ناں تم لوگ، پچاس سالہ ریکارڈ توڑنے والی سردی تو ادھر ہی لوگوں میں خون جما رہی ہے، منفی درجہ حرارت تو لاہور کا ہو رہا ہے اس بار، تو تم لوگ کیوں اپنی قلفیاں جمانے کے ارادے سے وہاں جانا چاہتے ہو۔" عمیر کا متامل اور کمزور سا احتجاج اب بھی جاری تھا۔

''ہاں تو بھائی، یہ بھی تو دیکھیں ناں کہ ہم سب کتنے عرصے کے بعد اکٹھے ہوئے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی جانے قسمت کب ایسا موقع فراہم کرے کہ......''

''ہیں...... ہیں ایسا کیوں کہہ رہے ہو تم، اللہ خیر کرے ہم ہر سال ایسے ہی اکٹھے ہوتے رہیں گے انشاء اللہ۔'' عمر کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے سمیر نے دہل کر کہا۔

''او بڑے بھائی ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں، دیکھیں ناں جلد ہی حنا آپی اور مشی آپی آپ کی اور بھائی کی شادیاں ہو جائیں گی، پھر یہ لوگ کہاں کہاں جا بسیں اور آپ کی بیگمات جانے آپ کو کہاں کہاں اڑا لے جائیں تو پھر آپ ہی بتائیں کہ میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔'' عمر نے آئندہ آنے والی صورت حال کا نقشہ کچھ اس انداز، بلکہ دلروز انداز میں کھینچا کہ سب کے چھت پھاڑ قہقہے سے لاؤنج گونج اٹھا، جبکہ یوں سب کے درمیان اپنی شادی کے ذکر سے حنا اور مشی بے اختیار شرما گئیں۔

☆☆☆

آ جا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تو ہی تو میری دوست ہے

برف سے ڈھکی مالا روڈ پر ان کے پیچھے پیچھے چلتے حنان نے پھر سے اپنا فیورٹ گانا گنگنانا شروع کر دیا، جس پر ثوبیہ نے ایکدم اسے گھورنا شروع کر دیا تھا۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، اب اس سے زیادہ اور اوپر کہاں لے جاؤ گے، بے چاری غریب کو اور کون سی ہواؤں میں اڑانا چاہتے ہو اپنی نادیدہ دوست کو، بتانا پسند کرو گے۔'' دونوں ہاتھوں کو کمر پر ٹکائے وہ اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہی تھی، جبکہ اس کے انداز پر سب نے بے ساختہ رک کر انہیں دیکھنے لگے۔

آ جا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تو ہی تو میری دوست ہے

سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے جھکتے ہوئے حنان نے شرارت بھرے انداز سے کہا تو سب بے ساختہ ہنس دیئے، جبکہ ثوبیہ مصنوعی غصے سے پیر پٹختی پھپھو اور خالہ جانی کی طرف بھاگ گئی، ابھی کل ہی تو وہ لوگ مدحت پھپھو، پھوپھا جان اسماء خالہ اور خالو جان کی معیت میں مری آئے تھے، بے حد حسین موسم اور بے حد حسین نظارے نے انہیں روح تک سرشار کر دیا تھا، ہر سو برف کی سفید چادر تنی تھی، سرو قد، درخت برف کا لبادہ اوڑھے بڑی شان سے سر اٹھائے بادلوں سے سرگوشیاں کرنے میں مصروف نظر آتے تھے، اونچے اونچے پہاڑ اور ان پہاڑوں کے دامن میں بنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ہٹس، سب کے سب سفیدی کی ردا اوڑھے ایک عجیب اور حسین نظارہ پیش کر رہے تھے، وہ سب بچوں کی طرح اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے، برف کے گولے بنا بنا کر ایک دوسرے کو مارے جا رہے تھے اور کہیں برف پر پھلنے کے مقابلے ہو رہے تھے اور تو اور سنو مین بنانے کے مقابلے میں خالو جان اور پھوپھا جان نے ان بچوں کو بھی مات کر ڈالا تھا، موسم کی شدت بھی انہیں ریسٹ ہاؤس میں ٹکنے پر مجبور نہیں کر پا رہی تھی اور اب تو عمیر کو بھی افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایسے ہی آنے سے منع کرتا رہا سب کو، اسے بھی یہ موسم، یہ دلکش نظارے مسحور کر رہے تھے اور پھر جب وہ لوگ وادی نیلم پہنچے تو وہاں بکھرے قدرتی حسن نے جیسے سب کو باندھ کر رکھ دیا۔

دو ہفتے بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے کے بعد آخر کار وہ لوگ واپسی کے سفر پر نکلے، گو

کہ ان کا ابھی بھی کچھ خاص موڈ نہیں ہو رہا تھا، واپسی کا، مگر پھر وہی دادا جان کا فون، جانے کیا کہا تھا انہوں نے پھوپھا جان اور خالو جان سے کہ وہ لوگ فوراً روانگی کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے، ان کی کوسٹر تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں تھی اور وہ لوگ ہم آزاد ہو کر گانے گاتے، شرارتیں کرتے اس سفر کو بھی انجوائے کر رہے تھے کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

''کیا ہوا لالہ! گاڑی کیوں روک دیا۔'' وہ سب چلانے لگے۔

''آگے راستہ بند ہے بابا، لینڈ سلائیڈنگ کا وجہ سے روڈ بلاک ہو گیا ہے، اب ہم کچھ نہیں کر سکتی، راستہ کلیئر ہو گی تو گاڑی آگے چلے گا۔'' ڈرائیور خان لالہ نے دانت نکوستے ہوئے انہیں اطلاع بہم پہنچائی تو وہ سب ''اوہ نو'' کہتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر ہو گئے، اب نہ وہ آگے جا سکتے تھے اور نہ ہی پیچھے، کیونکہ ان کے پیچھے بھی گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگنا شروع ہو چکی تھیں اور آگے تو پہلے سے لائن لگی ہوئی تھی۔

''پھپھو جانی ایسے ہی واپس آئے ہم آج، ایک دو روز اور رہ جاتے وہیں کتنا مزہ آ رہا تھا ناں، اب یوں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے جانے کتنا وقت گزارنا پڑے۔'' نوشی نے بڑی معصوم انداز میں پھپھو سے کہا تو سب تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے۔

''چلو بھئی جوانو! تم کیا لڑکیوں کی طرح نازک اندام بنے بیٹھے ہو، باہر نکلو اور جائزہ وائزہ لے کر آؤ آگے جا کر، اس طرح گاڑی کے اندر بیٹھے رہنے سے کیا ہو گا بھلا۔'' پھوپھا جان نے کہا تو وہ آگے پیچھے چلتے، ایک دوسرے کو سنبھالتے سڑک کے کنارے پڑے برف کے ڈھیر پر پھسلتے آگے کی طرف روانہ ہوئے، انہیں اس طرح سے بلاک حصے کی طرف جاتے دیکھ کر اور بھی گاڑیوں سے لوگ باہر نکل آئے اور پھر ریسکیو کی ٹیموں کے وہاں پہنچنے تک وہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت کافی راستہ کلیئر کر چکے تھے، پھر ریسکیو والوں نے آ کر جلد ہی سڑک صاف کر دی اور راستہ کھلنے پر کلمہ شکر ادا کرتے ہوئے سب اپنی اپنی راہ ہو لئے۔

☆☆☆

جب سے وہ لوگ نادرن ایریاز سے واپس آئے تھے ایک ہلچل سی سارے گھر میں مچی ہوئی تھی، ایک تو ان کے آنے سے پہلے ہی ان کے لئے تیار کیے گئے سرپرائز جوان سب بڑوں کی ملی بھگت کی وجہ سے وقوع پذیر ہونے جا رہے تھے اور پھر اس پر اپنے استقبال کے لئے پہلے سے موجود توقیر ماموں، عطیہ ممانی، سفیر بھائی، عشنا بھابھی بمعہ ان کے چنوں منوں کی موجودگی، وہ سب انہیں اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے تھے۔

''امی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا، آپ تو سب جانتی ہیں ناں، پھر بھی۔'' حنان کو جب سے دادا جان کے ارادوں کی خبر ہوئی تھی، اس کے دل کو جیسے پنکھے سے لگ گئے تھے اور اب جب بھی دیکھو، وہ کبھی امی تو کبھی پھپھو جانی کا آنچل تھامے آگے پیچھے منمناتا پھرتا نظر آتا، مگر وہاں پروا کس کو تھی، اس کی سو باتوں کا ایک ہی جواب ملتا۔

''بھئی ہم کیا کر سکتے ہیں، ہیڈ آف دا فیملی تو ابا جان ہیں اور ہم ان کے کسی بھی فیصلے سے روگردانی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے، لہٰذا تمہیں جو بھی کہنا ہے، اپنے دادا جان سے کہو ڈائریکٹ جا کر۔'' دوسرے لفظوں میں ''ہماری جان چھوڑو۔''

☆☆☆

''دادا جان! آپ اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتے؟ کیا میں آپ کا پوتا نہیں ہوں، یا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔'' دادا جان تہجد کے لیئے اٹھے تو اپنے بیڈ کے نزدیک سر جھکائے نڈھال سے بیٹھے حنان کو دیکھ کر ان کے دل پر گھونسہ سا پڑا تھا، وہ بلا شبہ ان کا بے حد لاڈلا اور چلبلا پوتا تھا، سارے عالم ولا کی رونق اور جان تھا وہ، مگر اس وقت خود بے جان سا ہوا بیٹھا تھا، ملگجے بکھرے حلیے میں، ہلکی بڑھی شیو، بکھرے بال، حزن وملال سے سجا چہرہ، وہ تو بڑا ٹنگ سک سے ریڈی رہنے والا بندہ تھا اور اس وقت اس حالت میں اسے دیکھ کر دادا جان پورے کے پورے ہل گئے تھے۔

''حنان! بچے کیا ہوا؟ اس وقت اس طرح یہاں کیوں بیٹھے ہو بیٹا۔'' انہوں نے اس کے جھکے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''دادا جان! آپ اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتے، کیا میں آپ کا پوتا نہیں یا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔'' یہ کیسا سوال کر ڈالا تھا اس نے، وہ اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔

''بتائیں ناں دادا جان! کیا کمی ہے مجھ میں، کیوں آپ سب لوگ میری فیلنگز کو سمجھ نہیں پا رہے، بتائیں ناں دادا جان۔'' اب وہ رو دینے کے قریب ہو رہا تھا۔

''ہم سب سمجھتے ہیں بیٹا، سب جانتے ہیں، مگر تم یہ بتاؤ کہ تم کیوں نہیں سمجھ رہے، اپنی ذمہ داریاں تو تم سے اٹھائی نہیں جاتیں، دوسروں کی خاک اٹھاؤ گے، انتہائی لاپرواہ اور لاابالی انسان ہو تم، غیر سنجیدہ رویئے کے ساتھ کب تک زندگی ضائع کرتے رہو گے، اگر تم نے کوئی ذمے دارانہ رویہ دکھایا ہوتا، اگر تھوڑی سی بھی سنجیدگی ہمیں نظر آ جاتی تمہارے اندر تو ہم یقیناً کچھ اور فیصلہ کرتے مگر اب، تم خود ہی بتاؤ ہم کیا کریں بھلا؟'' بہت مشکل سے اپنے اندرونی جذبات اور تاثرات چھپا کر دادا جان نے الٹا اسے ہی لتاڑ ڈالا تھا۔

''دادا جان پلیز، ایک چانس تو مجھے ملنا ہی چاہیے ناں، اتنا تو میرا حق بنتا ہے ناں، اگر پھر بھی میں آپ کی توقع پر پورا نہ اترا تو پھر جو آپ کا فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا، پلیز دادا جان۔''

''چلو ٹھیک ہے، یہ بھی کر دیکھتے ہیں، تمہارے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے برخودار، چند ہفتوں میں ہی تمہیں خود کو اہل ثابت کرنا ہوگا، ورنہ؟'' دادا جان نے اسے ایک بار پھر تنبیہ کی اور اٹھ کر وضو کے لیئے واش روم میں گھس گئے۔

☆☆☆

''اوہو، شہزادہ حنان صاحب، آج کدھر کی تیاریاں ہیں بھئی۔'' طفیل چاچو کے ایکدم پکارنے پر سب ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگے جو ٹنگ سک سے تیار خوشبوؤں میں بسا ڈائننگ روم کے دروازے سے اندر آ رہا تھا، وہ سب لوگ اس وقت وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے ناشتہ کرنے میں مصروف تھے، حنا مشی اور توبیہ کی کچن سے ٹیبل تک کوئیک سروس جاری تھی اور اس وقت بھی ثوبی چاچو کی پلیٹ میں پراٹھا رکھ رہی تھی کہ ان کی بات سن کر وہ بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''کہیں نہیں چاچو جانی، میں نے سوچا آج سے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ آفس جایا کروں گا، آخر کل کو مجھے بھی تو فیملی بزنس جوائن کرنا ہی ہے، تو پھر آج سے ہی کیوں نہیں اور ویسے بھی کسی نے مجھے کہا ہے کہ میں بہت لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہوں، اب مجھے بھی ثابت کرنا ہے کہ میں بھی ذمے داریاں اٹھا سکتا ہوں، اپنی بھی اور کسی اور کی بھی۔'' نروٹھے انداز سے دادا ابو کو دیکھتے بات مکمل کی اور چاچو کے ساتھ والی کرسی

سنبھال لی، دادا ابو کے چہرے پہ شریر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے برخودار، مگر یاد رہے تمہارا رزلٹ آنے میں ابھی کچھ دن باقی ہیں، جبکہ سمیر ماشاءاللہ ایم بی اے مکمل کر کے پوری ذمہ داری کے ساتھ کاروباری معاملات میں اپنی قابلیت ثابت کر چکا ہے اور آپ کا تو ابھی خیر سے بی کام بھی ادھورا ہے اور رہی لاپرواہی اور غیر ذمہ داری تو وہ آپ ابھی خود اپنے منہ سے قبول کر چکے ہیں، اب بتایئے بھلا ہم کیسے آپ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔'' ابو جان نے عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے بظاہر بہت سنجیدگی سے کہا تھا، مگر ان کے لہجے میں چھپی شرارت اور حنان کے تاثرات دیکھتے ہوئے سب بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور اس قہقہے میں خود حنان کی جھینپی جھینپی سی ہنسی بھی شامل تھی۔

☆☆☆

اس وقت لاؤنج میں رنگوں کی بہار اتری ہوئی تھی، بے حد دیدہ زیب رنگ برنگے ملبوسات جگ مگ کرتی جیولری، کھنکتی چوڑیاں، اسٹائلش جوتے، دلفریب خوشبوئیں، نہ ختم ہونے والی باتیں، دبی دبی سی ہنسی کی جلترنگیں اور بے ساختہ امڈ آنے والے قہقہے۔

وہ ساری کی ساری بمعہ امیوں کے ان تمام لوازمات میں بری طرح الجھی ہوئی تھیں، لاؤنج کی تمام لائٹس آن تھیں اور ان چمکدار روشنیوں میں کئی سوگنا اضافہ ان جگہ جگہ کرتی چیزوں نے کر ڈالا تھا، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ جگمگاتے چہرے اور سپنوں سے بھری چمکدار آنکھوں کی روشنی تھی جو پورے ماحول کو خیرہ کر رہی تھی۔

''ثوبی...... ثوبی کہاں ہو بھئی۔'' اور اسی وقت حنان شور مچاتا، اپنے مخصوص انداز میں اچھلتا کودتا داخلی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کرتا آن وارد ہوا تھا، اس کے اس طرح با آواز بلند ثوبی ثوبی پکارتے چلے آنے سے سب کا ارتکاز ٹوٹ سا گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ جھلا سی گئی تھیں۔

''اوہو حنان، کیا ہے، کبھی تو انسانوں کی طرح آیا کرو، کیا ہوا، اتنا شور مچا رکھا ہے تم نے، پیچھے لگ گیا ہے کوئی کیا تمہارے۔'' حنا اس وقت اس کے سب سے زیادہ نزدیک تھی، سو اس نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''ارے آپی! خبر ہی ایسی شاندار ہے کہ مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا، جیسے ہی جنید کی کال آئی، میں سیدھا آفس سے اٹھ کر بھاگتا چلا آیا۔'' اس نے جوش اور خوشی کے عالم میں حنا کو ہی پکڑ کر گھما ڈالا تھا۔

''حنان! ہمارا رزلٹ آ گیا کیا؟'' ثوبیہ سب کچھ پھینک پھانک تیزی سے اس کی طرف لپکی تھی، اب اس کا بازو ہلا کر بولی تو وہ حنا کو چھوڑ اسے گھمانے لگا۔

''ہاں ثوبی جی، آ گیا ہے رزلٹ ہمارا اور پتا ہے پورے کالج میں ٹاپ کیا ہے تم نے I am so happy۔'' وہ خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

''اور تم؟'' ثوبیہ کے اگلے سوال پر وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا اور سب کو اپنی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے پا کر مسکرا دیا۔

''میں بھی۔'' دو لفظی سوال کا دو لفظی ہی جواب آیا تھا۔

''مطلب؟'' امی جان بے تابی سے آگے بڑھی تھیں۔

''مطلب میں نے بھی +A لیا ہے امی جان، پاس ہو گیا ہوں میں بھی، ہاں مگر نمبر ثوبی سے کم آئے ہیں صرف دو نمبرز۔'' وہ ایک بار پھر

ہنسا تو سارے لاؤنج میں شور مچ گیا، امیاں تو فوراً شکرانے کے نوافل ادا کرنے چلی گئیں اور ساری کی ساری اپنی تیاریاں چھوڑ کر انہیں گھیرے میں لئے ٹریٹ ٹریٹ کا شور مچانے لگیں۔

''حنان! تمہیں برا نہیں لگتا جب میں ہمیشہ تم سے زیادہ نمبر لے جاتی ہوں اور تم دو چار نمبرز کے فرق سے پیچھے رہ جاتے ہو؟'' تو بیہ ان کے شور و غل کو نظر انداز کرتی اس کے قریب کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں...... بالکل بھی نہیں۔'' اپنی چمکدار شہد رنگ آنکھیں اس کی حیرت بھری آنکھوں میں ڈال کر وہ اتنا بے ساختہ اور اتنے پر یقین انداز سے بولا کہ وہ بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ، تو ہی تو میری دوست ہے۔'' وہ ایک بار پھر اس کے سامنے جھکا گنگنانے لگا تو وہ سب بے ساختہ ہنس دیئے۔

☆☆☆

عالم ولا کی رونقیں آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں، باؤنڈری والز اور لان کے چاروں طرف خوبصورت رنگ برنگے قمقمے اپنی بہار دکھا رہے تھے، لان کے تمام درخت اور پودے بے حد حسین انداز میں جگمگ کرتی روشنیوں سے سجے تھے، ایک طرف باربی کیو کا زبردست انتظام تھا جس کی وجہ سے اشتہا انگیز خوشبوئیں چاروں طرف چکراتی پھر رہی تھیں، کیٹرنگ کا ذمہ شہر کے مشہور ترین کیٹرز کے پاس تھا، جن کے باوردی بیرے ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے، عالم ولا کے باسیوں کے لئے یہ ایک بہت خاص دن تھا، لان کے مشرقی حصے میں بہت خوبصورت اور مغلیہ طرز کا بڑا سا اسٹیج بنا تھا، جس پر مغلیہ آرٹ کی سجاوٹ نے چار چاند لگا دیئے تھے، وسیع و عریض لان میں راؤنڈ ٹیبلو ارینجمنٹ اپنی بہار دکھا رہی تھی، جبکہ لان کے مغربی گوشے میں حویلی اسٹائل کی سجاوٹ دیکھنے والوں کو محظوظ کر رہی تھی، بڑی بڑی رنگین پائیوں والی چار پائیاں جن پر خوبصورت ڈیزائن کے ملتانی کھیس بچھائے گئے تھے اور خوش رنگ دیدہ زیب شیشوں والے گاؤ تکیے رکھے گئے تھے، جا بجا خوبصورت رنگین پیڑھے اور موڑھے الگ بہار دکھا رہے تھے، ایک طرف ایک اور چھوٹا چند فٹ اونچا اسٹیج بنایا گیا تھا، جس پر آرکسٹرا سجا تھا اور ادھر سے مسحور کن اور دل نشین دھنیں وقت میں بکھر کر ماحول کو اور ہی پرفسوں اور خوشگوار بنا رہی تھیں، بے حد شارٹ نوٹس پر ملنے والے دعوت ناموں کے باوجود ایک بڑی تعداد مہمانوں کی اس وقت موجود تھی۔

اور پھر محفل اپنے پورے جوبن پر اس وقت آئی جب دادا جان کے حکم کے مطابق سمیر، عمیر، حنان اور عمر کو لا کر اسٹیج پر بٹھایا گیا، وہ چاروں بے حد شاندار لگ رہے تھے، سمیر اور عمیر تو بے حد مطمئن اور خوش نظر آ رہے تھے مگر عمر کے انداز میں واضح گھبراہٹ موجود تھی، جیسے اسے اچانک پکڑ کر ادھر بٹھا دیا گیا ہو اور رہا حنان، تو اس کا منہ جانے کیوں سوجا سوجا سا لگ رہا تھا، ناراض ناراض سا جیسے سارے زمانے سے خفا ہو، وہ بالکل خاموش اور لاتعلق سا بت بنا بیٹھا تھا، ہاں کبھی کبھار ایک ناراض اور گلہ آمیز نگاہ دادا جان کی طرف ضرور اچھال دیتا۔

تھوڑی دیر کے بعد دادا جان کے ہی ایما پر رہائشی حصے کی طرف سے ان پانچ پریوں کو لایا گیا، وہ پانچوں بے حد حسین لگ رہی تھیں، بے حد خوبصورت کامدار انارکلی فراک اور چوڑی پاجاموں میں ملبوس، خوبصورت کامدار بڑے بڑے دوپٹے دلکش انداز سے اوڑھے، زبردست

میک اپ اور دلکش جیولری سے سجی سنوری وہ پانچوں دلہنیں خراماں خراماں اسٹیج کی طرف بڑھتی چلی جارہی تھیں، ان سب کو اس طرح ایک ساتھ آتے دیکھ کر جہاں مہمان حیران رہ گئے تھے وہیں وہ چاروں بھی گھبرا کر اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے تھے، مگر دادا جان کے اطمینان میں ذرا برابر بھی فرق نہیں آیا تھا، وہ خود آگے بڑھے اور انہیں اسٹیج پر لے آئے۔

ہر طرف ایک محسوس کیا جانے والا سناٹا چھا چکا تھا، آرکسٹرا بھی خاموش ہو چکا تھا، حتیٰ کہ باوردی بیرے بھی اپنی اپنی جگہ رک کر حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، جیسے ہی وہ اسٹیج تک آئیں، مدحت پھپھو نے حنا کا ہاتھ پکڑ کر اسے عمیر کے برابر بٹھا دیا، آمنہ رضوی نے مشی کو سمیر کے پہلو میں لا بٹھایا، اسماء خالہ نے نوشی کا ہاتھ پکڑا اور اسے عمر کے ساتھ بٹھا دیا، عطیہ ممانی آگے بڑھیں اور ثوبیہ کو حنان کے برابر لا بٹھایا، اب رہ گئی ثنا، تو وہ عشنا بھابھی کے پہلو سے لگی کھڑی شرما رہی تھی، عشنا بھابھی نے اسے ہاتھ پکڑ کر ثوبی کے برابر والی خالی جگہ پر بٹھا دیا اور خود مسکراتے ہوئے دادا جان کو دیکھنے لگیں، تمام مہمان گرامی اس ساری کاروائی کے دوران حیرت بھرے انداز میں اسٹیج کو دیکھ رہے تھے۔

''ارے بھئی رضوی صاحب، یہ کیا ماجرہ ہے جناب، دولہے چار اور دلہنیں پانچ، بھئی پانچواں دولہا کدھر ہے، ذرا دیدار تو کروایئے جناب اس کا بھی۔'' دادا جان کے ہم نوالہ ہم پیالہ جگری دوست خواجہ صاحب نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے دور سے ہانک لگائی تو دادا جان بے اختیار ہنس دیئے۔

''آیئے جناب سلیم اللہ صاحب، لے آیئے ہمارے کیپٹن بیٹے کو اسٹیج پر، اب اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیتے ہیں۔'' دادا جان نے عشنا بھابھی کے ابو جان سے کہا تو وہ اور ان کی بیگم مسکراتے ہوئے اپنے خوبرو بیٹے کیپٹن حمزہ کے ساتھ اسٹیج پر آئے اور حمزہ کو ثناء کے برابر بٹھا دیا، پھر ان سب کو خوبصورت انگیج منٹ رنگز پہنائی گئیں اور جیسے ہی یہ عمل مکمل ہوا ہر طرف مبارک سلامت کا شور مچ گیا، وہ سب بہت خوش تھے، حنا عمیر، مشی سمیر، نوشی عمر، ثنا حمزہ اور ثوبیہ حنان کے ساتھ منسوب ہوگئیں، حنان جو تھوڑی دیر پہلے تک سب سے خفا منہ پھلائے بیٹھا تھا، اب سب سے زیادہ چہک رہا تھا، اس کی بات بات پر اٹھ آنے والی بے ساختہ قہقہے اس کی اندرونی خوشی کے غماز تھے اور خوش تو ثوبیہ بھی بہت تھی۔

''معزز خواتین وحضرات، اس قدر شارٹ نوٹس پر آپ سب کو زحمت دینے کے لئے ہم دلی طور پر معذرت خواہ ہیں، مگر یہ قدم ہم نے اس یقین کے بھروسے سے ہی اٹھایا تھا کہ آپ سب ہمارے اپنے ہیں اور ہمارے اپنے ہمارے بھروسے کو ضرور قائم رکھیں گے اور ہماری خوشیوں میں شامل ہونے کے لئے اور انہیں چار چاند لگانے کے لئے ضرور تشریف لائیں گے اور آپ سب کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہمارا مان ٹوٹنے نہیں دیا۔''

''اور میاں حنان، تم کیا سمجھتے تھے، ہمیں اپنے بچوں کے دلی جذبات کی کوئی خبر، کوئی قدر نہیں، نہیں میرے بچے، تم بالکل غلط سوچتے تھے، تم سب کے ساتھ تو ہمارے دل کے تار جڑے ہیں، بڑی مضبوطی کے ساتھ، اپنے بچوں کے دل میں آنے والی ہر خواہش سے ہمارا دل باخبر رہتا ہے اور جو ہمارے بس میں ہو اور ہمارے رب کا حکم بھی تو ہم اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں آگے جو اللہ کو منظور۔''

''معزز خواتین و حضرات، ہم آج بڑی خوشی اور سب کی رضامندی کے ساتھ اپنے بچوں کو زندگی کے نئے موڑ پر خوش آمدید کہتے ہیں اور اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان کی آئندہ زندگی خوشگوار اور پرمسرت بنائے آمین۔''

''اور آخر میں ہم آپ سب کا ایک بار پھر تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ سب نے اپنے قیمتی وقت میں سے ہمارے لئے تھوڑا ٹائم نکالا اور آپ سے التجاء ہے کہ ہمارے ساتھ آپ بھی ہمارے بچوں کو دلی دعاؤں سے نوازیں۔'' دادا جان مائیک سنبھالے بڑے جذب سے کہہ رہے تھے۔

''دوستو! آپ سب کو تھوڑا عجیب تو لگا ہوگا کہ ہم نے اپنے تمام پوتے پوتیوں، نواسوں، نواسیوں کو ایک ہی جگہ ایک ہی ساتھ پابند کر دیا ہے مگر اسے ہماری مجبوری سمجھئے خوشی یا خواہش کہ ہم اپنی زندگی میں ہی اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھ لینا چاہتے ہیں اور ایک بات اور ہمارے پوتے حنان اور پوتی ثوبیہ کے بارے میں شاید آپ لوگوں کے ذہن میں کوئی ابہام ہو، کیونکہ دونوں ایک ہی جتنے ہیں اور پھر دونوں نے ایک ساتھ ہماری بہو آمنہ کی گود میں پرورش پائی ہے تو، حنان اور ثوبیہ کا رشتہ ہماری مرحومہ بہو شگفتہ رضوی اپنی زندگی میں ہی طے کر گئی تھیں حنان کے پیدا ہوتے ہی مرحومہ نے اسے مانگ لیا تھا، لہٰذا ان دونوں کی پرورش ہی اس طرح کی گئی ہے کہ جیسے یہ ایک دوسرے کے لئے ہی بنے ہوں اور یہ جو ہم پچھلے دنوں حنان کو تنگ کرتے رہے ہیں تو سب کی ملی بھگت سے ہی تو کرتے رہے ہیں، آخر کو دادا ہیں بھئی ہم، کچھ تو ہمارا بھی حق ہے۔'' دادا جان نے شرارت سے بھرپور لہجے میں ہنستے ہوئے حنان کو دیکھا تو وہ بھی کھلکھلا کر ہنس دیا۔

آ جا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تو ہی تو میری دوست ہے

اپنی مرحومہ ماں کے ذکر اور خواہش کا سن کر ثوبیہ کی پلکیں بے ساختہ نم ہوئی تھیں، مگر اگلے ہی لمحے حنان اس کا ہاتھ تھام کر اس کے کان کے قریب گنگنایا تو وہ بھی مسکرا دی، کہ اس کے دل کو یقین سا ہو گیا تھا کہ حنان ہی اس کا ہمدم، اس کا سچا دوست ہے، جسے تقدیر نے صرف اور صرف اس کے لئے ہی دنیا میں اتارا تھا۔

☆☆☆

ہما راؤ

مومنہ کو دیکھ کر صبح کی چلتی ہوئی نرم ہوا کا خیال آتا تھا، ویسی ہی پاکیزہ، ویسی ہی نرم اور خالص۔

بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی اور اس وقت وہ سفید یونیفارم میں کنول کے پھول کی طرح شگفتہ لگ رہی تھی۔

صبح کی تازہ ہوا سبک روی سے چل رہی تھی، پچھلی ایک رات اور ایک دن مسلسل بارش کے بعد آسمان کی نیلاہٹ اور بھی حسین لگنے لگی تھی، سورج کی روشنی بھی مدھم تھی، قوی امکان تھا تھوڑی دیر تک دور دور منڈلاتی سرمئی بدلیاں یکجا ہو کر سورج کو اپنی آغوش میں چھپالیں گی اور پھر جوں ہی بارش برسے گی تو دھرتی جل تھل ہو جائے گی، وہ لان میں کھڑی چنبیلی کے پھول توڑ رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' مومنہ نے سر اٹھا کے دیکھا، علی صبح کی طرح نکھرا نکھرا سامنے کھڑا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ شگفتگی سے بولی، پھر دوبارہ پھولوں کی جانب متوجہ ہو کر گویا ہوئی۔

''تم! روزانہ صبح صبح مجھے سلام کرنے کیوں آتے ہو؟''

''اس لئے کہ سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔'' وہ ہنس پڑا۔

''اپنے بزرگوں کو سلام کیا کرو، ہو سکتا ہے ان کی دعاؤں سے تمہیں کچھ عقل آئے۔''

''اسی لئے روزانہ آپ کو سلام کرنے آتا ہوں۔'' وہ بھی علی تھا، مومنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''سنو! اس سفید یونیفارم میں ایسے لگ رہا ہے جیسے پرستان کی پری زمین پر اتر آئی ہو۔''

''اور اس سیاہ شلوار قمیض میں تمہیں دیکھ کے ایسے لگ رہا جیسے کوئی دیوار میرا راستہ روکے

مکمل ناول

کھڑی ہو۔" اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر رہ گیا۔
"خالہ کہاں ہیں؟"
"وہ اپنے کمرے میں قرآن پاک پڑھ رہی ہیں۔"
"کالج کب جاؤ گی؟" علی نے گھڑی دیکھی۔
"نمرا کا انتظار کر رہی ہوں۔" مومنہ نے جواب دیا۔
"میں چھوڑ آتا ہوں۔"
"شکریہ! میں چلی جاؤں گی۔"
"روزانہ پیدل جاتی ہو، آج تمہیں گاڑی کی سیر کرواتا ہوں۔" علی نے لالچ دیا۔
"مجھے پرائی گاڑی میں بیٹھنے کا شوق نہیں ہے۔" مومنہ نے فوراً جواب دیا۔
"پرائی گاڑی اپنی بھی ہو سکتی ہے، آپ حکم کریں۔"
"سدھر جاؤ علی۔"
"سدھر جاؤں گا بشرطیکہ سدھارنے والی تم ہو۔" علی یہ کہہ کر ہنس پڑا۔
"اب اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے؟" مومنہ اس کی مسلسل ڈھٹائی پر چڑ گئی۔
"مسلمان کا مسکرا کر دیکھنا بھی صدقہ ہے، نیکی کر رہا ہوں۔" وہ کان کھجا کر بولا۔
"علی! تم بہت ڈھیٹ ہو۔" مومنہ نے غصے سے گھورا۔
"دیکھ کر پیار سے۔" علی بے ساختہ بولا۔
"یہ کیا بیہودگی ہے؟" مومنہ تپ ہی تو گئی تھی۔
"آج ایک رکشے کے پیچھے لکھا پڑا تھا، کیا جملہ ہے۔" علی سادگی سے بولا تو مومنہ سمجھ گئی اس سے فضول بحث میں الجھنے سے بہتر ہے کہ وہ خاموش رہے، اتنے میں نمرا آگئی تو وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور علی اندر کی طرف۔

☆☆☆

ساون کا موسم عروج پہ تھا، دن رات کی بارش نے گرمی کی شدت ہی کیا دلوں کی بیزاری بھی دور کر دی تھی۔
مومنہ بی اے کی ذہین طالبہ تھی، اس وقت چھٹی کے بعد ایک سایہ دار درخت کے نیچے کھڑی اپنے پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی، تیز ہواؤں کے جھونکے کے ساتھ بوندوں کی بوچھاڑ بہت بھلی لگتی لیکن اس وقت مومنہ کو فکر یہ تھی کہ یونیفارم نہ بھیگ جائے، مومنہ نے ہاتھ سے بھیگے کپڑوں کو جھاڑا، پوائنٹ میں وقت تھا اور دور دور تک اس کو مطلوبہ بس نظر نہیں آ رہی تھی، ویسے تو گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا، وہ اکثر پیدل ہی آتی تھی، لیکن مسلسل تین دن کی بارش نے اس علاقے کا نظام خراب کر دیا تھا، علاقے کی سڑکیں ناہموار اور سیوریج کا انتظام غیر موثر تھا، انتظامیہ کی نااہلی کے باعث رحمت بھری بارش زحمت بن جاتی تھی اور لوگ کوفت میں مبتلا ہو کر جلد ہی رکنے کی دعا کرتے تھے۔
"کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو آج انتظار کی کوفت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔" دل میں گہری ٹیس سی اٹھی، اچانک پسندیدہ موسم اسے پریشان کرنے لگا، زن سے ایک موٹر سائیکل اس کے پیروں کے پاس آ کر رکی، وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی، موٹر سائیکل سوار نے اس کے ڈرنے پہ دانت نکالے۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" مومنہ کو شدید غصہ آیا۔
"بیٹھیے، موسم خراب ہے، دور تک کوئی بس نہیں ہے۔" اس نے کہا اور بے فکری سے ہنس پڑا۔

قبل اس کہ وہ اپنی بے بسی پہ رونا شروع کر دیتی اس کا پوائنٹ آ گیا، وہ بھاگتے ہوئے اس پر چڑھ گئی اور پوائنٹ کے چلنے پہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

گھر آ کر بھی وہ قدرے خاموش تھی، پختہ کھلے سے صحن میں ایک طرف جامن کا بڑا درخت پھیلا تھا، اس کے سبز پتے ہوا سے ٹوٹ کے ادھر اُدھر بکھرے پڑے تھے، ٹپ ٹپ پکی ہوئی جامن نیچے گر رہی تھیں، درخت کے نیچے بڑا سا پرندوں کا پنجرہ تھا، جس میں رنگ برنگے ننھے منے آسٹریلین طوطے پر پھیلائے اِدھر سے اُدھر اڑتے ماحول میں خوبصورتی اور رنگینی کا اضافہ کر رہے تھے، برآمدوں کا سرخ فرش بھیگ کر کچھ اور سرخ ہو گیا تھا، ستون کے ساتھ لپٹی سبز بیل سے آتشی گلابی پھول ٹوٹ ٹوٹ کر بارش کے پانی میں رنگ گھول رہے تھے، چھت کے اوپر جاتی ہر سیڑھی پر چھوٹے چھوٹے گملے رکھے تھے، جن میں مختلف قسم کے پورے ماحول کو تر و تازہ کر رہے تھے، فضا میں بارش کی خوشبو کے ساتھ پکوان تلنے کی خوشبو پھیلی تھی۔

''زیادہ سوچنے سے جھریاں پڑ جاتی ہیں اور خواتین قبل از وقت بوڑھی نظر آنے لگتی ہیں۔'' علی خاصی دیر سے دیکھ رہا تھا، وہ خاموش ہے سو اس کا دھیان بٹانے کے لئے اسے چھیڑنا شروع کر دیا، مومنہ نے کوئی جواب نہیں دیا، تب ہی نمرا گرم گرم پکوڑے، رائتہ اور املی کی چٹنی لے آئی۔

''چائے بھی ہو جائے تو ڈیئر کزن مزہ آ جائے۔'' علی نے گرم پکوڑا منہ میں اٹھا کے ڈالا۔

''واہ بھئی واہ مزا آ گیا، کیا لذیذ پکوڑے ہیں۔''

''مومنہ! تم بھی نمرہ سے بنانا سیکھ لو۔'' علی بولا۔

''کیوں؟''

''سنا ہے مردوں کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔'' علی نے شرارت سے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''علی! تم انتہائی فضول انسان ہو۔'' مومنہ نے ناگواری سے کہا اور علی مسکرا دیا، اس کا مقصد مومنہ کا محض دھیان بٹانا تھا، پھر دونوں بحث و مباحثے میں الجھ گئے۔

☆☆☆

جاوید احمد فیکٹری میں سپروائزر تھے، وہ انتہائی محنتی اور ایماندار تھے، وہ شریف النفس انسان تھے، فیکٹری میں سب انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ان کی بیوی صالحہ خاتون سارہ، ملنسار اور صابر شاکر مزاج کی مالک تھیں، محدود آمدنی میں بھی کبھی کوئی گلہ نہ کیا اور نہ ہی کبھی شوہر کو پریشان کیا، کٹھن حالات میں بھی ہمت سے کام لیا، دونوں میاں بیوی میں مثالی محبت تھی، ان کی دو ہی بیٹیاں ہیں، نمرا جو بڑی تھی وہ بی اے کرنے کے بعد کسی مناسب رشتے کے انتظار میں تھے، فی الحال اپنے سلیقے سے گھر داری کو چار چاند لگانے میں مگن تھی، اس سے چھوٹی مومنہ تھی مومنہ بے حد حسین تھی، نین نقش ماں کے چرائے تھے، عادات باپ کی اپنائی تھیں، ذہین، حساس، خوددار اور با کردار تھی، وہ گریجویشن کر رہی تھی۔

علی اس کی خالہ زاد صائمہ کا بیٹا تھا، صائمہ خالہ، صالحہ خاتون کے برعکس تھی، انتہائی اکھڑ، خود پسند اور مغرور سی، ان کے میاں صادق علی ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھے، اوپر کی کمائی سے کافی کما چکے تھے، ان کی امارت اور شاہ خرچی کی خاندان میں دھوم تھی، صائمہ، صالحہ خاتون کے گھر کبھی کبھار ہی جاتی تھی، دونوں کے مزاج میں

نمایاں تضاد تھا۔

علی ان کا اکلوتا بیٹا تھا، جو کہ دونوں کو بے حد عزیز تھا، علی خوبرو اور ضدی نوجوان تھا، وہ اپنی خالہ زاد مومنہ کے حسن کے سحر میں مبتلا، اس سے گاہے بگاہے اظہار محبت کرتا رہتا، مگر وہ اس کی باتوں کو سنجیدہ نہیں لیتی اور ٹال جاتی جبکہ علی کا یہ حال تھا کہ اسے دیکھے بنا دن نہیں گزرتا تھا، وہ اس کی محبت کے حصار میں قید تھا اور اس قید سے رہائی ناممکن تھی۔

☆☆☆

مومنہ اس وقت صحن میں جھاڑو لگا رہی تھی، علی اسے دیکھ رہا تھا، جب وہ مومنہ کی آنکھوں میں دیکھتا تو ایسے لگتا، جیسے ان آنکھوں کی گہرائی میں ڈوب جائے گا، ان آنکھوں میں مومنہ کے لئے صرف محبت وارفتگی جذبوں کی انتہا تھی، ان آنکھوں میں چاہتوں کے کنول کھلے تھے، امیدوں کے جہان آباد تھے۔

وہ بغور مومنہ کو دیکھ رہا تھا، اس کی نگاہوں کی تپش سے مومنہ نے چونک کر اسے دیکھا، علی کے چہرے پہ بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی اور آنکھوں میں بے نام سی شرارت۔

وہ جھاڑو رکھ کے غصے میں اس کے سامنے آئی اور علی کو گھورنے لگی، شفاف آئینے جیسی آنکھیں تھیں جو اس اجلی دھوپ میں بے تحاشا روشن ہو گئیں تھیں، مومنہ کو علی کی چمکتی آنکھوں میں اپنا عکس بخوبی نظر آ رہا تھا۔

''علی! تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے جو ہر وقت میرے گھر میں نظر آتے ہو؟''

''میرے سب راستے تمہاری صرف آتے ہیں، ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے زندگی تمہاری طرف بلا رہی ہے۔'' علی نے محبت مغلوب سے لہجے میں کہا۔

''اُف......'' مومنہ نے سر تھام لیا تھا۔

''یہ شخص اتنا ثابت قدم کیوں ہے اور اس کی باتیں۔'' مومنہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''شادی کرو گی مجھ سے؟'' علی کی شفاف آنکھیں مومنہ کے گرد حصار تنگ کر رہی تھیں، علی کی آنکھوں میں سچائی اور محبت سمٹ آئی تھی، مومنہ کو بس ایک پل لگا، سنبھلنے میں اور اس کے انتہائی سنجیدہ سوال کو نظر انداز کرنے میں۔

''شکل دیکھی ہے اپنی، تم سے شادی کروں گی میں؟'' تب ہی دروازے پہ دستک ہوئی، علی دروازے کی جانب جاتے ہوئے بولا۔

''میری بات پہ سوچنا ضرور۔'' وہ مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا، مومنہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، علی کا رویہ شروع سے ہی مومنہ کے ساتھ ایسا تھا، نمرا اور دیگر تمام کزنز کے ساتھ وہ بہت ادب سے پیش آتا تھا، مومنہ کا خیال تھا، وہ مومنہ سے زیادہ بے تکلف ہے لہٰذا وہ اسے تنگ کرتا ہے، مومنہ نے کبھی اس کی محبت کو سمجھا نہیں تھا یا سمجھنا نہیں چاہتی تھی، کزن کی حیثیت سے وہ اسے ناپسند نہیں کرتی تھی، وہ پڑھا لکھا با اخلاق تھا، ہینڈسم تھا، مومنہ کی اور نمرا کی جس دوست نے بھی دیکھا تعریف کیے بناء نہیں رہ سکی، لیکن اس کا روزانہ آ کر مومنہ کو اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھنا، تنگ کرنا، ذو معنی جملے بولنا، مومنہ کو تپا دیتا تھا، مومنہ سمجھتی تھی وہ شخص اسے ستانے کے لئے اسے تنگ کرتا ہے وہ بے خبر تھی کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے، اگر اسے علی کے دل کی گہرائی کا پتہ چل جاتا تو خود کو خوش نصیب تصور کرتی۔

پہلی محبت کی پہلی آواز ایک واہمے کی طرح پیچھا کرتی ہے، انسان کے دل کا، مجھے ''تم سے محبت ہے'' کی گونج ہر موڑ پہ سنائی دیتی ہے، پہلے لمس کا احساس رنگ کی طرح ذات کے عکس میں

سمت آتا ہے۔

☆☆☆

فائل کے کور پر رنگین مارکر سے اپنا نام لکھ کر وہ بڑے انہماک سے اس کے اردگرد بیل بوٹے بنا رہی تھی، ساتھ ساتھ ٹی وی پہ آنے والا ایک ڈرامہ بھی بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی، جب امی کی آواز نے اسے چونکنے پہ مجبور کیا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا، امی کمرے کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

''امی! کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟'' اس نے سوال کیا، ساتھ ہی ٹی وی کی آواز بھی ہلکی کر دی۔

''میں پوچھ رہی ہوں، تم کالج کیوں نہیں گئی، دو دن ہو گئے ہیں۔'' انہوں نے کمرے کے اندر آتے ہوئے کہا۔

''چلی جاؤں گی امی، آج کل موسم دیکھیے، میری کوئی دوست بھی نہیں آ رہی، میں بور ہو جاتی ہوں، ہر جگہ اتنا پانی کھڑا ہے، ٹرانسپورٹ نہیں ملتی، واپسی میں تو چلو پوائنٹ آ جاتا ہے، لیکن صبح پیدل جانے میں مسئلہ ہے آج کل، پوائنٹ یہاں آتا نہیں ہے۔'' مومنہ نے وضاحت کی، اس کا تعلق جس طبقے سے تھا، وہ ایسا خوش حال نہیں تھا کہ ہزاروں روپے کی ایڈمیشن فیس محض ''موڈ نہیں رہا'' کہہ کر بھول جاتے، اب تو اسے ہر صورت میں بی اے اچھے نمبروں سے پاس کرنا تھا، اس کی امی نے بڑی مشکل سے نجانے کس طرح رقم بچا کے اس کا ایڈمیشن کروایا تھا، پھر یونیفارم اور کتابیں ان کے اخراجات الگ ہوئے تھے، مومنہ کو احساس تھا، مومنہ جانتی تھی ایک چھوٹی سی رقم پورے گھر کو چلانے کے لئے ابو امی کے ہاتھ پہ رکھ دیتے تھے، جو کہ مہینے کے درمیان میں ہی پہنچ کر امی کو ہراساں کر دیتی، کہ مہینہ پورا کیسے کرے گی، چیزوں کی کمی بیشی کرتے کرتے وہ نڈھال ہو جاتیں۔

''امی! آپ مجھے کچھ بیمار لگ رہی ہیں؟'' مومنہ نے بغور انہیں دیکھا، وہ کافی کمزور لگ رہی تھی۔

''ہاں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''چلیں پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' مومنہ پریشان ہو گئی تھی۔

''نہیں میرے سر میں درد ہے، کچھ دیر آرام کروں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔''

مومنہ جانتی تھی، مہینے کے آخر میں یہ افورڈ نہیں کر سکتے، مہینے کا اختتام جب سودا سلف پورا کرنا مشکل ہوتا تھا، اس میں ڈاکٹر کی فیس اور میڈیسن بہت بڑی عیاشی تھی۔

''میں سونے جا رہی ہوں، تم کھانا کھا لینا اور عشاء کی نماز پڑھ کر سونا۔'' امی ہدایت دے کر چلی گئی، مومنہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

اب مومنہ کو نہ ڈرامہ اچھا لگ رہا تھا اور نہ ہی بیل بوٹے بنانے میں دلچسپی رہی تھی، کچھ دیر وہ یونہی منہ لٹکائے بیٹھی کچھ دیر سوچتی رہی تھی، پھر اٹھی اور الماری سے اپنا یونیفارم نکالا اور بے دلی سے استری کرنے لگی۔

☆☆☆

''دعا کرو مومنہ! کل آنے والے مہمان خوش خبری کا سندیسہ دیں، ویسے ہماری ان سے کافی پرانی جان پہچان ہے، شادی سے پہلے ہمارے محلے میں رہتے تھے، بہت اچھے اور شریف لوگ ہیں، نمرا کو پسند کر جائیں۔'' امی، نمرا کے لئے بہت فکر مند تھیں، بہت حساس ہو رہی تھیں۔

''انشاء اللہ ایسے ہی ہو گا، نمرا میں کیا کمی

ہے۔'' مومنہ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا، ویسے بھی صاف رنگت کی مناسب نقوش والی نمرا آسانی سے نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔'' صالحہ خاتون بولیں۔

مومنہ صفائی ستھرائی میں جت گئی، خوب دل لگا کے کئی گھنٹوں محنت کے بعد، گھر بہت صاف ستھرا ہو گیا تھا، مگر مومنہ کا تھکن سے برا حال تھا۔

نمرا کچن میں مصروف تھی، تب ہی ان لوگوں نے فون کیا کہ وہ چھ بجے پہنچ جائیں گے۔

''نمرا! تم نہا دھو کر کپڑے تبدیل کر لو۔''

''میں دس منٹ میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔''

نمرا کپڑے اٹھا کر واش روم میں آئی تھی، اس دوران علی بھی اتفاق سے آ گیا۔

''علی بیٹا! تم دودھ، سموسے، رول بسکٹ لے آؤ۔'' صالحہ خاتون نے پانچ سو کا نوٹ پرس سے نکالتے ہوئے علی کو مخاطب کیا۔

''خالہ! کیا مہمان آ رہے ہیں؟'' علی نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں نمرا کے رشتے کے سلسلے میں۔'' صالحہ خاتون نے صاف گوئی سے کہا۔

''اچھا میں ابھی لاتا ہوں۔'' علی مطمئن سا ہو گیا، آنے والے مہمان تین خواتین پہ مشتمل تھے، ایک لڑکے کی والدہ، ایک لڑکے کی خالہ اور ایک لڑکے کی بہن تھی، آنے والی خواتین بہت محبت اور گرمجوشی سے ملیں، صالحہ خاتون سے پرانے محلے اور ان کے مکیں کے متعلق تذکرہ چھڑ گیا تھا، جاوید احمد اور علی بھی موجود تھے۔

اتنے میں نمرا چائے لے کر اندر آئی، وہ کچھ نروس ہو رہی تھی۔

''یہ نمرا ہے میری بڑی بیٹی۔'' صالحہ خاتون نے تعارف کی رسم نبھائی، تینوں نے بہت محبت سے اس کا حال احوال پوچھا تھا۔

لڑکے کی ماں کی آنکھوں میں نمرا کے لئے واضح پسندیدگی تھی، یاسر سعودی عرب کے شہر جدہ میں آئل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر فائز تھا، اونچے قد کا سانولے رنگ کا پرکشش نوجوان تھا، محنتی تھا، پڑھا لکھا تھا، تصویر میں سب کو پسند آیا تھا۔

نمرا کو پسندیدگی کی سند مل گئی تھی، صالحہ خاتون کے پاؤں خوشی سے زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے، سب گھر والے بہت خوش تھے، نمرا کی آنکھوں میں جلتی قندیلیں تھیں اور لبوں کی تراش میں سحر کر دینے والی مسکان سج گئی تھی۔

آج کا دن بے حد خوشگوار رہا تھا، سب بہت خوش تھے، علی نے بھی گھر واپس جانے کا ارادہ کیا۔

''خالہ خالو تو اپنے کمرے میں جا چکے ہیں، نمرا ڈرامہ دیکھ رہی ہے، تم کچھ دیر مجھ سے باتیں کر لو میں پھر گھر جاتا ہوں۔'' علی نے صحن میں بیٹھی مومنہ کو مخاطب کیا۔

''علی! مجھے صبح کالج جانا ہے، نو بج گئے ہیں، نمرا کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہے، اب میں ٹی وی آف کر کے سوؤں گی، آج بہت تھک گئی، آج بہت کام کیا ہے۔''

مومنہ آج واقعی بہت تھک گئی تھی۔

کبھی ایسا ہو
تم اور ہم
ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر
اپنی باتیں کریں
لفظ ختم ہو جائیں
پھر ہم
ایک دوسرے کی آنکھوں میں
دیر تک ایک دوسرے کو تلاشتے رہیں

اور یونہی ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے
پتھر ہو جائیں
کبھی ایسا ہو
کبھی ایسا ہو

علی نے حسرت سے کمرے میں جاتی مومنہ کو دیکھا تھا۔

''مومنہ! میں کل لاہور جا رہا ہوں۔'' علی نے پیچھے سے مومنہ کو آواز دے کر روکا۔

''خیریت۔'' مومنہ پلٹی۔

''امی نے ماموں سے ملنے جانا ہے۔'' علی نے بتایا۔

''ارے واہ ہمیں تو کئی سال ہو گئے ماموں سے ملے۔''

''تم بھی چلو میرے ساتھ۔'' علی خوشی سے بولا۔

''نہیں۔'' مومنہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں؟''

''ویسے ہی۔''

''پھر بھی۔''

''میں کیا کروں گی جا کر یہاں کالج ہے، پڑھائی ہے، پھر کبھی امی کے ساتھ جاؤں گی۔'' مومنہ بولی۔

''مومنہ!'' علی نے بہت محبت سے پکارا تھا، اب کے آواز اور لہجہ ہی نہیں آنکھوں کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔

''ہاں بولو؟'' مومنہ کہاں خاطر میں لانے والی تھی۔

''تم وہاں بھی ہر لمحہ میرے ساتھ رہو گی، میرا دھیان تمہاری طرف ہی رہے گا۔'' علی نے کہا۔

''تم ہر وقت فضول باتیں کرتے ہو کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔'' مومنہ تپ گئی تھی۔

''تم بھی ہر وقت سنجیدہ اور خشک رہتی ہو، کبھی تو کسی شوخ و شنگ لڑکی کی طرح نظر آؤ۔'' علی دو بدو بولا۔

''میں ایسی ہی بھلی ہوں، اب تم جاؤ، وہاں سب کو میرا سلام کہنا، اللہ حافظ۔'' کہہ کر وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

میں نے تیرے لئے بوئے
خوابوں کی اس دھرتی میں
پودے خوشبو کے

نمرا کے سسرال کی طرف سے پسندیدگی کا اشارہ پاتے ہی امی کو جہیز کی فکر ستانے لگی، ان بیس سالوں میں کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے کافی کچھ جوڑ لیا تھا، سو آج بکس کھول کے از سر نو ان چیزوں کا جائزہ لیا جا رہا تھا، اچانک سے صائمہ خالہ بھی آ گئی۔

''السلام علیکم!'' انہوں نے بڑے تکلف سے سلام کیا اور کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''وعلیکم السلام!'' صائمہ کیسی ہو، بڑے دنوں بعد چکر لگایا، امی خالہ کو دیکھ کر بہت خوش ہو گئی تھی، ان کا سارا میکہ لاہور میں تھا، جن سے سالوں میں ملاقات ہوا کرتی تھی، کراچی میں ایک بہن ہی تھی مگر وہ ہر وقت اپنی دولت کے نشے میں رہتی تھی۔

''یہ کیا اتوار بازار لگایا ہوا ہے؟'' خالہ نے سامان دیکھ کر طنز کیا تو امی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''یہ نمرا کے لئے جمع کیا ہے۔'' انہوں نے سادگی سے بتایا۔

''اچھا کیا کچھ جمع کر لیا؟'' انہوں نے جمع پہ زور دیتے ہوئے طنز سے پوچھا۔

''بیس جوڑے کپڑوں کے، دو تولے سونا اور چھ سیٹ بستروں کے۔'' امی نے بتایا۔

''اوں ہوں یہ تو بہت کم ہے صالحہ، یہ سب تو تمہارے جہیز کی تعداد ہے، اب وقت بدل گیا ہے، بیٹی کو بیاہتے وقت زمانے کے دستور کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔'' صائمہ خالہ نے تنقیدی نظروں سے سامان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، امی خاموش رہ گئیں۔

''خالہ! خاندان والوں کی واہ واہ سمیٹنے کے لئے ابا کی انتہائی محنت اور فرض شناسی سے کمائی گئی روزی اس قسم کے اسراف کی ہرگز متحمل نہیں ہوسکتی۔'' مومنہ نے رسان سے جواب دیا۔

''اے بی بی! میں نے تو تمہارے بھلے کے لئے کہا اس سامان کے ساتھ گئی نمرا تو اس کے سسرال والوں کی زبان پر قفل کون ڈالے گا۔'' خالہ ناراض ہونے لگیں تو صالحہ نے ناراض بہن کے چہرے کی طرف دیکھا اور مومنہ کو منظر سے ہٹانے کے لئے کہا۔

''مومنہ! جاؤ اپنی خالہ کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔''

''رہنے دو اس کی ضرورت نہیں ہے، میں صبح صبح گرم چائے اپنے معدے میں نہیں انڈیلتیں، میں فریش جوس پی کر آئی ہوں۔'' خالہ نخوت سے بولیں۔

''چلوں میں پھر ناشتہ بناتی ہوں، آج دونوں بہنیں مل کر ناشتہ کریں گی، میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے آلو بھرے پراٹھے بناؤں گی۔'' امی نے محبت سے کہا۔

''نہیں رہنے دو صالحہ! میں اب چلوں گی، میں آج لاہور جا رہی ہوں، سوچا تم سے مل لوں، اس لئے آ گئی، ورنہ تمہیں پتہ ہے، میرے پاس وقت کہاں ہوتا ہے۔'' صائمہ بولیں، صالحہ نے بغور صائمہ کا چہرہ دیکھا، اس چہرے پہ صرف اجنبیت تھی، صالحہ کا دل ڈوب سا گیا تھا، کیا دولت رشتوں کی پہچان بھی بھلا دیتی ہے وہ سوچ کر رہ گئیں، صائمہ کے جاتے ہی انہوں نے مومنہ کی کلاس لے لی تھی۔

''مومنہ! تم بہت زبان دراز ہو گئی ہو، بڑوں کی باتوں میں بولنے کا تمہارا کیا کام ہے؟''

''امی! میں نے غلط بات نہیں کی ہے، وہ آپ کی بہن ہیں، کیا وہ آپ کے حالات سے واقف نہیں ہیں؟ ایسے میں انہیں ایسی بات کرنا زیب نہیں دیتا تھا۔'' مومنہ نے جواب دیا۔

''کچھ بھی ہو، تمہیں بیچ میں نہیں بولنا چاہیے تھا، یہ بدتمیزی ہے، اسے برا لگا اور وہ بنا کچھ کھائے پیئے چلی گئی، کتنے مہینوں بعد آئی تھی۔'' امی کو افسوس ہو رہا تھا۔

''امی! میں نے بدتمیزی نہیں کی ہے لیکن اگر آپ کو برا لگا ہے تو سوری، میں آئندہ ایسے نہیں کہوں گی۔'' مومنہ نے آہستہ سے کہا، صالحہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔

☆☆☆

صائمہ اور صالحہ دو بہنیں اور دو بھائی تھے، صالحہ بچپن سے ہی بہت محبت کرنے والا مزاج رکھتی تھی، جبکہ صائمہ خود سر، ضدی اور غصیلی تھی، وہ اپنی چیزیں اپنے بہن بھائیوں کو کبھی نہیں دیتی تھی، صالحہ ایثار پسند تھی، قربانی دینا جانتی تھی، ان کے لئے رشتے اہم تھے، صائمہ صرف لینا جانتی تھی، وہ مادہ پرست تھی وہ اپنے خون کے رشتوں سے محض سرسری تعلق رکھتی تھی، شادی کھاتے پیتے گھرانے میں ہوئی تھی، پیسہ آتے ہی ان کے تیور مزید بدل گئے تھے، پیسہ ان کے نزدیک سب کچھ تھا، نمود و نمائش کی قائل تھی، صالحہ کا برعکس تھی۔

پرانی یادوں سے سر جھٹک کر وہ کچن میں

آئی تو نمرا دال چاول بنانے میں مصروف تھی، انہیں بہت پیار آیا اپنی فرمانبردار، سلیقہ شعار بیٹی پہ جس نے انہیں درحقیقت بہت آرام دیا تھا، پورا گھر سنبھال لیا تھا، اس کے علاوہ بھی وہ بہت کم گو تھی، اپنے والدین کی اطاعت گزار، خدمت گزار تھی۔

''یہ چلی جائے گی اب کچھ ہی عرصے کی مہمان ہے، اللہ اس کا نصیب اچھا کرنا، اسے بہت سکھ دینا۔'' انہوں نے نمرا کو محبت سے دیکھ کے دل سے دعا کی تھی۔

''تمہارے ابو آ جائیں پھر دستر خوان لگا دینا بیٹا۔'' وہ نمرا کو دیکھ کر بولیں۔

''جی امی!'' نمرا نے اثبات میں سر ہلایا، رات کا کھانا وہ ہمیشہ مل کے ہی کھاتے تھے۔

جاوید احمد اور صالحہ کو اپنی بیٹیاں بہت پیاری تھیں، اگر بیٹے کی کوئی کسک تھی بھی تو کبھی ظاہر نہیں کی تھی، نہ کبھی اپنی بیٹیوں کو احساس ہونے دیا تھا۔

کچن سے نکل کر نمرا اور مومنہ کے مشترکہ کمرے میں داخل ہوئیں تو مومنہ اپنے چاروں اطراف کتابیں پھیلائے زور و شور سے نوٹس بنانے میں مگن تھی۔

انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بے حد خوب صورت اور معصوم بیٹی کو دیکھا اور آ کر اس کے پاس بستر پر بیٹھ گئیں۔

''ارے امی آپ؟ کب آئیں۔'' ان کے بیٹھنے پر اس نے چونکتے ہوئے سر اٹھایا۔

''ابھی آئی ہوں، یہ کیا تم نے چاروں طرف کتابیں پھیلا رکھی ہیں۔''

''نوٹس بنا رہی تھی امی! آپ کو تو پتہ ہے ایک کتاب سے پڑھ کر مجھے تسلی نہیں ہوتی۔'' مومنہ نے مسکراتے ہوئے اپنی مجبوری بیان کی اور پھر بولی۔

''آپ کو کوئی کام تھا؟''

''ہاں تمہارے بابا اپنی لاڈلی بیٹیوں کا دستر خوان پہ انتظار کر رہے ہیں، تم دونوں کے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا۔''

''بابا ہم سے بہت محبت کرتے ہیں ناں امی۔'' اس نے پین کا کیپ بند کرتے ہوئے سیاہ چمکتی ہوئی آنکھیں ماں کے چہرے پر جماتے ہوئے پوچھا، باپ کی محبت اس کے چہرے پر نور بن کر چمکی تھی، اس کے لبوں پر اتنی دھیمی، بے ساختہ سی مسکراہٹ تھی کہ انہوں نے اپنی نظر لگ جانے کے خیال سے ہی اس پر سے نظریں ہٹا لیں، سیاہ شلوار قمیض میں بالوں کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں قید کیے چہرے پر بے پناہ معصومیت لیے وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

''جب مجھے یہ اتنی خوبصورت لگتی ہے، جبکہ میں تو اسے ہر وقت دیکھتی ہوں تو دوسروں کو کتنی پیاری لگتی ہو گی؟'' انہوں نے دل میں سوچا اور کئی دعائیں اس پر پڑھ کر پھونکنے لگیں۔

''ارے بھئی کہاں رہ گئیں صالحہ، ہم بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔'' یہ بابا کی آواز تھی، وہ چونک کر اٹھیں۔

''میں بھی ناں، تمہیں بلانے آئی تھی، تم نے بھی مجھے باتوں میں لگا لیا، چلو اٹھو جلدی نیچے آؤ، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہو گا۔'' وہ جلدی سے بولتے ہوئے دروازے سے نکل گئیں تو مومنہ نے بھی جلدی سے کتابیں بند کیں اور ہاتھ دھو کر نیچے آ گئی۔

''السلام علیکم بابا!'' مومنہ بولی۔

''وعلیکم السلام! بڑی دیر کر دی میرے بیٹے نے آنے میں۔'' بابا اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے تھے۔

''میں نوٹس بنا رہی تھی بابا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا، یونہی سب گھر والے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے کھانا کھا رہے تھے، امی ابو نمرا کی شادی اور متوقع سسرالیوں کو ڈسکس کرنے لگ گئے تھے، مومنہ نے برتن اٹھائے اور پھر سب برتن دھو کر کچن صاف کیا تھا۔

''لڑکا جدہ سے آجائے ہم فائنل تب ہی کر لے گئے۔'' جاوید احمد بولے۔

''لیکن سلمیٰ بہن کہہ رہی ہے جب تک ہم رسم کر جاتے ہیں۔'' صالحہ بولیں۔

''میرا مشورہ تو یہ تھا کہ جب تک لڑکے سے نہ مل لے مکمل چھان بین نہ ہو جائے انہیں رسم مت کرنے دو، تمہارا کیا خیال ہے؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔'' صالحہ فکر مندی سے بولیں۔

''تم پریشان مت ہو، میں مطمئن ہوں ان لوگوں سے اور یہ تمہارے پرانے جاننے والے ہیں، بظاہر کوئی خامی نظر نہیں آتی، بس میں لڑکے سے مل لوں۔'' جاوید احمد نے تسلی دیتے ہوئے نرمی سے کہا جانتے تھے ان کی بیوی صالحہ بیٹیوں کے لئے بہت حساس ہے۔

ہر ماں ہی ہوتی ہے، بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں لیکن آسان نہیں ہوتا محبت اور ناز سے پاس اپنے وجود کے حصے کو غیروں کو اپنے ہاتھ سے سونپنا جب سے نمرا کا رشتہ آیا تھا، سچ تو یہ تھا کے رشتے کی خوشی اپنی جگہ اندیشے اور وسوسے اپنی جگہ تھے۔

''صالحہ! تم بھی عجیب ہو، جب تک نمرا کا رشتہ کوئی مناسب نہیں آیا تھا، تب بھی پریشان تھی اور اب تمہاری پسند کا رشتہ آ گیا ہے، اب بھی پریشان ہو۔'' جاوید احمد نے مذاق میں چھیڑا۔

''میں سوچتی ہوں، یہ ہمارے آنگن کی چڑیاں ہیں، ان ہی کے دم سے رونق ہے گھر میں، ان کے جانے کے بعد ہم تو تنہا ہو جائیں گے۔'' صالحہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔

''پاگل! ہم نے کیا ہمیشہ اس دنیا میں ہی رہنا ہے، دعا یہ کرو کے ہم اپنی زندگی میں ان کا فرض ادا کر دیں۔'' جاوید احمد سنجیدہ ہوئے تھے۔

''انشاء اللہ۔'' صالحہ بے ساختہ بولیں تھیں۔

☆☆☆

''میں نہیں جانتا کب سے مگر یہ ضرور کہوں گا، ان دنوں جب اپنا اچھا برا سمجھنے کا تجربہ نہیں ہوتا، تب سے مجھے مومنہ اچھی لگتی ہے، جب وہ خالہ کے ساتھ ہمارے گھر آتی تھی، میں سارے کام چھوڑ کر اس کے آس پاس منڈلاتا رہتا، مجھے اس وقت یہ نہیں پتہ تھا اسے محبت کہتے ہیں، اس وقت ایسی سوچ کہاں سے آتی ہے، ان دنوں تو دل اگر چاند کی تمنا کرے تو دل اسے حاصل کرنے کے لئے مچل جاتا ہے، بچپن کی خواہش ہے وہ میری، اسے حاصل کرنا مشکل نہیں ہے۔''

''اور میں علی عثمان کیا خامی ہے مجھ میں؟ خالہ خالو میرے رشتے پہ انکار نہیں کر سکے گے، ایسے رشتے بھلا آسانی سے ہر ایک کو کہاں مل سکتے ہیں۔'' شیو بناتے ہوئے شیشے میں علی نے اپنا خوبرو چہرہ اور اپنے اسٹیٹس کو سوچتے ہوئے خود سے کہا، اس کی آنکھوں میں دولت کا خمار اور غرور کی جھلک تھی۔

مومنہ جاوید میں کوئی کمی نہیں تھی صرف وہ ایک کم حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، یا شاید اس کا غریب ہونا ہی خامی تھا، جو علی کے اندر غرور جھلک رہا تھا، علی اس بات سے بے خبر تھا کہ ''مومنہ کے لئے عزت نفس کی سلامتی مال و جائیداد سے بڑھ کر اہم تھی۔'' اس نے عام

لڑکیوں کی طرح کبھی دولت مند شوہر کے خواب نہیں دیکھے تھے۔
اس کے خوابوں کا شہزادہ، باکردار، با اخلاق، سچا کھرا انسان تھا، جو اس سے خالص محبت کرے اور اس کی عزت کرے۔
جس کو مومنہ کے بے پناہ حسن سے سروکار ہو نہ مومنہ کو اس کی دولت کی چاہ ہو، مومنہ عام لڑکیوں کی طرح سطحی سوچ نہیں رکھتی تھی، ورنہ جس طرح صبح و شام علی عثمان دیوانہ وار اس کے گھر کے پھیرے لگاتے ہوئے اظہار محبت کرتا تھا، کوئی اور لڑکی ہوتی اس کے پاؤں پہ بچھ چکی ہوتی۔
علی عثمان، صائمہ عثمان کا بیٹا تھا، غرور تکبر اس کی ذات کا حصہ تھا، خودنمائی اور خود ستائشی کی عادتیں بھی اپنی والدہ محترمہ سے لیں تھیں۔
ہاں البتہ مومنہ کے سامنے کبھی شو نہیں کیا تھا، مومنہ اس کی محبت تھی، مومنہ کو وہ اپنی محبت سے حاصل کرنا چاہتا تھا، جیتنا چاہتا تھا۔
مومنہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی، یہ بے چینی اور پریشانی تو تھی مگر وہ کسی اور سے بھی محبت نہیں کرتی تھی یہ اطمینان بھی تھا۔
ہر شام دور افق پر ڈوبتے سورج کے ساتھ اپنی محبت محبت کا ایک باب روزانہ رقم کرتا تھا، ایسے میں جو سرشاری کی کیفیت رگ و پے میں جاگزین ہوتی ہے تو شام کی اداسی، اداسی کے اجلے تن میں محبت بن کر پھیلتی ہے تو اندر تک سکوں پھیلنے لگتا ہے اور بہت سے ان کہے لفظ سطر در سطر محبت لکھتے ہیں۔

محبت ہے
ٹھٹھرتی آبشاروں میں بجھی ٹھنڈی ہوا سی
شبوں کے گنبدوں میں گونجتی بے چینوں کے
درمیان رہنا
ہر اک موسم کو اپنے اندرونی موسموں کی زد میں
لے آنا
کبھی مل کے کسی سے
بے خبر آدھے سمندر تک سفر کرنا
کبھی تنہا کسی ساحل پہ آ کے دیر تک لہروں کو دیکھنا
اور خلا میں دیکھتے رہنا محبت ہے
کسی کھوئے ہوئے کو غیر ارادی طور پر
ہر اجنبی چہرے میں اکثر ڈھونڈتے رہنا
ہمیشہ بے خیالی میں
کتابوں، چاند، تاروں، بادلوں پر
اس کے بارے میں جھلملاتی بات لکھ دینا
یا پھر لکھ کے مٹا دینا
کبھی رنگوں کی لہروں پر
اسے بے صورت ہونٹوں سے صدا دینا
خلاؤں سے تہی دامن پلٹتے دیکھنا
اور پھر صدا دینا
محبت ہے
میں کیا لکھوں
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
بہت ہی روٹھ کر ناراض ہو کر
ناپسندیدہ خیالوں، نفرتوں کی اوٹ سے
یا مختلف حیلوں بہانوں سے
کسی کو جھانکتے رہنا
کسی کو سوچتے رہنا
وہ مانے یا نہ مانے
بس اسے لکھنا، اسے کہنا
محبت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

☆☆☆

”علی! بھائی سلیم کی ثنا کیسی لگتی ہے تجھے؟“ صائمہ بیگم نے کہا تو علی جو چائے پی رہا تھا، اچانک اس سوال پہ چونک کر اپنی امی کو دیکھنے

لگا۔
''جیسی ہے ویسی ہی لگتی ہے۔'' علی نے بے نیازی سے جواب دیا۔
''مجھے تو بڑی پیاری لگتی ہے۔'' صائمہ خوشدلی سے بولی تھیں۔
''اچھا......''
''اب تو بتا تجھے کیسی لگتی ہے؟''
''امی! اس سوال کا مطلب؟'' علی بے زاری سے بولا تھا، جب سے لاہور سے آیا تھا، اسے مومنہ کے گھر جانے کی جلدی تھی، سو تھکن کے باوجود نہادھو کر فریش ہو کر چائے پی کر اب وہ مومنہ کے گھر جانے کا ہی ارادہ کر رہا تھا۔
''بیٹا! میں چاہتی ہوں تیری ثناء سے شادی ہو جائے، ثنا بھائی سلیم کی اکلوتی بیٹی ہے اور بھائی سلیم بڑا دولت مند ہی نہیں بڑا فراخ دل بھی ہے، اتنا بڑا گھر اور وسیع کاروبار ہے۔'' صائمہ جوش سے بول رہی تھیں۔
''امی! مجھے ثنا بالکل پسند نہیں ہے؟'' علی نے اطمینان سے جواب دیا۔
''پتہ ہے بھائی سلیم کہہ رہا تھا کہ میں اپنے داماد کو منہ دکھائی میں گاڑی دوں گا۔'' صائمہ علی کے جواب کو نظر انداز کر کے ہنوز جوش سے بولے جا رہی تھیں، وہ بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔
''امی! میں ثناء سے شادی نہیں کر سکتا۔'' علی نے دوبارہ اپنی بات پر زور دیا۔
''کیوں نہیں کر سکتا؟'' وہ ناگواری سے پوچھنے لگیں۔
''اس لئے کہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔'' علی نے بے حد سکون سے کہا۔
''تجھے پڑھایا لکھایا، اپنے منہ میں نوالہ ڈالنے سے پہلے تیرے منہ میں ڈالا، اچھی سے اچھی چیز تیرے لئے رکھی، اب یہ صلہ دے گا ہمیں؟'' وہ شاکی ہو کر بولیں۔
''تو کیا نرالا کر دیا، سارے ماں باپ یہ ہی کرتے ہیں۔'' علی نے بے نیازی سے کہا۔
''ٹھیک کہا سارے ہی کرتے ہیں، مگر ساری اولادیں تجھ جیسی نافرمان نہیں ہوتیں۔'' صائمہ بوجھل دل کے ساتھ کھڑی ہو گئیں، صائمہ کو دلی صدمہ ہوا تھا۔
علی ساری اولادوں میں سب سے عزیز تھا، اس کے لئے بیٹیوں سے ناانصافی کر جاتیں تھیں، آج وہ ہی طعنے دے رہا تھا۔
''تو کیا نرالا کر دیا، سارے ماں باپ ہی کرتے ہیں۔'' صائمہ اپنے بیڈ پہ بے دم سی ہو کر بیٹھ گئیں۔
''یا اللہ! مجھے کتنا مان تھا اپنے بیٹے پہ۔'' صائمہ نے سر تھام لیا تھا۔
''لیکن...... اسے کس سے محبت ہو گئی؟ یقیناً میرے اکلوتے بیٹے کو کسی چڑیل نے اپنی اداؤں سے اپنے جال میں پھانسا ہے، میرا بیٹا تو بڑا سیدھا ہے، وہ مجھ سے بڑا پیار کرتا ہے، میں بھی اس لڑکی کا یہ خواب پورا نہیں ہونے دوں گی۔'' صائمہ نے عہد کیا وہ انتقامی مزاج رکھتی تھیں، آج تک شوہر، گھر اور اولاد پہ حکمرانی کی تھیں، اب کسی کی شراکت انہیں گوارا نہیں تھی۔
''اس چڑیل نے میرے بیٹے کو نافرمان کر دیا، میں اسے مزا چکھاؤں گی۔'' صائمہ کی آنکھوں میں ان دیکھی، لڑکی کے لئے نفرت کی چنگاریاں نمایاں تھیں۔

☆☆☆

''بیٹا! آج بریانی بنا لو ساتھ میں چکن کا سالن بھی آج انہیں کھانا کھلا کے ہی جانے دیں گے اب رشتے داری جو ہو گئی ہے۔'' امی نے ہدایت کی تھی۔

''نمرا اپنا سوٹ سلائی کر رہی ہے، صفائی اس نے کر لی ہے، سالن اور کسٹرڈ میں بناؤں گی بس تم بریانی بنالو۔'' شدید گرمی میں امی کی ہدایت اسے بھلی نہ لگی۔

''یہ بریانی نجانے کس سر پھرے کی ایجاد ہے، اتنے تو مصالحے ڈلتے ہیں، دل چاہ رہا ہے ایسی بریانی بناؤں، تمہاری ساس مدتوں یاد رکھے۔'' مومنہ نے مصنوعی غصے سے نمرا کو سنانے کے لئے کہا تھا، ساتھ میں چہرے پہ آئے پسینے کو صاف کیا۔

''ضرور بنانا ایسی بریانی مگر میری بہن اپنی ساس کے لئے۔'' نمرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اس تنور کی مانند گرمی میں اس پیاز کی طرح میں جل بھن رہی ہوں اور تم اپنی ساس کی حمایت کر رہی ہو۔'' مومنہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''نمرا تم نہا دھو کر حلیہ درست کر لو، اپنے بال دیکھے ہیں صحرا کی جھاڑیاں۔'' مومنہ نے چھیڑا۔

''میں نہانے جا رہی ہوں۔'' نمرا سنجیدہ ہوئی۔

یاسر بڑی عید کرنے پاکستان آنے والا تھا، لیکن اب ارادہ بدل گیا تھا کہ ایک ہی مرتبہ اپنی شادی میں آئیں گے، اس کے سسرال والے آج عیدی لے کر آ رہے تھے۔

نمرا کے سسرال والوں کے آتے ہی گھر میں رونق ہو گی چاروں اطراف ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائیں دے رہیں تھیں، وہ لوگ عیدی لے کر آئے تھے، نمرا اپنے کمرے میں تھی۔

''میں صبح سے بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو رہی ہوں اور محترمہ یہاں چھپی بیٹھی ہیں۔'' مصروفیات اور عجلت میں بھی خوشی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''لو سنبھالو بھئی، تمہاری ساس تمہاری عیدی لائیں ہیں، جبکہ ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی، اسے کہتے ہیں محبت۔'' مومنہ نے تیز تیز بولتے ہوئے ڈبے بیڈ پر رکھے۔

''تمہاری ساس نے سب چیزیں پہلے سے اس لئے بھجوا دیں ہیں تاکہ وقت پر تیار ہو کر انہیں دیدار کروا سکو۔'' مومنہ ہنستے ہوئے ڈبہ کھول کر دیکھنے لگی۔

سفید شفون سوٹ پر گولڈن اور سلور امتزاج میں خوب صورت کام تھا۔

''واہ بھئی پسند تو بہت اچھی ہے تمہاری ساس کی، جب تمہاری ساس نے کہا کہ سب شاپنگ اپنی پسند سے کی ہے، سچ میں تو ڈر گئی تھی کہ نجانے کیا اٹھا لائے مگر یہ تو سب کچھ کمال کا ہے بھئی۔'' مومنہ نے سفید کھسے دیکھتے ہوئے کہا کھسے پہ بھی گولڈن اور سلور کام تھا، میچنگ زبردست تھی، ساتھ میں چوڑیاں اور کاسمیٹکس بھی تھا۔

''اور تم کیوں خاموش ہو، کیا خوشی سے سکتہ ہو گیا۔'' مومنہ نے اسے خاموش دیکھ کر چھیڑا۔

''جب سے کمرے میں آئی ہو مسلسل بولے جا رہی ہو، خاموش ہو تو میں کچھ بولو نا۔'' نمرا بولی۔

''میں سب چیزیں ڈبوں میں ڈال کے الماری میں رکھ رہی ہوں، تم بھی اٹھو، امی بلا رہی ہیں۔'' مومنہ نے چیزیں سمیٹیں، سب نے مل کر کھانا کھایا تھا، کھانے کے بعد نمرا نے چائے بنائی تھی، اس طرح رات کے دس بج گئے تھے، وہ اب جانے کی تیاری کر رہے تھے، دروازے پہ دستک ہوئی تو مومنہ اٹھ کر دروازے کی طرف

بڑھ گئی۔

''السلام علیکم!'' علی نے اسے بہت دن بعد دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا، چاندنی رات کا تمام تر حسن مومنہ کے چہرے پہ بکھرا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' مومنہ نے دھیمے سے کہا۔

''کیسی ہو؟'' اشتیاق سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں، تم بتاؤ؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''پہلے ٹھیک نہیں تھا، اب ٹھیک ہوں۔'' علی بولا، مومنہ نے جواب نہیں دیا، بس گھورنے لگی۔

''جینے لگا ہوں پہلے سے زیادہ تم پہ مرنے لگا ہوں۔'' علی گنگنانے لگا اور شوخ ہوا۔

''علی! گھر میں نمرا کے سسرال والے آئے ہیں۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''او کے۔'' علی سنجیدہ ہوا، مگر اس کی آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

''تم اندر جاؤ میں چائے لاتی ہوں۔'' مومنہ نے اسے ٹالا۔

مہمان جانے لگے تو سب انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئے تھے۔

علی سے کچھ دیر بات چیت کے بعد امی نماز پڑھنے لگیں اور ابو اپنے کمرے میں چلے گئے، نمرا برتن دھونے لگی، مومنہ صحن میں ہی بیٹھی تھی۔

''مومنہ!'' علی نے بہت دل سے پکارا تھا۔

''ہوں۔'' وہ مگن سے انداز میں بولی۔

''امی کہہ رہی تھی، ثناء سے شادی کر لو۔'' علی سنجیدہ ہوا تھا اب۔

''تو کر لو ثناء اچھی لڑکی ہے۔'' مومنہ نے جواب دیا۔

''ہو گی لیکن مجھے پسند نہیں ہے۔'' علی بولا۔

''کیوں؟'' مومنہ کو حیرت ہوئی۔

''تم نہیں جانتی کیا؟'' علی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''نہیں۔'' مومنہ نے انجان بنتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''تم اگر اب نہیں جانی تو پھر کبھی نہیں جانو گی۔'' علی نے خفگی سے کہا تھا۔

''مومنہ! تم جاننے کی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتیں۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے، تمہیں جاننے اور سمجھنے کی؟'' مومنہ تنک اٹھی۔

''واقعی تمہیں کیا ضرورت ہے، مجھے جاننے اور سمجھنے کی۔'' علی دکھ سے بولا تھا۔

''علی بھائی! کب آئے آپ؟'' نمرا اس کی آمد سے بے خبر کچن میں مصروف تھی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے۔'' علی مسکرایا، افسردہ، پھیکی سی بے جان مسکراہٹ۔

''میرا دل کہہ رہا تھا تم آج ضرور آؤ گے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''تمہارے دل کی خوشی کا احساس یہاں لے آتا ہے، ورنہ یہاں کس کو میری پروا ہے۔'' وہ بولا۔

''میں کھیر لے کر آتی ہوں، امی نے بہت مزے کی بنائی ہے۔''

''پھر کبھی سہی۔'' وہ جانے کے لئے مڑنے لگا تھا۔

''ایسے تو نہیں جانے دوں گی، کھیر تو آپ کو لازمی کھلانی ہے، پسند ہے نا آپ کو؟'' نمرا بولی۔

''مجھے کچھ کام ہے۔'' علی نے بہانہ بنایا۔

''چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔'' وہ ڈپٹ کر بولی، وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

''محبت تم نے کب کی ہے۔'' مومنہ کو ایک گونج سنائی دے رہی تھی، سر جھٹک کر مومنہ نارمل ہوئی، دونوں کے درمیان ایک محسوس کرنے والی خاموشی تھی، نمرا کھیر لینے کچن میں گئی تھی، علی چپ

تھا، مومنہ کو آج وہ پہلی مرتبہ سنجیدہ کچھ پریشان کچھ اداس نظر آرہا تھا۔

''یہ لیجئے جناب مزے دار کھیر۔'' نمرا شوخی سے بولی۔

''شکریہ۔'' علی نے بے دلی سے پیالی تھامی تھی۔

''کھایئے اور بتایئے اس کا ذائقہ کیسا لگا ہے؟'' نمرا اس کے موڈ سے بے خبر تھی آج بہت خوش تھی، خوشی اس کے چہرے اور اس کے ہر انداز سے واضح تھی۔

''کھیر واقعی بہت مزے کی ہے۔'' علی نے مسکرا کے کہا تھا۔

''بہت خوش نظر آرہی ہو، بہت مبارک ہو۔'' علی بولا۔

''خیر مبارک۔'' نمرا مسکرائی تھی۔

''موصوف کی کوئی تصویر وغیرہ تو دیکھی ہو گی؟'' علی نے پوچھا، نمرا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کیسے لگے اپنے ہونے والے مجازی خدا؟'' علی نے چھیڑا۔

''جیسے وہ ہیں۔'' نمرا بولی۔

''کیسے ہیں وہ یہ ہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں؟'' علی شرارت سے مسکرایا۔

''جیسے نظر آرہے ہیں تصویر میں۔'' نمرا نے بھی شرارت سے جواب دیا تھا، علی کا سابقہ موڈ خوشگوار موڈ کی صورت اختیار کر گیا تھا، دونوں باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔

☆☆☆

مومنہ کالج سے آئی تو امی اور نمرا جیسے اس ہی کی منتظر تھیں، دونوں کہیں جانے کے لئے تیار تھیں، ان کے چہرے پہ پریشانی کے آثار تھے، نمرا مضطرب صحن میں چکر کاٹ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' سلام کے بعد اس نے پوچھا۔

''آپ لوگ کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں؟'' مومنہ نے دریافت کیا۔

''علی! کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا رات میں صبح ہمیں پتہ چلا ہے۔'' نمرا نے پریشانی سے بتایا۔

''شکر ہے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں، ابھی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر آیا ہے گھر، اس سے ملنے جانا ہے۔'' امی بولیں۔

''تم یونیفارم چینج کر کے فریش ہو کر جلدی آؤ۔'' نمرا نے ہدایت کیں۔

''اچھا!'' وہ تھکے قدموں سے واش روم کی طرف چل دی، صبح ناشتہ کیے بناء گئی تھی، بھوک سے برا حال تھا، کینٹین بھی نہیں جانے کی عادت تھی۔

امی اور نمرا کی تیاری دیکھ کر اسے اندازہ تھا، کھانا اسے آکر ہی ملے گا۔

کچھ دیر میں وہ چینج کر کے فریش ہو کر آئی، رکشہ گھر کے پاس سے ہی مل گیا تھا، راستے میں مارکیٹ سے امی نے پھل وغیرہ لئے۔

گیٹ خالہ نے کھولا تھا، صائمہ خالہ رسمی سا ملنے لگیں تھیں مگر امی نے گرمجوشی سے انہیں خود میں بھینچ لیا تھا، ثنا کو بھی محبت سے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اس کی پیشانی چومی۔

''ماشاءاللہ۔''

''علی کیسا ہے؟'' امی نے بیتابی سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہے۔'' صائمہ مطمئن نظر آرہیں تھیں۔

''شکر ہے، شکرانے کے نوافل ضرور پڑھنا۔'' امی نے کہا۔

''اور صالحہ! بھائی صاحب کے کیا حال ہیں؟'' صالحہ نے مختصر کہا۔

''مومنہ! ثنا کو آواز دو۔'' انہوں نے مومنہ سے کہا۔

''اس سے کہو چائے بنا دے۔'' صائمہ خالہ بولیں، مومنہ اب کیا اپنے منہ سے کہتی بیٹھی رہی۔

صائمہ اور نمرا امی پھر باتوں میں مگن ہو گئی تھیں، کچھ دیر بعد صائمہ کی نظر ذرا فاصلے پہ بیٹھی مومنہ پہ پڑی۔

''مومنہ! تم ابھی تک یہیں ہو، ثنا کو بلا لاؤ۔'' مومنہ کو مجبوراً اٹھ کے جانا پڑا، سامنے سے علی آ رہا تھا، وہ لنگڑا کر بہت دھیرے دھیرے چل رہا تھا، اس کے چہرے سے کمزوری اور بے زاری مترشح تھی، جس میں اب شدید ترین بے یقینی کا رنگ غالب آ گیا۔

''السلام علیکم کیسے ہو؟ میں تمہاری ہی طبیعت معلوم کرنے آئی ہوں، کیا بہت زیادہ چوٹ لگ گئی؟'' مومنہ نے متفکرانہ انداز میں پوچھا۔

علی کی حیرت ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، کوئی بھی جملہ کہنے سے گویا قاصر تھا، قوت گویائی سلب ہو گئی تھی شاید۔

''تم......'' بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔

''اب اس میں اتنے حیران ہونے کی کیا بات ہے؟'' مومنہ نے نرمی سے کہا۔

''آؤ بیٹھو۔'' علی کو مہمان داری کا خیال آ گیا۔

''نہیں تم بھی ڈرائینگ روم میں آ جاؤ، امی اور نمرا بھی وہیں ہیں۔'' مومنہ نے معذرت کرتے ہوئے اس کی توجہ امی اور نمرا کی جانب مبذول کروائی۔

''ہاں وہیں چلتے ہیں۔'' علی نے خلاف توقع بڑی فرمانبرداری سے کہا۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔'' علی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ایکسیڈنٹ ہونے پر۔'' مومنہ نے چھیڑا۔

''نہیں ایک خوبصورت پری کے گھر آ جانے پر۔'' علی نے بے باکی سے کہا۔

''علی! تم کبھی نہیں سنجیدہ ہوتے۔'' مومنہ نے خفگی سے کہا۔

''تمہیں دیکھ کر سب بھول جاتا ہوں۔'' علی نے وضاحت کی، اتنے میں دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے، صائمہ خالہ چونکیں۔

''مومنہ! میں نے تمہیں ثناء کو بلانے بھیجا تھا، تم علی کو بلا کے لے آئی۔''

''خالہ! میں ثناء کو بلانے جا رہی تھی، علی باہر ہی آ رہا تھا اور آپ ثناء کو ڈسٹرب مت کریں، ہم چائے پینے نہیں آئیں۔'' مومنہ کو ان کی بات بہت بری لگی تو فوراً جواب دینا ضروری سمجھا۔

امی نے اسے گھورا، وہ نمرا کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''امی! خالہ اتنے عرصے بعد آئیں ہیں، ابھی تک کوئی خاطر مدارت نہیں کی آپ نے، آپ خود دیکھیں پلیز ثناء تو ہمیشہ سے کام چور ہے۔'' علی نے اپنی امی کو احساس دلایا۔

''ثناء کے ایگزم ہونے والے ہیں، وہ اسٹڈی میں بزی ہے۔'' صائمہ کو ان سب کے سامنے علی کا ثناء کو کام چور کہنا ناگوار گزرا تھا۔

امی علی کی خیریت دریافت کرنے لگیں تھیں، اتنی دیر سے ماحول میں جو تکلف اور رسمی گفتگو کا سلسلہ چل رہا تھا، اب ختم ہو گیا تھا، علی نے آتے ہی محفل میں رونق کا سماں کر دیا تھا، ثناء بھی ان کی باتوں میں شامل ہو گئی تھی، کچھ دیر میں خالو سے مل کر وہ واپس آ گئے تھے۔

علی بضد تھا کہ وہ لوگ رات کا کھانا کھا کر

جائے، مگر انہوں نے معذرت کرلیں۔
مومنہ نے دل میں سوچا چائے چار گھنٹوں میں بنیں تھیں، کھانا دوسرے دن ہی ملتا۔
علی کو آج بہت خوشی ہو رہی تھی، کل تک وہ مومنہ کی بے رخی سے اداس تھا، مگر آج اس کی آنکھوں میں اپنے لیئے فکر اس کے لہجے میں اپنے لیئے نرمی دیکھی تھی۔

اک بار وہ ملا تھا مجھے بے رخی کے ساتھ
اس دن سے دل کا شہر برابر اداس ہے
دیکھی ہے اس کی آنکھ میں پہلی دفعہ نمی
یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اداس ہے

''امی! مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی، جب کالج سے آئی تھی۔'' مومنہ نے گھر آتے ہی کہا۔
''تم نے وہاں چائے کے ساتھ بھی کچھ نہیں لیا؟'' نمرا بولی۔
''دل نہیں چاہا۔'' مومنہ کو خالہ کی نگاہیں یاد آگئیں۔
''میں سالن گرم کر کے روٹی بناتی ہوں۔'' امی نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔
''امی! آپ تھک گئیں ہوگی، میں روٹی بناتی ہوں۔'' نمرا ان کی طرف لپکیں، مومنہ چادر ایک طرف اچھال کر لیٹ گئی تھی، دس منٹ میں نمرا نے کھانا لگا دیا سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔
''مومنہ! آج تمہارے ابو لیٹ ہو گئے؟'' امی نے گھڑی دیکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا، شام کے سات بج رہے تھے۔
''امی! آج ہفتہ ہے، فیکٹری میں حساب چیک ہوتا ہے۔'' مومنہ نے یاد کروایا تھا۔
''ہاں بھئی یاد آ گیا۔'' امی بولیں۔
''شکر ہے علی کی طرف سے تسلی ہو گئی، ورنہ میرا دل تو سنتے ہی ڈوب گیا تھا، ایک علی ہی جو وقت بے وقت آ جاتا ہے۔'' ان کے لہجے میں بھانجے کے لیئے محبت تھی۔
''جی امی! میرا کوئی بھائی تو ہے نہیں میں نے ہمیشہ علی کو ہی بھائی سمجھا ہے۔'' نمرا نے سادگی سے کہا۔
اتنے میں جاوید صاحب گھر میں داخل ہوئے۔
''السلام علیکم!'' سلام کیا۔
''وعلیکم السلام!'' مومنہ اور نمرا بیک وقت بولیں۔
''ابو! آج آپ کافی دیر سے آئے ہیں؟'' مومنہ بولی۔
''ہاں بیٹا! آج ٹریفک بہت جام تھا، چالیس منٹ لگ گئے تھے ٹریفک میں پھنسے ہوئے۔''
''تب تو آپ بہت تھک گئے ہوں گے۔'' نمرا نے تاسف سے کہا اور ساتھ ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس دیا۔
''تھک گیا تھا، لیکن گھر آتے ہی ساری تھکن اتر گئی۔'' جاوید صاحب مسکرا دیئے، تین سانسوں میں پانی کا گلاس ختم کیا، پانی کی ٹھنڈک رگ رگ میں اتر رہی تھی۔
''ٹریفک کا سسٹم پتہ نہیں کب ٹھیک ہو گا؟'' نمرا نے منہ بنایا۔
''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔'' مومنہ نے جواب دیا۔
''نمرا سالن گرم کرو، روٹی بناؤ، دیکھ نہیں رہی صبح کے گئے اب تھکے ہارے آئے ہیں۔'' صالحہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نمرا کو ہدایت دی۔
''کھانے کے بعد مومنہ تم چائے بنا لینا۔'' مومنہ اور نمرا دونوں کچن میں آ گئیں، صالحہ، جاوید

صاحب کو صائمہ کے گھر جانے اور علی کے متعلق بتانے لگیں۔

☆☆☆

زندگی ان دنوں بہت خوشگوار تھی اور بے فکری بھی، فکر کرنے کے لئے ابو تھے، محبت لٹانے کے لئے امی تھی۔

نمرا کی منگنی اچھے طریقے سے ہو گئی تھی، یاسر کو دیکھ کے مل کر سب کو خوشی ہوئی تھی۔

''ابو! آج ہم سب سی ویو چلیں؟'' مومنہ کو اچانک سی ویو جانے کا خیال آیا تھا۔

''چلو اپنی امی سے کہو۔'' ابو نے بھلا کبھی کوئی خواہش رد کی تھی جواب کرتے۔

''امی چلیں گی نا؟'' نمرا بولی۔

''نہیں تم لوگ جاؤ۔'' امی بولیں۔

''مگر کیوں امی؟'' مومنہ نے بے اختیار پوچھا۔

''یوں ہی میرا دل نہیں چاہتا باہر جانے کو، بوڑھی ہو گئی ہوں تم لوگ جاؤ۔''

''نہیں بالکل بھی نہیں، تم بوڑھی نہیں ہوئی ہو۔'' ابو نے امی سے کہا۔

''آپ کہیں نہ امی سے ساتھ چلیں۔'' نمرا نے منہ بسورا۔

''صالحہ! بچے کیا کہہ رہے ہیں، تیار ہو جاؤ۔'' امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

امی تیار ہو کر آئیں تو بہت پیاری لگ رہی تھیں، نیلے رنگ کے سوٹ میں ان کی گوری رنگت دمک رہی تھی، سب نے بہت انجوائے کیا، یہ ایک خوش گوار اور یادگار تفریح تھی اور شاید ان سب کی اکٹھی اور آخری بھی۔

مومنہ کے بی اے کے فائنل امتحان ہونے والے تھے، بی اے کا آخری سال تھا کہ ابو اچانک بیمار پڑ گئے، ان کے گردے خراب ہو گئے تھے، ان کو شوگر ہو گئی تھی، لیکن ابو نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، یوں ان کی صحت بہت اچھی تھی اس لئے بظاہر کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا، لیکن اندر ہی اندر بیماری اپنا کام کر رہی تھی، دونوں گردوں نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

ڈاکٹر نے ڈائی لیس کا مشورہ دیا تھا، یہ بہت تکلیف دہ عمل تھا، ابو کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا تھا، علاج بھی مہنگا تھا، اخراجات علاج کے فیکٹری برداشت کر رہی تھی، مومنہ سارا دن ہاسپٹل میں گزارتی۔

☆☆☆

''بیٹا! اپنی پڑھائی پر توجہ دو، تمہارا فائنل ائیر ہے۔'' ابو نے سمجھایا تھا۔

''میری تیاری ہے۔'' مومنہ نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''میری خواہش تھی، میں اس وقت تو زندہ رہتا، جب تک تم دونوں کی شادی نہ ہو جاتی، لیکن اب ایسا مشکل نظر آتا ہے۔'' وہ بہت رنجیدہ لگ رہے تھے۔

''پلیز ابو!'' مومنہ نے ٹوک دیا۔

''آپ ایسی باتیں نہ کریں، آپ انشاء اللہ زندہ رہیں گے بہت عرصے تک، اپنے لئے ہمارے لئے۔'' نمرا اور امی بے آواز آنسو بہا رہی تھیں، صالحہ کو تو اپنے کھانے پینے سونے جاگنے کا کچھ ہوش نہ تھا، وہ ایک پل کو ان کے پاس سے ہٹنے کو آمادہ نہ تھیں، نجانے کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ ان کے جیون ساتھی ان سے بچھڑنے والے ہیں۔

''مومنہ! تم میری بہادر اور حوصلہ مند بیٹی ہو، تمہیں ان کٹھن حالات میں ثابت قدم رہنا ہو گا، میں تم لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں، تم لوگوں کے لئے کچھ چھوڑ کے نہیں جا رہا، سوائے تنگدستی

اور پریشانی کے۔'' وہ دکھ سے بولے تو مومنہ تڑپ گئی، نمرا کے آنسو روانی سے بہنے لگے، وہ تو بات کرنے کے قابل بھی نہیں تھی۔

''ابو ہمیں فخر ہے، آپ نے ہمیں رزق حلال کھلایا، ہمیں اچھی تعلیم اور تربیت دی ہے۔''

''مومنہ! میری بیٹی تم پہ بہت بڑی ذمہ داری ڈال کے جا رہا ہوں، زندگی اگر مہلت دیتی تو ایسی نوبت کبھی نہ آتی۔'' حسرت ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

''ابو! ایسے مت کہیں۔'' نمرا چلائی تھی رنج سے۔

''تم نے اپنی امی کا بہت خیال رکھا ہے، نمرا تم سے بڑی ہے، مگر تمہاری طرح حوصلہ منداور بہادر نہیں، تمہیں بہن کو بھی سنبھالنا ہے، خود کو بھی سنبھالنا ہے۔''

''ابو!'' مومنہ نے ان کے ہاتھ تھام لئے اور آنسو ان کے ہاتھوں پہ گرنے لگے تھے۔

''روؤ مت۔'' ابو نے ہاتھ اٹھا کر مومنہ کے آنسو پونچھے، ان کے ہاتھوں میں لرزش تھی، بولتے بولتے تھک کر انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

پوری رات وہ بے چین رہے، تینوں ماں بیٹیاں پاس تھیں علی بھی ہاسپٹل میں تھا، خالہ خالو کچھ دیر کے لئے آئے تھے، حسب عادت خالہ کا غرور آسمان پر تھا۔

''پیسے وغیرہ چاہیے ہو تو مانگ لیا کرو، یہ تمہاری انا کی عادت بہت بری ہے۔'' خالہ نے نخوت سے کہا، امی خاموشی سے آنسو بہانے لگیں۔

''یہ ہمدردی تھی یا زخموں پہ نمک چھڑکنا۔'' مومنہ سوچ کے رہ گئی تھی۔

صبح ہوئی تو ان کی طبیعت کچھ بہتر لگی تھی، تبھی وہ سو گئے تھے۔

''تم دونوں کو گھر چھوڑ آؤ، شام کو واپس آ جانا، ساری رات سے جاگ رہی ہو۔'' علی پاس آ کر بولا۔

''آج ابا کا ڈائی لیس بھی ہے۔'' مومنہ نے یاد دلایا۔

''ہاں مجھے پتا ہے۔''

''میں تب تک یہاں ہی رکوں گی۔'' مومنہ بولی۔

''اور نمرا تم......'' علی نے نمرا کو دیکھا۔

''میں بھی ابو کے پاس رہوں گی۔'' نمرا نے جواب دیا، ان میں سے کوئی بھی ایک منٹ کے لئے بھی الگ ہونے پہ آمادہ نہیں تھا۔

شام کو انہیں ڈائی لیز کے لئے لے جایا جانے لگا تو وہ بولے۔

''صالحہ! پریشان مت ہونا، اپنا اور بچیوں کا خیال رکھنا۔'' امی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

وہ ساکت بیٹھی ہوئی تھی، مومنہ کا دل چاہ کچھ کہیں کچھ بولیں تا کہ دل میں آتے وہم پریشان نہ کریں، پھر بہت دیر ہو گئی، وہ ابو کو واپس نہیں لائے، اس سے پہلے تو اتنی دیر کبھی نہیں ہوئی تھی، مومنہ سوچ رہی تھی، اتنے میں علی کمرے میں آیا۔

''علی!'' نمرا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''کیا ہوا؟'' وہ گھبرا گیا۔

''وہ ابو کو ڈائی لیز کے لئے لے گئے تھے مگر زیادہ دیر ہو گئی ہے۔'' مومنہ پریشانی سے بولی۔

''اچھا میں پتا کر کے آتا ہوں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' وہ دونوں چلے گئے، امی واش بیسن میں وضو کر رہی تھی، مومنہ باہر آ گئی، اتنے میں کوریڈور میں ہی

علی اور نمرا نظر آ گئے۔

''مومنہ...... مومنہ!'' نمرا مومنہ کو دیکھتے ہی روتے ہوئے چلائی تھی۔

''ابو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔''

''نہیں...... نہیں۔'' مومنہ بے یقینی سے نمرا کو دیکھ رہی تھی، جو اس کے گلے لگے روئے جا رہی تھی، ایک قیامت تھی جو آ کر چلی گئی تھی۔

مومنہ بھی نمرا سے لپٹ کر زور زور سے رونے لگی تھی، ابو چلے گئے تھے اور جیسے کچھ نہیں بچا تھا، سب ختم ہو گیا تھا۔

مومنہ کو کچھ ہوش نہیں تھا، مومنہ کو تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کب باپ کو لائے اور کب وہ آخری سفر پر روانہ ہوئے تھے۔

باپ کو گئے اتنے دن ہو گئے تھے، اور انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چلے گئے ہیں۔

وہ تینوں صبح سے شام تک بیٹھیں سوچتیں رہتیں، ایک ایک بات، ایک ایک انداز، کیا ان کے بعد بھی کوئی ان سے اتنا پیار کر سکے گا، گھر میں اتنی خاموشی تھی کہ اس خاموشی سے خوف آتا تھا، چالیسویں کے بعد نمرا نے یاد دلایا۔

''مومنہ تمہارے فائنل ایگزام کب ہیں؟''

''ایگزام۔'' مومنہ نے دماغ پہ زور ڈالنا چاہا۔

''مجھے یاد نہیں۔'' مومنہ بے زاری سے بولی۔

''تم...... صبح کالج جاؤ، پتہ کرو، ڈیٹ شیٹ آ گئی ہو گی؟'' نمرا بولی۔

''میرا دل نہیں چاہے گا اب۔'' مومنہ اداسی سے بولی۔

''مومنہ! تمہیں یاد ہے ابو کی آخری باتیں، ابو کو تم سے کتنی امیدیں تھیں۔'' نمرا نے یاد دلایا تو وہ جلدی سے بے چین ہو گئی۔

''مجھے یاد ہے سب۔''

''تم تو بالکل ہمت ہار گئی ہو، امی کو کیا حوصلہ دو گی، امی کتنی پریشان ہیں۔'' نمرا نے احساس دلایا۔

''امی کہاں ہیں؟'' مومنہ شرمندہ ہوئی، وہ سب سے غافل ہو گئی تھی، بس ابو کو تنہا بیٹھی یاد کیے جاتی تھی۔

''امی! اپنے کمرے میں ہیں، میں نے دوائی دی ہے۔'' نمرا نے بتایا تھا۔

''امی کو کیا ہوا ہے؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''امی کو بخار ہے۔'' نمرا اداسی سے بولی۔

''کب سے؟'' مومنہ چونکی۔

''چار دن ہو گئے۔'' نمرا رو دینے کو تھی، ابو کے سانحے کے بعد وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔

مومنہ امی کے کمرے میں آئی، وہ نیند کی دوائی کے زیر اثر سو رہی تھیں، چہرے پہ نقاہت نمایاں تھی، کچھ ہی دنوں میں وہ اپنی عمر سے دوگنی نظر آ رہی تھیں، مومنہ ہلکے ہلکے ان کا سر دبانے لگی، نمرا بھی پاس بیٹھ گئی تھی، سب رشتے دار جا چکے تھے، رسماً سب نے کہا تھا، بلکہ یقین دلایا تھا کہ وہ سب دکھ میں ان کے برابر کے شریک ہیں، نمرا اور مومنہ کو تو رشتے داروں کی تسلیوں پہ یقین آ گیا تھا کے ناسمجھ تھیں۔

فکر صالحہ کو تھی، صالحہ کو یقین تھا کے وہ اپنے گھروں میں جا کر اپنی زندگی میں مگن ہو گئے ہوں گے جب کے ان کا غم تازہ تھا، صالحہ کو یہ بھی یقین تھا کے وہ کسی مشکل میں ان کے ساتھ نہیں ہوں گے، وہ صالحہ اور جاوید کے حالات سے بخوبی واقف تھے، اس لئے اپنی تقریبات میں انہیں بہت کم بلاتے تھے، جب کے ان کی بہن صائمہ کو بطور خاص فون پہ اصرار کر کے بلایا جاتا تھا، صائمہ کے ساتھ سب کے مراسم گہرے تھے،

صالحہ کے ساتھ نام کی رشتے داری تھی، جبکہ جاوید اور صالحہ بے حد محبت کرنے والے مخلص لوگ تھے، دونوں بے غرض اور سچے تھے، لیکن غریب کا مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی سے زیادہ محبت جتاتا ہے تو مدمقابل اگر امیر ہو تو وہ اس کے خلوص کو الگ رنگ میں دیکھتا ہے، کچھ اسے غرض سمجھتے ہیں کوئی خوشامدی کسی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر اسے زیادہ فری کرلیا تو کہیں مشکل وقت میں مجھ سے پیسے نہ مانگ لے، اس لئے اسے ایک حد میں رکھا جائے۔

صائمہ اور صالحہ ایسی ہی مثال رکھتی ہے، صائمہ شاطر، منافق، خود غرض، مادہ پرست خاتون تھیں جبکہ صالحہ ان کے برعکس تھی، بے غرض محبت رکھنے والی سادہ مزاج لیکن رشتے داروں میں پذیرائی صائمہ کو ملتی، صائمہ کو اہمیت دی جاتی ہے، یا یہ کہنا مناسب ہوگا اہمیت ان کے بیٹے کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

ایسے میں ان رشتے داروں سے صالحہ کوئی اچھی امید رکھے یہ سراسر محض حماقت ہی کہلائے گی، صالحہ غم سے باہر نکلی تو احساس ہوا، ان پہ ذمہ داریوں کا پہاڑ تھا، صالحہ ذمہ داریاں دیکھ کر چکرا گئیں۔

☆☆☆

مومنہ کچھ دن بعد کالج گئی تھی تو پتہ چلا امتحان نہ صرف شروع ہو چکے ہیں بلکہ تین پیپرز بھی ہو گئے ہیں، یہ خبر بہت بڑا صدمہ تھا۔

اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا، وہ اپنی کلاس کی ذہین طالبہ تھی، یہ اس کا بی اے کا فائنل ایئر تھا، اس کی محنت ضائع ہو چکی تھی، کالج کے بینچ پہ بیٹھی دکھ سے وہ آنسو بہا رہی تھی۔

ان حالات میں تعلیم اور ڈگری شوق ہی نہیں ضرورت بھی تھی، نجانے کتنے پل یوں ہی گزر گئے، خود کو حوصلہ خود ہی دیا اور گھر آ گئی تھی، امی اور نمرا کو بہت دکھ ہوا یہ جان کر جاوید صاحب کی وفات نے تو سب ہی کچھ بھلا دیا تھا اور اس بھلانے کا بھی نقصان ہوا تھا۔

''امی! بجلی کا بل دو مہینے سے نہیں گیا اور نہ ہی گیس کا بل گیا ہے؟'' نمرا نے کہا۔

''اوہ۔'' صالحہ نے سر پکڑ لیا۔

''امی! آج پکانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے سودا سلف سب ختم ہے۔'' نمرا بولی۔

''پیسے بھی میرے پاس بہت کم رہ گئے ہیں۔'' صالحہ پریشانی سے بولیں۔

''امی! اب کیا ہوگا؟'' مومنہ اپنی پریشانی بھول کر نئی پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''اللہ مالک ہے، وہ رزاق ہے کوئی سبب بن جائے گا۔'' صالحہ نے مومنہ سے زیادہ شاید خود کو بھی تسلی دی تھی۔

''امی! ابو کو فیکٹری سے کیا کچھ نہیں ملے گا؟'' نمرا نے سوال کیا۔

''بیٹا! تمہارے ابو کا علاج بہت مہنگا ہوا تھا، وہ تمام اخراجات فیکٹری نے برداشت کیے تھے، یہ گورنمنٹ جاب تو نہیں تھی جو ریٹائرمنٹ اور پنشن ہوتی۔'' صالحہ بولیں۔

''امی! اب کیسے گھر چلے گا؟'' نمرا افسردہ تھی، صالحہ کیا جواب دیتی اس سوچ نے تو اسے پریشان کیا ہوا تھا، دن کا سکون اور رات کی نیند سب ختم کر دیا تھا۔

''امی! میں جاب کر لیتی ہوں؟'' مومنہ بولی۔

''جاب تمہیں کہاں ملے گی، تم تو گریجویٹ بھی نہیں ہو، جبکہ ایم اے پاس بیروزگار ہو تمہارے پاس نہ ڈگری ہے نہ کوئی تجربہ۔'' نمرا مایوسی سے بولی تھی۔

''میں پھر بھی کوشش کروں گی۔'' مومنہ عزم سے بولی۔
مومنہ نے اپنی دوستوں کو جاب کے لئے کہا، کچھ ہی دن بعد ایک دوست مومنہ کے گھر تھی۔
''سنو مومنہ! جاب کرو گی؟'' عصمت نے کہا۔
''ہاں...... کہاں اور کیا کام ہے؟'' مومنہ نے پوچھا۔
''میڈیسن کمپنی میں جاب ہے، پک اینڈ ڈراپ سیلری بھی اچھی ہے۔''
''مجھے جاب مل جائے گی؟'' مومنہ نے پوچھا۔
''ہاں میں نے تمہاری بات کر لی ہے، میرے کزن ہیں وہاں ثاقب بھائی وہ تمہاری مدد کریں گے، تمہارا خیال رکھیں گے۔'' عصمت نے تسلی دی۔
امی کو پتہ چلا تو حسب توقع انکار کر دیا، بیٹی کی ماں تھیں، سو خدشوں وسوسوں نے گھیر لیا، بیٹی کی کم عمری، بھولپن زمانے کی تیزی وہ بھلا کیسے خود سے دور مومنہ کو بھیج سکتی تھی، لیکن مومنہ کے پاس بھی تو معقول وجوہات ٹھوس دلائل کا پلندہ تھا اور گھر کے نا مساعد یا رگر گوں حالات صالحہ کے سامنے تھے، آج اگر مومنہ کو روک لیتی ہے تو کل یا پرسوں آنے والے وقت میں کیا ہو گا؟ سوچیں فکریں صالحہ کا سر پھٹنے لگا تھا۔
اس کے باوجود انہوں نے اجازت نہیں دی تھی، ایسا تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ان کی کسی بیٹی کو نوکری کرنے پڑے گی۔
کمانے کے لئے گھر کی کفالت کے لئے باہر نکلنا پڑے گا، ساری رات وہ سو نہیں سکی، وہ اپنی بیٹی کو جاب پہ بھیجنے کے لئے آمادہ نہیں تھی۔

ابھی صبح فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوئی تھی کے ان کے بھائی سلیم کا فون آ گیا، خیر خیریت کے بعد مومنہ نے بات کی اور جاب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے صالحہ سے بات کی اور سمجھایا کہ آج کل جاب کرنا ممنوع نہیں سمجھا جاتا، جاب کے لئے اب حالات بھی موزوں ہیں اور جاب کرنے والی لڑکیوں کی ڈیمانڈ رشتے کے لئے زیادہ ہے، معاشی طور پہ آج کل ہر لڑکی مضبوط ہونا چاہتی ہے، شوہر اور سسرال والے ایسی لڑکی پہ زیادہ ظلم کرتے ہیں۔
کچھ دن عصمت کی یقین دہانی اور مومنہ کی ضد اور حالات سے آگاہی کے باعث صالحہ نے اجازت دے دی۔

☆☆☆

مومنہ جاب پہ آج پہلے دن جا رہی تھی، صالحہ بے حد فکر مند تھیں، بے شمار آیاتیں دعائیں پڑھ کر پھونکیں تھیں، مومنہ کے جاب پہ جاتے ہی ان کا دل گھبرانے لگ گیا تھا۔
مومنہ بھی بے حد گھبرائی ہوئی تھی، عصمت اس کے ہمراہ تھی، عصمت کے لئے یہ جاب وقت گزاری یا دل وبستگی کا بہانہ سہی، مومنہ کی تو مجبوری تھی، عصمت نے منظر کشی بے حد حسین کی تھی، کام اتنا سہل و خفیف بھی نہیں تھا، صاف ستھرا ماحول تھا، ثاقب بھائی قدرے سخت گیر انچارج تھے، سفید گاؤن شوز کیپ پہن کر پہلے ہی روز اس کی ٹانگیں کھڑے کھڑے اکڑ گئیں تھیں، کام ہی اتنے تواتر سے چلتا، مشین کے ہمراہ ہاتھ چلاتے چلاتے وہ ہلکان ہو جاتی اوپر سے انچارج کی کڑی نگاہیں، وہ ڈیپارٹمنٹ سے باہر آئی تو گویا کسی قید سے رہائی نصیب ہوئی ہو جیسے، تازہ ہوا میں سانس لی، دماغ ماؤف سا تھا، نگاہوں کے

سامنے بار بار اندھیرا چھا جاتا۔

اپنے بابا کو یاد کر کے آنسو بہائے اتنے میں عصمت آ گئی۔

"کہو کیسا رہا؟ مزہ آیا؟ لیکن تمہارا چہرہ تو اترا ہوا لگ رہا ہے۔" عصمت نے بغور اس کا چہرہ دیکھا، مومنہ کو اپنی کم ہمتی پہ شرمندگی سی ہونے لگی، عصمت دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں تھی، ثاقب بھائی اس کے کزن تھے، اس کے لئے سہل کام رکھا تھا، عصمت کے چہرے پہ تھکن بھی نہیں تھی، ائر کنڈیشنڈ روم میں سارا دن بیٹھنے کے بعد وہ بالکل فریش ہی لگ سکتی تھی، قریب ہی ایک لڑکا سیٹی بجاتا ہوا بے تکلفی سے آ کر کھڑا ہو گیا، مومنہ گھبرا گئی تھی۔

"زبیر! یہ میری دوست مومنہ ہے۔" عصمت نے خوشدلی سے تعارف کروایا تھا۔

زبیر ایک دبلا پتلا عجیب سے ہیر اسٹائل چھوٹی چھوٹی چمکدار آنکھوں والا لڑکا تھا، اک اچٹتی ہوئی سی نظر اس پر ڈال کر مومنہ دور ستونوں سے لپٹی بوگن ویلیا کو دیکھنے لگی، جبکہ مومنہ کو دیکھ کر زبیر کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس کی نظروں سے مومنہ کو الجھن ہونے لگی تھی، زبیر دلچسپی سے مومنہ کو دیکھ رہا تھا، بلاشبہ وہ فیکٹری کا سب سے حسین چہرہ تھا۔

اس وقت ورکر کو ڈراپ کرنے کے لئے وین آ گئی، ہارن دیا تو اک بھگدڑ سی مچ گئی، عصمت بھاگ کر وین میں سوار ہو گئی تھی، مومنہ تیز تیز چلنے لگی تو ٹانگیں لرزنے لگیں، وہ بمشکل اپنے من بھر کے قدموں کو گھسیٹتی وین میں چڑھی، عصمت کی برابر والی سیٹ پر دھم سے گری تھی اور اپنی منتشر سانسیں بحال کرنے لگی۔

"مومنہ! تم نے زبیر کو سلام بھی نہیں کیا، کیا سوچتا ہوگا؟" عصمت نے ٹوکا۔

"میں اسے کیوں سلام کرتی، میری بلا سے جو مرضی سوچے۔" مومنہ نے بے رخی سے جواب دیا تھا۔

"زبیر یہاں کا سب سے اچھا لڑکا ہے، کھاتے پیتے گھر سے ہے، فیکٹری میں جاب بس وقت گزاری کے لئے کرتا ہے۔" عصمت نے کہا۔

"اگر اتنا ہی کھاتے پیتے گھر سے ہے تو اتنی پر مشقت نوکری کیوں کر رہا ہے شاید لڑکیوں میں گھسنے کا شوق یا عارضہ ہے۔" مومنہ نے طنز کیا۔

"تم یہ بتاؤ تمہیں جاب کیسی لگی؟" عصمت نے پوچھا۔

"سو سو۔" مومنہ کا موڈ زبیر کی وجہ سے خراب تھا۔

"کیا...... سو سو...... بی اے ایم اے پاس نوکری کے لئے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، تمہیں آسانی سے مل گئی نا، اس لئے ناشکرا پن نہ کرو۔" عصمت سپاری کھاتے ہوئے بے تکی ہانکنے لگی، مومنہ بیزار ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی، گھر آیا تو مومنہ نے سکھ کا سانس لیا۔

صالحہ اور نمرا پانچ بجے سے ہی صحن میں بے چینی سے مومنہ کا انتظار کر رہی تھیں، پینتالیس منٹ کا فاصلہ تھا، پونے چھ ہو رہے تھے اس وقت دونوں کا پریشانی سے برا حال تھا، وین کی آواز پہ دونوں نے بے صبری سے دروازہ کھولا تھا۔

مومنہ کو وین سے اترتے دیکھا تو جان میں جان آئی تھی۔

"السلام علیکم!" مومنہ نے دھیمے سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام شکر ہے تم آ گئی۔" صالحہ بیقراری سے بولیں۔

"امی تو پانچ بجے سے صحن میں کھڑی

ہیں۔'' نمرا نے بتایا۔

''امی! آپ دونوں تو ایسے انتظار کر رہی تھیں جیسے میں سالوں بعد دوبئی سے آ رہی ہوں۔'' مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

''تمہیں کیا معلوم بیٹا میرے دل میں کیا گزر رہی تھی۔'' صالحہ نے نم آنکھوں سے بے بسی سے کہا تھا۔

''تھک گئی ہو نا۔'' نمرا نے اس کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ہمدردی سے کہا تھا۔

''ہاں۔'' مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''بیٹا! ماحول کیسا ہے کتنے لوگ کام کرتے ہیں؟'' صالحہ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کیے تھے۔

''امی! ماحول بہت اچھا ہے کافی لڑکیاں ہیں، ثاقب بھائی بہت شریف انسان ہیں۔'' مومنہ نے تسلی دی۔

''بیٹا! دیکھ لو، جاب ضروری نہیں ہے، سب سے اہم عزت ہے میں نہیں چاہتیں کوئی بری نظر بھی میری بیٹی پہ پڑے۔'' صالحہ جذباتی ہوئیں تھیں۔

''امی! میں جانتی ہوں، آپ بے فکر رہیں، ایسی کوئی بات ہوئی تو میں لمحہ بھی تمہیں لگاؤں کی جاب چھوڑنے میں۔'' مومنہ نے اٹل انداز میں جواب دیا۔

صالحہ کے دل کو اطمینان ہوا ان کی بیٹی سمجھدار اور باحوصلہ تھی۔

کچھ دیر میں تینوں نے ساتھ کھانا کھایا، کھانا کھاتے ہی مومنہ تھک کے بستر پہ لیٹ گئی اور سو گئی۔

اگلی صبح پھر نو بجے وین اس کے دروازے پہ تھی، صالحہ اور نمرا اسے رخصت کرنے دروازے تک آئی تھیں، صالحہ نے حسب عادت مومنہ پہ بے شمار دعائیں پڑھ کر پھونکیں تھیں، صالحہ اس وقت کتنی مجبور اور بے بس تھیں، یہ صرف اللہ یا وہ خود جانتیں تھیں۔

''امی! آپ پریشان مت ہوں، مومنہ پہ بھروسہ کیجئے۔'' نمرا انہیں اندر کمرے میں لے آئی تھی۔

''نمرا صائمہ نے کافی دن سے چکر نہیں لگایا۔'' صالحہ کو اچانک ہی بہن کی یاد آ گئی تھی۔

''جی امی! میں بھی سوچ رہی تھی اور علی بھی نہیں آیا۔'' نمرا نے جواب دیا۔

''شاید مصروف ہوں گے، آج کل گھر سے نکلنے کی فرصت کہاں ملتی ہے۔'' صالحہ بولیں۔

''امی! لیکن علی کے پاس تو ہمیشہ فرصت ہوتی تھی، ہمارے گھر آنے کی، اب شاید واقعی مصروف ہو گیا ہے۔'' نمرا مسکرائی۔

''ارے میری تو مت ماری گئی، مجھے بتا رہا تھا کہ خالہ میں دوست کی شادی میں ملتان جا رہا ہوں، پھر وہاں سے آگے دادی سے ملنے جانا ہے۔'' صالحہ کو یاد آیا۔

''تب ہی تو۔'' نمرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

فیکٹری پہ مومنہ اپنے کام میں مگن تھی، زبیر گھنٹہ بھر سے ارد گرد لڑکیوں کے گھوم رہا تھا، لڑکیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کا سلسلہ چل رہا تھا، کچھ لڑکیاں بھی ایسی تھیں شوخ حاضر جواب شگفتہ مزاج، ان سے باتیں کرتے ہوئے بھی زبیر کے دھیان کا مرکز مومنہ تھی، اچانک انچارج ثاقب بھائی کی آمد پر خاموشی چھا گئی، صرف مشینوں کا دھیما دھیما شور سنائی دے رہا تھا، ہر کوئی مستعدی کا مظاہرہ کرتا نظر آ رہا تھا۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا، ڈیپارٹمنٹ کا داخلی دروازہ شیشے کی دیوار میں فٹ تھا، انچارج کے آنے سے قبل ہی سب الرٹ ہو جاتے، وہ تفصیلی ناقدانہ نظروں سے یہاں سے وہاں تک کا جائزہ لیتے، ان کی ڈیوٹی بس اتنی ہی تھی یا پھر ڈیپارٹمنٹ کے باہر کے حساب کتاب ان کے ذمے تھے، ثاقب بھائی کے جاتے ہی زبیر اس کے پاس آیا۔

''ہیلو مس مومنہ!'' مومنہ نے سر اٹھا کے سنجیدگی سے دیکھا۔

''جی!''

''کوئی مسئلہ یا پریشانی ہو تو مجھے بتائے میں ہوں نا۔'' وہ بلاوجہ مسکرایا۔

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' مومنہ نے بے رخی سے کہا، مومنہ کا موڈ خراب تھا، لنچ بریک ہوا تو وہ عصمت کے ساتھ باہر آئی تھی، وہ اور عصمت چائے پی رہیں تھیں، ساتھ میں گھریلو باتیں بھی ہو رہی تھیں، جب ہی زبیر بھی عصمت سے ملنے کے بہانے آ گیا تھا۔

وہ عصمت سے باتیں کر رہا تھا، مگر اپنی چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مومنہ کو دیکھے جا رہا تھا، مومنہ سے چائے پینا دشوار ہو گیا، مومنہ کا دل چاہا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے، مگر ڈیپارٹمنٹ خالی تھا، فیکٹری میں اس کا دوسرا دن تھا، وہ خود عصمت کے ساتھ میں عافیت سمجھتی تھی۔

''میں تم دونوں کے لئے سموسے لے کر آتا ہوں۔'' زبیر نے اپنے والٹ میں بھرے سبز نیلے نوٹوں کی نمائش کی، یہ نمائش مومنہ کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

''سموسے ضرور۔'' عصمت مزے سے بولی، مومنہ کو عصمت پہ بہت افسوس ہوا، اک گہری نظر سے مومنہ کے چہرے کو دیکھا جہاں چہرے پہ ناگواری کے تاثرات واضح تھے۔

سموسے آ گئے تھے عصمت مزے لے لے کر کھا رہی تھی، عصمت کے اصرار پر مومنہ نے ناراض نظروں سے عصمت کو دیکھا تھا۔

مومنہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی اور ایک درخت کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی جہاں پہلے ہی دو لڑکیاں کھڑی تھیں، کچھ ہی دیر میں وہ دونوں مومنہ سے فری ہو گئی تھیں۔

''ہائے کتنی خوبصورت ہو تم اور اسکن کتنی چمکدار، صاف و شفاف ہے، فیشل مساج کہاں سے کرواتی ہو؟ سچ سچ بتانا۔'' ایک بولی تو مومنہ اس کی سادگی پہ مسکرا دی تھی، بڑی بڑی آنکھیں مزید لو دینے لگی تھیں، عارض دہکتے سے نظر آ رہے تھے۔

''میں نے کبھی فیشل یا مساج نہیں کروایا۔'' مومنہ نے سچائی بیان کی تھی، وہ محض مسکرا کے رہ گئی تھی۔

''مومنہ! ایک بات کہوں۔'' ماہین سنجیدہ ہوئی تھی۔

''جی ضرور۔'' مومنہ متوجہ ہوئی تھی۔

''زبیر ایک آوارہ اور دل پھینک انسان ہے، اس سے بچ کے رہنا، تم بہت پیاری ہو، تم پہ وہ ضرور جال پھینکے گا۔'' ماہین کے کہنے پہ وہ سناٹے میں رہ گئی تھی۔

''یا اللہ میں کہاں پھنس گئی؟'' مومنہ رو دینے کو تھی۔

''مومنہ! تم پریشان مت ہو، حوصلے سے کام لو، وہ بھلا کیا کر سکتا ہے۔'' ماہین نے نرمی سے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' مومنہ نے مرے مرے انداز میں کہا۔

''میں نے تو آپ کو پریشان کر دیا۔'' ماہین

افسوس سے بولی، مومنہ کی پھیکی پڑتی رنگت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔
''مومنہ! آج سے ہماری دوستی پکی ہے۔''
ماہین نے ہاتھ مومنہ کی جانب بڑھایا تھا۔
''بالکل پکی ہے۔'' مومنہ نے گرمجوشی سے ہاتھ تھام لیا تھا۔
ماہین اسے بھی پسند آئی تھی، وہ بلند کردار کی تھی، عصمت کو دیکھ کر تو مومنہ حیران رہ گئی تھی، مومنہ کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ عصمت سطحی سوچ کی لڑکی ہو گی۔
ماہین کے پوچھنے پہ مومنہ نے اسے مختصراً اپنا بیک گراؤنڈ بتایا تھا۔
''میرے ابو ایک کالج میں چوکیدار ہیں، ہم چار بہنیں ہیں، ایک بھائی ہے، سب سے چھوٹا گھر کے مالی حالات کافی خراب ہے، صرف ایک باجی شادی شدہ ہیں۔'' ماہین نے اپنے بارے میں بتایا تھا۔
''مومنہ! تم یہاں کیوں آ گئی، زبیر کو کتنا برا لگا ہو گا، سموسے منگوائے تھے اس نے اور تم اتنی بد تہذیب تو نہیں لگتی تھی۔'' بریک ختم ہوئی تو عصمت اس کے پاس آ کر بولی۔
''عصمت! میں یہاں صرف جاب کرنے آئی ہوں اور پلیز اپنے زبیر صاحب سے کہو وہ مجھ سے مت مخاطب ہوا کریں۔'' مومنہ خفا ہوئی۔
''وہ بہت اچھا اور خیال رکھنے والا لڑکا ہے، نجانے تم۔''
''تم ختم کرو زبیر نامہ۔'' مومنہ نے ناگواری سے کہا تھا، عصمت چپ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''آنٹی! مومنہ کہاں ہے؟'' علی نے پوچھا، کافی دن کے بعد وہ آج آیا تھا۔
''وہ جاب پر گئی ہے بیٹا!'' صالحہ نے آنکھیں چرائیں تھیں۔
''جاب؟'' علی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا، صالحہ چپ ہی رہی تھیں۔
''تم کب آئے خالہ کیسی تھیں؟'' نمرا نے بات ٹالی تھی۔
''میں آج ہی آیا ہوں، اماں ٹھیک ہیں۔'' علی بولا۔
''مومنہ کتنے بجے واپس آتی ہے؟'' علی نے پوچھا۔
''پونے چھ بجے، بس آنے والی ہو گی وقت تو ہو گیا ہے۔'' نمرا نے جواب دیا۔
''وین لینے آتی ہے اور واپسی میں بھی اسی میں آتی ہے۔'' صالحہ نے سادگی سے کہا تھا، اتنے میں دروازے پہ دستک ہوئی۔
''مومنہ آ گئی ہے۔'' نمرا کہتی ہوئی دروازہ کھولنے اٹھی۔
''السلام علیکم!'' مومنہ کی آواز پہ علی متوجہ ہوا۔
''وعلیکم السلام!'' علی کے ساتھ سب نے جواب دیا تھا۔
''کیسی ہو مومنہ؟'' علی نے بغور اسے دیکھا تھا، وہ کچھ کمزور اور تھکی ہوئی لیکن ویسی ہی دلکش لگ رہی تھی، علی کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی تھی۔
''میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟'' مومنہ بیٹھ گئی تھی۔
''میں بھی ٹھیک ہوں، تم یہ بتاؤ تم نے جاب کیوں کر لی، کبھی ہمارے خاندان میں کسی لڑکی نے جاب کی ہے۔'' علی نے ناراضگی سے کہا۔
''میرے حالات مجھے جاب کی اجازت دیتے ہیں۔'' مومنہ نے برجستہ جواب دیا تھا، علی

خاموش رہا، اب اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

''کہاں جاب کر رہی ہو؟'' کچھ دیر بعد علی نے پوچھا تھا۔

''میڈیسن کمپنی ہے۔'' مومنہ نے مختصر کہا۔

''کس نے بتایا تھا جاب کا؟'' علی فکر مند نظر آرہا تھا۔

''عصمت میری کلاس فیلو ہے، اس نے بتایا تھا، تمہیں پتہ ہے میرے تین پیپرز ہو چکے تھے جب میں کالج گئی، مجھے اس بات کا بہت دکھ ہے، علی میرا سال ضائع ہو گیا ہے۔'' مومنہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔

''یہ تو واقعی دکھ کی بات ہے، خاص طور پہ تم جیسی ذہین طالبہ کے لئے، لیکن تم اگلے سال دے دینا۔'' علی بولا۔

نمرا علی کے لئے چائے لے کر آئی تو مومنہ اپنے بیڈروم میں آگئی تھی۔

مومنہ زبیر کی وجہ سے اور عصمت کی ناسمجھی کی وجہ سے ذہنی الجھن میں مبتلا تھی، کچھ جسمانی تھکن بھی تھی، وہ اپنے کمرے میں ہی آرام کر رہی تھی۔

''مومنہ تھک گئی ہے شاید اسی لئے لیٹ گئی ہے، کچھ دیر بعد عصر کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھوے گی۔'' نمرا نے علی کہا وہ بار بار مومنہ کے کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا علی کی بے قراری نمرا سے چھپی ہوئی نہیں تھی، بلکہ وہ علی کی پسندیدگی بھی بھانپ گئی تھی، مگر مومنہ سے بھی اس سلسلے میں بات نہیں کی تھی، نمرا خالہ کے مزاج سے بخوبی واقف تھی، ایسے میں خواہ مخواہ اگر مومنہ کوئی آنکھوں میں خواب سجا لیتی تو تعبیر پانا مشکل ہو جاتا۔

''میں چلتا ہوں۔'' علی مایوسی سے بولا۔

''مجھے ایسے کیوں لگتا ہے کے تم صرف مومنہ کی وجہ سے آتے ہو؟'' نمرا نے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' علی نمرا کے اچانک سوال پہ گڑبڑا گیا تھا۔

''اچھا۔'' نمرا مسکرائی۔

☆☆☆

عصمت کی زبیر سے دوستی تیزی سے بڑھ رہی تھی، مومنہ کو عصمت کی روش پہ حیرت ہوتی تھی، زبیر عصمت سے مخلص نہیں تھا، یہ عصمت بھی جانتی تھی، دونوں محض وقت پاس کر رہے تھے، مومنہ نے عصمت کو سمجھانے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن عصمت نے کہاں سمجھنا تھا، اس کی بات سن کر ہنس دی تھی۔

''ہماری زندگی میں ہے ہی کیا مایوسیاں، ناکامیاں، گھر جاؤ تو وہاں بھی مسائل کا انبار ہے اوپر سے والدین کی نااتفاقی بہن بھائیوں کی بے حسی، اگر ہم دونوں ساتھ بیٹھ کے ہنس بول لیتے ہیں کچھ وقت گزار لیتے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے؟''

''عصمت! زبیر نامحرم ہے، شرعی اخلاقی لحاظ سے تم غلط کر رہی ہو، اپنے والدین کو بھی دھوکہ دے رہی ہو، لڑکیوں کی عزت تو بہت نازک ہوتی ہے۔'' مومنہ نے اس کی منطق کے جواب میں کہا۔

''مومنہ! تمہیں کیا مسئلہ ہے، یہ میرا ذاتی مسئلہ، تمہیں مداخلت کا حق نہیں ہے۔'' عصمت نے رکھائی سے جواب دیا تو مومنہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کے واپس آگئی تھی۔

اس کے بعد دونوں کی دوستی کم ہو گئی تھی، البتہ ماہین اور مومنہ سے دوستی گہری ہو گئی تھی۔

ثاقب بھائی ایک ماہ کی لیو پہ تھے، سو مومنہ کی بدقسمتی کہ ہر وقت آس پاس ہی زبیر منڈلاتا

رہتا تھا، اس دن مومنہ معمول کے مطابق اپنے کام میں مگن تھی، کام کے دوران ماہین سے باتیں نہیں کرتی تھی، بہت ایمانداری اور لگن سے اپنا کام کرتی تھی۔

''کام ٹھیک سے نہیں ہوتا تم سے، تیزی سے ہاتھ چلایا کرو، اِدھر اُدھر کی باتیں کم کیا کرو۔'' زبیر کو نہ جانے کیا ہوا جو اچانک اس کے پاس آکر بولا۔

''مجھے کام سکھانے کی کوشش سے بہتر ہے کہ اپنے کام سے کام رکھو سمجھے، تم اس فیکٹری کے ملازم ہو، انچارج نہیں سنا تم نے اور آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات کی تو اچھا نہیں ہوگا۔'' مومنہ کے بگڑے تیور اور جرأت دیکھ کر زبیر حیران رہ گیا۔

بظاہر دبوسی خاموش طبع لڑکی، زبیر کا خیال تھا، جھٹ پٹ اس کے رعب سے متاثر وہ کر جی حضوری کرنے لگے گی، مگر مومنہ کا مزاج غصے سے سرخ ہوتا چہرہ اور آسمان کو چھوتا پارہ، چند لمحے زبیر گنگ سا رہ گیا تھا، مگر اگلے ہی پل وہ کان دبا کے نکل گیا۔

لنچ ٹائم میں وہ اور ماہین چائے پی رہی تھیں، جب صدف ان کی کولیگ آئی۔

''مومنہ! زبیر کو کیوں ڈانٹا تم نے؟ دوسروں کے جذبات کی قدر کرنا سیکھو۔'' مومنہ حیرت سے صدف کو دیکھنے لگی۔

جسے اپنی نسوانیت وقار کی کوئی پرواہ نہیں تھی، اس سے بحث کرنا بیکار تھا۔

مومنہ بنا جواب دیئے اٹھ گئی تھی، گھر آئی تو تھکن اعصاب پہ سوار تھی۔

''نمرا! بہت تھک گئی ہوں، چائے ملے گی۔'' سلام کے بعد مومنہ نے فوراً کہا تھا۔

''بالکل۔'' نمرا خوش دلی سے مسکرائی تھی۔

وہ فیکٹری کے مسائل گھر میں ڈسکس نہیں کرتی تھی، وہ امی اور نمرا کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ ان کے سامنے بظاہر بہت خوش اور مطمئن نظر آتی تھی، صالحہ کو بھی کچھ تسلی ہوئی تھی، وسوسے اور خدشات کچھ کم ہوئے تھے۔

پہلی تنخواہ ملی تو بجلی گیس کے بل اور سودا سلف لینے کے بعد کچھ ہی پیسے بچے تھے، مگر مومنہ اور صالحہ، نمرا سب مطمئن تھیں، تینوں قناعت پسند تھیں، روکھے سوکھے میں گزارا کرنے والی۔

اگلے دن وہ ماہین کے ساتھ تھی، جب ماہین نے اسے بتایا کہ ثاقب بھائی سعودیہ جا رہے ہیں اور فیکٹری کے انچارج اب زبیر صاحب ہوں گے۔

یہ خبر سنتے ہی مومنہ کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی، چہرے کی رنگت یکدم پھیکی پڑ گئی تھی، اسے یہ جاب ہاتھ سے جاتی محسوس ہوئی، جبکہ یہ جاب اس کی ضرورت تھی، اس جاب کی بدولت وہ عزت سے روکھی سوکھی کھا سکتے تھے۔

''مومنہ! تم پریشان مت ہو۔'' ماہین اس کی اڑی ہوئی رنگت سے فوراً بھانپ گئی تھی۔

''آج وین خراب ہے، بس سے جانا پڑے گا۔'' ماہین نے بتایا۔

''ہوں۔'' وہ دماغی طور پہ حاضر نہیں تھی، اسے اپنے گھر کے حالات کا بخوبی اندازہ تھا۔

''صدف زبیر کے ساتھ بائیک پہ گئی ہے، زبیر اسے ڈراپ کردے گا۔'' ماہین مسلسل بولے جا رہی تھی۔

زبیر انچارج کیا بنا کہ لڑکیاں اسے گھیرے رکھتیں، اس کی گردن مزید تن گئی تھی، اب بھی مومنہ کو سرد نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا، مگر صد شکر مخاطب نہیں کیا تھا، جبکہ مومنہ کا سکون اڑ گیا تھا، اس کی نگاہوں کی خباثت مومنہ کو خوفزدہ رکھتی تھی،

وہ خود کو بہت بے بس محسوس کرتی تھی۔
اس دن شہر میں ہڑتال تھی، زبیر نے سب ورکر کو رات کو میسج کر دیا تھا، فیکٹری کل بند ہوگی، لیکن یہ میسج ماہین اور مومنہ کو نہیں کیا تھا۔
ماہین کو اس وجہ سے نہیں کیا تھا، وہ مومنہ کو بتا دیتی، وین جب انہیں لینے نہ آئی تو ماہین نے فون کیا تو ڈرائیور نے بتایا وہ آج چھٹی پہ ہے۔
ماہین نے مومنہ کو فون کر کے بتایا کہ آج بس سے جانا پڑے گا۔
''شکر ہے بس میں جگہ مل گئی۔'' ماہین بولی۔
''ماہین! اب مجھے اس جاب میں انٹرسٹ نہیں رہا، میں چھوڑنا چاہتی ہوں۔'' مومنہ اداس نظر آرہی تھی۔
''زبیر کی وجہ سے؟'' ماہین نے دریافت کیا، مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر پہلے کوئی اور جاب ڈھونڈو، پھر چھوڑ دینا۔'' ماہین نے مشورہ دیا، مومنہ خاموش رہی۔
''یار! آج فیکٹری خالی خالی لگ رہی ہے۔'' مومنہ جیسے گیٹ کے اندر داخل ہوئی ٹھٹک گئی۔
''چوکیدار بھی نہیں ہے۔'' ماہین بولی۔
''سب ورکر کہاں گئے؟'' مومنہ الجھی۔
''وین خراب ہے بس سے آنے میں تاخیر ہوگئی ہوگی۔'' ماہین نے خیال ظاہر کیا تھا۔
''سب لوگوں کو تاخیر ہوگئیں، ہم بھی تو پہنچ گئیں۔'' مومنہ رک گئی تھی۔
''چلو اندر پتہ کر کے آتے ہیں، فیکٹری تو کھلی ہے۔'' ماہین نے مشورہ دیا۔
''نہیں میں اندر نہیں جاؤں گی، مجھے گڑبڑ لگ رہی ہے۔'' مومنہ کی چھٹی حس بیدار ہوگئی تھی۔
''کیسی گڑبڑ؟'' ماہین چونکی۔
''ماہین! تمہارے پاس جن لڑکیوں کے نمبر ہیں انہیں فون کرو۔'' مومنہ بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔
''مگر کیوں؟'' ماہین حیران تھی۔
''تم اپنا موبائل مجھے دو۔'' مومنہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، ماہین نے خاموشی سے اپنے بیگ سے موبائل نکالا تھا، مومنہ نے فون بک میں وردہ کا نمبر دیکھا اور ڈائل کیا۔
''ہیلو! وردہ تم کہاں ہو؟'' مومنہ نے پوچھا۔
''میں گھر ہوں خیریت؟'' وردہ بولی۔
''آج تم کام پر نہیں آؤ گی کیا؟'' مومنہ نے دریافت کیا۔
''نہیں آج ہڑتال ہے، تمہیں نہیں معلوم کیا؟'' وردہ نے بتایا۔
''چھٹی تمہیں کس نے بتایا؟'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔
''سر زبیر کا رات کو میسج آیا تھا، تمہیں نہیں ملا کیا؟'' مومنہ کو جھٹکا لگا تھا۔
مومنہ نے فون بند کیا اور صائمہ کو ملانے لگی بیل جا رہی تھی، مگر صائمہ ریسیو نہیں کر رہی تھی، دوبارہ ملانے پہ کال ریسیو ہوگئی تھی۔
''ہیلو۔'' دوسری طرف کسی خاتون نے فون اٹھایا تھا۔
''السلام علیکم! آنٹی صائمہ کہاں ہے، آج وہ فیکٹری آئے گی؟'' مومنہ نے بے قراری سے پوچھا۔
''وعلیکم السلام بیٹا آج ہڑتال کی وجہ سے فیکٹری کی چھٹی ہے۔'' صائمہ کی والدہ نے جواب دیا۔

مومنہ لرز گئی اس کے بدترین خدشوں کی تصدیق ہوگئی تھی، مومنہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، وہ چکرا کر نیچے بیٹھ گئی تھی۔

''مومنہ! کیا ہوا ہے؟'' ماہین بری طرح گھبرا گئی تھی۔

''ماہین! آج چھٹی ہے، اس شیطان صفت انسان نے رات کو سب کو مطلع کر دیا تھا۔'' مومنہ کی بات سن کر ماہین سناٹے میں رہ گئی۔

''ماہین! رکشہ پکڑو، ہمیں جلدی گھر جانا ہے۔'' مومنہ بے حد خوفزدہ تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی، ماہین بھی بے حد خوفزدہ تھی، گیٹ سے باہر رکشے کو ماہین نے ہاتھ دیا۔

رکشہ رکتے ہی دونوں نے بنا کچھ اس سے پوچھے عجلت میں بیٹھنے کی جلدی کی، وہ اس وقت جلد از جلد اس فیکٹری سے کوسوں دور جانا چاہتیں تھیں۔

راستے بھر دونوں خاموش رہیں، اسٹاپ پہ رکشے سے اتر کر دنوں کی منزل الگ تھی۔

''مومنہ! میں تمہارے ساتھ چلوں؟'' ماہین نے اس کی حالت دیکھ کر ہمدردی سے کہا تھا۔

مومنہ نے نفی میں سر ہلایا تھا، وہ تیز تیز قدموں سے گھر جا رہی تھی اس کی کیفیت عجیب تھی، وہ بے حد خوفزدہ تھی، اپنی گلی نظر آتے ہی اسے کچھ اطمینان ہوا، گلی کے سرے پر پرانا مکان مومنہ کا منتظر تھا، زمانے کی دھوپ چھاؤں سے تحفظ لئے مومنہ کا منتظر تھا۔

مومنہ کا دل لپک کر سرخ اینٹوں کی بوسیدہ دیوار سے جا چمٹا، جس پر کی گئی سفید اور زرد قلعی کی پرتیں جگہ جگہ سے جھڑ چکی تھیں۔

آج سے پہلے یہ گلی اتنی طویل نہیں لگی تھی، آنسوؤں کا سیلاب اس بھی رواں تھا، گھر کی کنڈی وہ مسلسل بجائے جا رہی تھی، نمرا کی آہٹ سن کر اس نے آنسو صاف کیے۔

''کیا ہوا کتے پیچھے لگ گئے ہیں کیا؟'' نمرا نے شوخی سے کہا۔

''ہاں کتنے پیچھے لگ گئے ہیں۔'' مومنہ تلخ ہوئی۔

''کیا مطلب؟'' نمرا ناسمجھی سے بولی۔

''کچھ نہیں۔'' کہہ کر مومنہ کمرے میں آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اگر آج میں فیکٹری کے اندر چلی جاتی تو۔'' وہ آگے سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا، آج اسے اپنے ابو بہت یاد آئے، نمرا کمرے میں چائے لے کر آئی تو ایسے دھواں دھار روتے دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''مومنہ! مومنہ کیا ہوا میری بہن؟'' وہ بے حد فکرمندی سے اسے گلے لگائے پوچھ رہی تھی۔

''میری جاب چھوٹ گئی ہے۔'' سچ بتا کے وہ انہیں پریشان نہیں کر سکتی تھی، بروقت اسے بہانہ سوجھ گیا اور بھرم رہ گیا۔

نمرا اور صالحہ پریشان تو ہوئیں مگر اس کو دلاسہ دیا کہ اللہ مالک ہے، پریشانی سے رات کو اسے تیز بخار ہوگیا جو کہ تین دن گزرنے کے بعد بھی کم نہ ہو رہا تھا، علی کو پتہ چلا تو دوڑا چلا آیا۔

''تمہیں بخار تھا، بتایا کیوں نہیں؟'' مان بھرا شکوہ کیا۔

''تم ڈاکٹر ہو، جو تمہیں بتاتی۔'' مومنہ چڑ گئی۔

''تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا۔'' علی نے اس کے زرد چہرے کو بغور دیکھا۔

''میں امی کے ساتھ چلی گئی تھی۔'' مومنہ

نے بتایا۔

''تم جاب کے ختم ہونے پہ اتنی پریشان کیوں ہو؟''

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' الٹا اس سے سوال کیا۔

''نہیں۔'' علی اطمینان سے بولا۔

''مومنہ! تم مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرو، میں تمہارا بچپن کا دوست ہوں، خالہ زاد ہوں، غیر نہیں ہوں۔'' علی اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر بے چین ہو گیا تھا، حسین چہرے پہ گلاب مرجھا گئے تھے۔

''چائے پیو گے؟'' مومنہ نے بات کو گھمانے کی کوشش کی تھی۔

''مومنہ! مجھے بتاؤ میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' علی نے سخت لہجہ اختیار کیا۔

''علی! تم جانتے ہو، سب حالات سے واقف ہو، ہم گھر میں تین افراد ہیں، زندہ رہنے کے لئے ضرورت زندگی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے، ایسے میں جاب کے جانے سے پریشانی لازمی ہے۔''

''مومنہ! تم جاب مت کرو، امی تمہیں ہر مہینے اتنے پیسے دے سکتی ہیں، جس سے تمہارے ماہانہ اخراجات آسانی سے پورے ہو سکیں۔'' علی نے مشورہ دیا۔

''علی!'' مومنہ کی خودداری کو عزت نفس کو دھچکا لگا تھا، شدید صدمہ پہنچا تھا۔

''میری عزت نفس کو یہ گوارا نہیں ہے، اگر تم یہ چاہتے ہو ہمارا رابطہ قائم رہے، آئندہ ایسی بات مت کرنا۔'' مومنہ نے دوٹوک انداز میں کہا اور غصے سے کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

''مومنہ! پلیز بیٹھو تو سہی، میری بات سنو...... مومنہ!'' علی پریشانی سے خود بھی کھڑا ہو گیا اور دور جاتی مومنہ کو بے بسی سے دیکھے گیا۔

پھر مومنہ نے ماہین کی مدد سے ایک اسکول میں جاب کر لی۔

سیلری صرف تین ہزار تھی، وقتی طور پر اس جاب کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اسکول میں پہلا دن توقع کے عین مطابق اچھا ہی گزرا، میڈم کا انداز مشفقانہ تھا تو اسٹاف کا دوستانہ، پرنسپل خاور صاحب پینتالیس برس کے سخت گیر انسان تھے۔

یہ ایک درمیانے درجے کا تنگ گلیوں میں کھلنے والا اسکول تھا، بچوں کی تعداد کثیر تھی، وہ بہت محنت، ایمانداری اور خلوص نیت سے فائیو کلاس کے بچوں کو پڑھاتی تھی، اپنے شاگردوں اور اساتذہ میں بہت جلد اس نے اپنے حسن سلوک کی وجہ سے مقبولیت حاصل کر لی تھی۔

شاگردوں اور اساتذہ سے ملنے والی عزت واہمیت سے اسے بہت خوشی ہوتی تھی، سارا دن ایک خوش کن احساس اس کے گرد گھیرا تنگ کیے رہتا، اس کی کلاس کا ہر ایک بچہ اس کے پاس ٹیوشن پڑھنے کا خواہش مند تھا، دیکھتے ہی دیکھتے اس کے گھر کا صحن بچوں سے بھر گیا تھا، یہ غریب محلے سے تعلق رکھنے والے بچے تھے، جن سے وہ پانچ ہزار ہی کما سکتی تھی، اب ماہانہ آمدنی صرف آٹھ ہزار روپے تھی، تین ہزار اسکول اور پانچ ہزار ٹیوشن کے۔

نمرا گھر میں سلائی بہت عمدہ کرتی تھی، مگر وہ ہی مسئلہ محلے والے بھی ان کی طرح غریب تھے، نمرا کے ہاتھ کی صفائی اور ڈیزائننگ کو بہت سراہا جاتا تھا، تین چار ہزار نمرا بھی مہینے میں بنا ہی لیتی تھی، گو کہ ماہانہ آمدنی گیارہ بارہ ہزار ہی تھی، مگر عزت محفوظ تھی۔

وہ تینوں صبر و قناعت سے مالا مال تھیں، دلوں میں سکون تھا۔

ان ہی دنوں خاور صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا، تین دن اسکول بند رہا تھا، لیکن ٹیوشن کے بچے متواتر آتے رہے تھے، بچوں کو پڑھانا اچھا خاصا ذہنی تھکان کا کام تھا، مگر مومنہ بہت خوشی سے اور محبت سے پڑھاتی تھی، صالحہ اپنی بیٹی مومنہ کو دیکھتی تو ناز کرتی دل سے اس کے اچھے نصیب کے لیے صبح و شام دعا کرتی۔

ایک فنکشن میں اسے بیسٹ ٹیچر کا ایوارڈ ملا تھا، انعام ملا، یہ انعام ایک ایوارڈ ایک عدد تعریفی سرٹیفکیٹ اور پانچ ہزار نقد کیش پر مشتمل تھا، ایوارڈ والا انعام وصول کرتے وقت اس کی آنکھیں نم تھیں۔

اسے اپنے ابو شدت سے یاد آ رہے تھے، اسے لگا اس کے ابو یہیں کہیں اس کے آس پاس کھڑے مسکرا رہے ہیں، اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، اس کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔

آج کا دن بہت اچھا تھا، مومنہ رات میں بے حد سکون سے سوئی تھی، مومنہ بے حد مطمئن تھی، مگر یہ اطمینان عارضی تھا، ایک اور آزمائش اس کی منتظر تھی، مومنہ اس سے بے خبر تھی۔

☆☆☆

کچھ دن سے خاور صاحب کی نگاہیں اسے عجیب محسوس ہو رہی تھیں، مگر وہم سمجھتے ہوئے اس نے جھٹک دیا تھا، خاور صاحب کے اسکول میں پڑھاتے ہوئے اسے چھ ماہ کا وقت ہوا تھا، وہ ہمیشہ بہت شرافت سے پیش آتے تھے، مومنہ کی عزت کی تھی اور حوصلہ افزائی۔

''مس مومنہ! آپ اسمبلی کے بعد میرے آفس میں آئیے گا۔'' خاور صاحب کہہ کر چلے گئے تھے۔

''سر خاور تمہاری محنت اور دیانتداری سے بہت خوش ہیں۔'' مس سلمیٰ مسکرائی تھی، مومنہ دھیمے سے مسکرائی۔

''تم بہت اچھی اور محنتی اور حسین لڑکی ہو۔'' سلمیٰ نے صاف دل سے اسے سراہا تھا۔

''میرا کوئی بھائی کنوارا ہوتا تو میں تمہیں بھابھی بناتی۔'' سلمیٰ مزید بولی تھیں تو وہ مسکرا دی۔

اسمبلی ختم ہو گئی تھی، بچے کلاسز میں جا رہے تھے۔

''نجانے سر خاور کو کیا بات کرنی ہے۔'' مومنہ نے آفس کی طرف جاتے سوچا تھا، سر خاور ٹیبل سے ٹیک لگائے کھڑے تھے، وہ اجازت لے کر اندر آئی تو انہوں نے اشارے سے بیٹھنے کا کہا تھا، لیکن وہ متذبذب سی کھڑی رہی۔

''جی سر!''

''بیٹھیے مس مومنہ جاوید۔'' وہ بیٹھ گئی تھی۔

''مس مومنہ! آپ ہمارے اسکول کی سب سے دلعزیز، محنتی، با اخلاق ٹیچر ہیں، آپ کے آنے سے ہمیں ہمارے اسکول کو بہت فائدہ ہوا ہے۔'' وہ ٹیبل کے پاس سے اس کی چیئر کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

''سر! یہ میرا فرض ہے۔'' مومنہ نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''ٹھیک ہے، لیکن لوگ کہاں اپنا فرض سمجھتے ہیں۔'' انہوں نے جیسے بے دھیانی میں اپنا ہاتھ کرسی کے ہتھے پہ رکھا تھا۔

مومنہ کو ان کے قریب آ کر بات کرنے سے الجھن ہو رہی تھی، لیکن ان کی عمر کی وجہ سے وہ کوئی بدگمانی نہیں رکھ رہی تھی۔

''مس مومنہ! مجھے آپ کے فیملی کے کرائسس کا پتہ چلا ہے، مجھے بہت دکھ ہوا ہے،

مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔"

"سر! آپ کو کس نے بتایا ہے؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ایسی باتیں کہاں چھپی ہیں مس، میں جانتا ہوں یہ جاب آپ کا شوق نہیں ضرورت ہے۔" مومنہ کو ان کی ہمدردی اچھی نہیں لگی۔

"آپ کو کسی بھی مدد کی ضرورت ہو، بلا جھجک مجھ سے کہیے۔"

"تھینک یو سر!" مومنہ نے جان چھڑائی۔

"میں اب جاؤں سر!" مومنہ نے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔

"مومنہ!" انہوں نے والٹ سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"اپنے لئے لان کے دو سوٹ بنوا لینا، تمہارے کپڑے پرانے اور اولڈ فیشن ہیں۔"

مومنہ کی خودداری اور عزت نفس کی پامالی کو کچوکے لگائے، مومنہ تڑپ ہی تو گئی تھی۔

"سر! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ آپ مجھ سے پلیز ایسی بات مت کیجئے گا، میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں۔" مومنہ نے غصے سے تلخ انداز میں کہا تھا۔

"مس مومنہ! آپ برا مان رہی ہیں، میں آپ کی مدد......"

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

سر خاور اس کی پشت کو گھورتے ہوئے گہری سوچ میں مبتلا ہو گئے تھے، مومنہ کی کلاس میں غائب دماغی بچوں نے بھی نوٹ کر لی تھی۔

"مس! آپ کے سر میں درد ہے؟" لائبہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"جی بیٹا!" وہ بمشکل مسکرائی۔

"مس! آپ چھٹی لے کر گھر چلی جائیں۔" اسد نے مشورہ دیا۔

مشورہ برا نہیں تھا، آج واقعی پڑھانا بہت مشکل کام تھا، دل یہ ہی چاہ رہا تھا، یہاں سے دور بھاگ جائے، مگر چھٹی لینے کے لئے سر خاور کے پاس جانا ضروری تھا، جو مومنہ کو گوارا نہیں تھا۔

"مس! چائے پئیں گی میں ماسی سے کہہ دیتا ہوں وہ بنا لے گی۔" زوہیب نے ہمدردی سے کہا، بچوں کی محبت اس کی آنکھیں نم کر گئی تھیں۔

"بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہیں ہو۔" مومنہ نے مسکراتے ہوئے بچوں کو دلاسہ دیا۔

"مس! رات میں نے جو موویی دیکھی تھی، اس میں سنڈریلا آپ جیسی پیاری تھی۔" ایشال نے رشک سے کہا تھا۔

مومنہ کے لئے یہ خوبصورتی محض آزمائش بن رہی تھی، اسے اس خوبصورتی کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

www.Paksociety.com
دل محبت کا طالب
شازیہ رفیق
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، شام سے خطرناک تیور کا موسم آخر رات شروع ہوتے ہی برس پڑا تھا، اندر وہ چاروں بے چین روحوں کی مانند چکر لگا رہی تھیں، سامہ وقتاً فوقتاً جھانک کر دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی دادی ماں پہ بھی نظر ڈال لیتی تھی۔

''تمہیں کیا ہے، بار بار ادھر جھانک رہی ہو تاکہ دادی نے نہ بھی اٹھنا ہو تو کھٹکے سے ان کی آنکھ ضرور کھل جائے۔'' رحمہ نے اپنی جھنجھلاہٹ اور اضطراب اس پہ نکالا۔

''کیا مطلب ہے...... مم...... میں...... میں تو......'' حسب عادت غصہ کی وجہ سے سامہ کے منہ سے پورے الفاظ نہیں نکل رہے تھے، اسی لئے خاصے مضحکہ خیز انداز میں وہ ہکلا رہی تھی، کوئی اور موقع ہوتا تو حسب معمول وہ اس کا ریکارڈ لگاتیں مگر اب تو ان کی جان پہ بنی ہوئی تھی، اسی لئے ردا نے اپنی ایک سال کی بڑائی کا فائدہ اٹھا کر ان دونوں کو ڈانٹا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر حسن اور روحان کو مشورہ کس نے دیا تھا کہ اتنے خراب موسم اور اتنے ہی خراب حالات میں اٹھ کر اس وقت کھانا لینے چل پڑیں، جبکہ بڑے ابا کی گاؤں سے آمد بھی کسی بھی وقت متوقع ہے۔'' اتنی دیر سے خاموش بیٹھی نیہاں کو عادت کے مطابق کافی دیر کے بعد اصل بات پوچھنے کا خیال آیا تھا، سامہ نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا، ردا اور رحمہ کی ملامتی نظروں نے بھی سامہ تک سفر کیا تھا۔

''تم روحان کو اچھا خاصا پریشان کیے رکھتی ہو سامہ، حالانکہ جانتی بھی ہو کہ جس فیلڈ سے اس کا تعلق ہے ان کے پیچھے تو دہشت گرد کتوں کی طرح ان کی بو سونگھتے پھرتے ہیں، کیسی بیوی ہو تم۔'' نیہاں ان چاروں میں بڑی تھی، اس لئے

مکمل ناول

بعض اوقات ان کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے لاعلم محض ان کو سپورٹ کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہو جاتی تھی، مگر آج کی سمامہ کی حرکت نے اسے اچھا خاصا تپا کر رکھ دیا تھا، ساتھ ہی روحان کی لاپروائی اور بے احتیاطی نے مزید غصہ دلا دیا تھا اسی لئے بلا تکلف اس نے سمامہ کو لتاڑ کر رکھ دیا۔

''اچھا بس کرو، اس بیچاری کا بھی اتنا قصور تو نہیں ہے، یہ روحان کے بچے اور حسن کی خواہش تھی کہ شہر کے باہر نئے کھلے ریسٹورنٹ کے وہاں جا کر کھانے سے بہتر ہے کہ آج کھانا گھر لایا جائے، سمامہ نے محض ان کی فیور کی تھی۔'' رحمہ سے سمامہ کی آنکھوں کے آنسو برداشت نہیں ہوئے اور ہمیشہ کی طرح لاکھ سمامہ سے لڑنے جھگڑنے کے باوجود وہی اس کی مدد کے لئے میدان میں کودی تھی، جواباً نیہاں نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر سمامہ کی مسکین صورت دیکھ کر سختی سے ہونٹ بھینچ کر دوبارہ سے کمرے میں مارچ پاسٹ شروع کر دیا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم لوگ؟ دو گھنٹوں سے ہمیں سولی پہ لٹکایا ہوا ہے۔'' روحان نے احتیاطاً ہارن دینے کی بجائے سمامہ کے سیل پہ فون کر کے دروازہ کھولنے کا کہا تھا، اس لئے بارش میں بھیگتی، ہوئی وہ لاؤنج سے گیٹ تک کا طویل راستہ عبور کر کے پہنچی تھی، باقی تینوں برآمدے میں کھڑی تھیں، اتنی دیر کی کوفت، بیزاری اور سب کی ڈانٹ کا غصہ اس نے روحان پہ نکالا، حسن تو کان دبا کر محظوظ مسکراہٹ لبوں پہ سجا کر شاپرز سمیت اندر بھاگ گیا تھا، روحان نے خاصی حیرت سے یہ انداز اور لہجہ ملاحظہ کیا، گاڑی کا دروازہ لاک کرنا بھول کر اسے دیکھنے لگا، جو خاصی خفا سی بارش میں پوری بھیگی ہوئی اس سے مکمل لڑنے کے موڈ میں تھی۔

''تم سے پوچھ کر ہی گیا تھا، راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی اسی لئے دیر ہو گئی۔'' جلد ہی خود کو سنبھال کر نارمل لہجہ میں جواب دیا، تو وہ بھی اپنی ایک لمحہ پہلے کی بے اختیاری پہ شرمندہ سی پلٹ گئی، کھانا واقعی بہت مزے کا تھا، اگرچہ حسن کو بھی رحمہ کی پھٹکار اور غصہ برداشت کرنا پڑا تھا، مگر اس غصہ میں جو اپنائیت، دھونس اور مان تھا، اس نے حسن کو ناراض کرنے کی بجائے شاد کر دیا تھا، اسی لئے کھانا کھاتے ہوئے وہ مزے سے سب کو اپنے ایڈونچر کا بتا رہا تھا کہ کیسے عین سڑک کے درمیان میں گاڑی نے چلنے سے انکار کر دیا اور کیسے باری باری دھکا لگا کر وہ اور روحان اسے ورکشاپ تک لے کر آئے۔

''یہ روحان تو عادی ہے ایسی مشقت کا، مجھ جیسا بزنس مین بھلا کیسے سنبھالتا، اس سچویشن کو، بڑی دقتوں سے گاڑی کو دھکا لگاتا تھا میں، یہ بھی شکر ہے کہ ورکشاپ نزدیک ہی مل گئی، ورنہ شاید صبح تک پہنچتے جب چاچو لوگ بھی آ چکے ہوتے۔''

''اور تم لوگوں کا خراب موسم میں باہر نکلنے کا جو ایڈونچر تھا اس کا مزہ بھی چکھ لیتے۔'' ردا نے اس کی بات درمیان سے کاٹی۔

''ہائے مزہ تو تب آتا جب افسانوی انداز میں کسی حسینہ سے ٹکراؤ ہوتا تو۔'' اس کی شرارتی بات رحمہ کے سر کے بال پکڑنے بلکہ جکڑنے کی وجہ سے درمیان میں ہی رہ گئی۔

''اف ظالم بیوی، مار ڈالا۔'' اپنے بال بمشکل چھڑواتے ہوئے وہ چیخا تو سب کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی، نیہاں کی بھٹکتی ہوئی نگاہ سمامہ پہ پڑی جو بڑی سنجیدگی سے چائے سب کو سرو کر رہی تھی، کھانے کے دوران بھی وہ خاموش رہی تھی اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا جو نہی

روحان آجاتا اس کی تمام شوخی، باتونی پن چپ کی دبیز چادر میں چھپ جاتا تھا۔

دوسری طرف بھی کم و بیش یہی صورتحال تھی، مگر روحان کی خاموشی اور گریز اس لئے اتنا محسوس نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کا مزاج بھی شروع سے ہی کچھ ایسا تھا، دوسرا اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ باہر ان سب سے دور بورڈنگ میں گزارا تھا، بڑے ابا اکلوتے بیٹے کی تربیت اور تعلیم کے معاملے میں بے حد سخت تھے، چھوٹی سی عمر میں ماں کی موت کا صدمہ، باپ کی محبت کے ساتھ ہی ان کی سخت گیر طبیعت اور پھر گھر سے دوری نے اسے وقت سے پہلے میچور، سنجیدہ اور کافی حد تک خود میں گم انسان بنا دیا تھا اور اب تو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک ذمہ دار پوسٹ سنبھالنے کے بعد وہ ان سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا، کیونکہ اس کی پوسٹنگ دوسرے شہر میں تھی، اسی لئے مہینہ، دو مہینوں کے بعد ایک آدھ دن کے لئے آتا تھا اور نیہاں کو یہی بات تپاتی تھی کہ سامہ ان دنوں میں بھی اس سے اتنی ہی لاپروائی برتتی تھی، جیسی شادی سے پہلے تھی، شادی کو سال ہو گیا تھا، چھ ماہ قبل رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والے حسن اور رحمہ کی قابل رشک انڈر سٹینڈنگ اور پیار سب کے لئے خوشی کا باعث تھا، جبکہ سامہ اور روحان کی ایک دوسرے کے لئے سرد مزاجی اور بے نیاز رویہ سب کو ذہنی اذیت اور پریشانی میں مبتلا کیے ہوئے تھا، مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ دونوں ہی اپنی عائلی زندگی پہ نہ تو کسی کو بات کرنے دیتے تھے اور نہ ہی کسی سے اپنا کوئی مسئلہ ڈسکس کرتے تھے، اسی لئے چھوٹے تو چھوٹے حتی کہ بڑے بھی محض ڈھکے چھپے الفاظ میں انہیں سرزنش کر پاتے تھے۔

''سامہ!'' اپنا کپ لئے بیٹھی سامہ اتنی خاموش اور اپنے آپ میں گم تھی کہ بے ساختہ نیہاں نے اسے پکارا۔

شاید لاشعوری طور پہ وہ اس کا دھیان موجودہ حالت سے بٹانا چاہتی تھی اور اس کی یہ پکار نادانستگی میں اتنی بلند ہو گئی تھی کہ ایکدم سے لاؤنج کا شور تھم سا گیا اور سامہ کے ساتھ ساتھ سب ہی چونک کر نیہاں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری چائے میں شاید مچھر گر گیا ہے۔'' انتہائی خجالت محسوس کرتے ہوئے وہ یہ بودی سی دلیل ہی دے پائی تھی۔

''ارے واہ ہماری نیہاں آپی کی آئی سائٹ کتنی شارپ ہو گئی کہ اتنی دور سے انہیں مچھر چائے کی سیر کرتا ہوا نظر آ گیا۔'' حسن نے لطیف سا طنز کیا، واقعی وہ ایک کونے میں بیٹھی تھی تو سامہ اس سے کافی فاصلے پہ ٹی وی کے نزدیک فلور کشن پہ بیٹھی تھی۔

''واقعی اس کا مطلب ہے کہ نیہاں یہیں سے بیٹھ کر احمد بھائی پہ بھی نظر رکھے ہوئی ہے، اسی لئے تو بیچارے ہر ہفتہ کی شام لاہور سے ملتان تک کا سفر کرتے ہیں اور اتوار کی شام پھر بھاگتے ہیں بیچ...... بیچ...... اور باقی ہفتے کے دنوں میں دو دو گھنٹوں کی کال کر کے بیوی کو اپنی وفا کا یقین دلانے میں گزارتے ہیں۔'' ردا نے احسن کا بھرپور ساتھ دیا، نیہاں تو بات کر کے پچھتائی تھی، اب سب نے اس کا ریکارڈ لگانا تھا۔

''ویسے آپی، آپ ہمیں بھی کوئی ایسی ٹپ دے دیں جس سے ہمارے شوہر حضرات بھی احمد بھائی کی طرح ہو جائیں، ایمان سے میرا تو برا حال رہتا ہے جب تک حسن گھر نہ آ جائے اور یہ ایسا ہے کہ جان بوجھ کر میرا جی جلاتا رہتا ہے۔''

''لو تمہیں کیا دے گی یہ میسنی میری نند ہونے کے باوجود مجھے کوئی ٹرک نہیں بتاتی،

حالانکہ جانتی بھی ہے کہ اس کا بھائی کتنا گھنا ہے، یہ تو میری نظر ہے ورنہ ہارون جیسے بندے کو کون ہینڈل کرسکتا ہے۔'' ردا نے اپنا دکھڑا رویا، نیہاں نے گھور کر اسے دیکھا۔

''کیوں ہارون کے ویک پوائنٹ تمہیں کس نے بتائے تھے۔''

''ارے جاؤ وہ تو میں بھی جانتی تھی، آخر میرے ماموں کا بیٹا ہے اور پھر روز کا آنا جانا، تم نے کون سا احسان کیا ہے۔''

''ردا کی بچی، بے وفا، مطلب پرست خود غرض۔'' نیہاں نے تمام القابات سے نواز کر اطمینان سے یوں ہاتھ جھاڑے جیسے بہت بڑا بوجھ سر سے اتارا ہو، جواباً ردا بی بی کی زبان تڑ تڑ برسنے لگی اور یہ سب جانتے تھے کہ جتنا وہ ایک دوسرے سے لڑتی تھیں اتنا ہی دونوں کا پیار پورے خاندان میں ایک مثال بنا ہوا تھا۔

بالکل رحمہ اور سامہ کی طرح، شاید اس گھر کے مکینوں کا ایک دوسرے کے لئے پیار ایسا ہی تھا، بظاہر سخت مگر اندر سے بالکل موم کی مانند دل رکھے ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی تکلیف پہ ایک دوسرے کی خاطر جان قربان کرنے کو تیار، شاید یہی اپنائیت تھی جس نے ان سب کو آپس میں جوڑا ہوا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' دادی ماں کی کرخت آواز پہ وہ سب دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے، جہاں پہ دادی ماں اپنے جلالی موڈ میں کھڑی ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

''اور یہ کون سا وقت ہے چائے پینے کا۔'' اصولوں کی پابند دادی کبھی بھی بے وقت کا کھانا پینا پسند نہیں کرتی تھیں۔

''وہ دادی......'' حسب معمول نیہاں ہی گلا کھنکار کر میدان میں اتری۔

''اصل میں ہمیں نیند نہیں آ رہی تھی، اس لئے موسم کی مناسبت سے سب نے چائے پینے کا شور مچا دیا، بس ابھی سونے جا رہے تھے ہم لوگ۔'' سب نے شکر کا کلمہ ادا کیا کہ دادی کچھ لمحے پہلے نہیں بیدار ہوگئیں۔

''اب خاک نیند آئے گی تم لوگوں کو، یہ موئی چائے پی پی کر تو ستیاناس مارا ہوا ہے اس نئی نسل نے، دماغ خشک کیے ہوئے ہیں۔'' دادی تو ایسی شخصیت تھیں اس گھر کی جن کے سامنے ان کے والدین کو بھی بولنے کی ہمت نہیں تھی، اسی لئے کان دبائے وہ لوگ بھی سن رہے تھے، جانتے تھے کہ ان کی یہ ڈانٹ اپنے اندر بے پناہ محبت سمیٹے ہوئی تھی، ہر بچے کی الگ الگ اتنی پروا کرتی تھیں کہ مائیں بھی اتنا خیال نہیں رکھتی تھیں۔

''اور تم سامہ، تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ بچہ اتنے دن گھر سے باہر رہتا ہے، کیا خاک اچھا کھانا ملتا ہوگا وہاں پہ، اس کا خیال رکھا کرو، لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس کا تو کیا خیال کرو گی، خود اپنا دھیان نہیں رکھ پاتی ہو۔'' دادی کی کڑک دار آواز پورے لاؤنج میں گونج رہی تھی اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ جز بز ہو کر رہ گئے، باقی نفوس بھی محض خاموشی سے سر اٹھائے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''جاؤ اپنے کمروں میں اب تم لوگ۔'' کچھ بولتے بولتے رک کر وہ ایکدم سے تھکی آواز میں کہہ کر خود بھی مڑ گئیں، اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھی کمرے میں مجرمانہ سی خاموشی پھیل گئی تھی، جس کی جتنی چائے بچی تھی وہیں پڑی رہ گئی، سب ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔

☆☆☆

''خان بتا رہا تھا کہ رات تم بہت دیر سے

آ ئے تھے، کیا وجہ تھی؟'' دوسری صبح بڑے ابا جو کہ رات تین بجے پہنچے تھے، روحان اور حسن کی طرف مکمل طور پر متوجو پوچھ رہے تھے۔

''اس گھر کے اصول اور طور طریقے تم لوگ بھولتے جا رہے ہو۔'' اس فقرہ میں چھپی واضح سرزش نے سب کے سروں کو جھکا دیا، کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ رات نو بجے کے بعد کسی کا بھی گھر سے باہر رہنا بڑے بابا بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔

''بہت برے پھنسے یار! آئندہ کبھی بھی، ان لڑکیوں کی بات نہیں ماننا، میں نے تو آج سے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔'' جونہی بڑے ابا ایک مفصل لیکچر دے کر آفس کے لئے نکلے اور ان کے پیچھے ہی رحمان چچا اور رضوان چچا بھی نکل گئے تو حسن نے بیا بانگ دہل اعلانیہ انداز سے پاس بیٹھے یحییٰ سے تبادلہ خیال کیا۔

''تم لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، شادیاں کروا کے بہت مدبر اور عقلمند سمجھنے لگے تھے ناں خود کو، دیکھ لیا ناں، جورو کے غلام بننے کا نتیجہ، مجھے گاؤں روانہ کر دیا ان بزرگوں کے ٹولے کے ہمراہ خوامخواہ بور ہونے کے لئے اور خود پیچھے سے انجوائے منٹ میں لگے رہے۔'' یحییٰ پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا، اس لئے باقاعدہ عورتوں والے کوسنوں سے انہیں نوازا، ویسے بھی آج کل اس کی فیانسی زوباریہ اس سے خفا تھی، اسی لئے وہ ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار رہتا تھا۔

''اسے مت چھیڑو، آج کل یہ صرف کاشا ہے، اس لئے اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔'' اس کا ہمراز، ہمدم ثاقب بظاہر سنجیدہ چہرے کے ساتھ انہیں وارن کر رہا تھا اور یہ جملہ یحییٰ بختیار کو مزید جلتے توے پہ بٹھا گیا۔

''تم میر جعفر کی کاپی خبردار جو میرے منہ لگے تو۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے تمہارے منہ لگنے کی، بدذوق ایک ہی شخصیت ہے اس دنیا میں اور وہی تمہیں منہ لگاتی ہے۔'' واضح اشارہ زوباریہ کی طرف تھا، یحییٰ مزید خونخوار ہو گیا، اس کے چہرے کے زاویے اتنے بگڑ گئے کہ سب کے ساتھ ساتھ سنجیدہ سا روحان بھی بے اختیار ہنس دیا، اس کی ہنسی کی آواز پہ دادی ماں اور مجھلی چچی نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا، کتنا پیارا لگ رہا تھا، اس طرح بے فکری سے ہنستا ہوا، دادی ماں نے نم آنکھوں سے اس کے سدا خوش رہنے کی دعا کی تھی، مجھلی چچی نے بھی محبت سے مسکراتے ہوئے دل میں اس کے لئے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

''میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے، تم ہر جگہ میرا بھانڈا پھوڑتے ہو۔'' جونہی ٹیبل سے اٹھ کر یحییٰ کے ساتھ ثاقب بھی نکلنے لگا تھا تو یحییٰ نے ناراضگی سے کہا، وہ بیچارہ اپنا ہر راز اسے بتا دیتا تھا اور ثاقب صاحب ہمیشہ ترنگ میں آ کر سب کچھ کھول کر بیان کر دیتے۔

''چلو ٹھیک ہے، یونیورسٹی پہنچ کر بھی میرے پاس مت آنا اور نہ ہی میں تمہارا میسنجر بنوں گا۔'' وہ جواباً دھمکی آمیز انداز میں ہلکی آواز میں بولا، تو وہ بیچارگی سے اس بلیک میلر کو دیکھنے لگا، آخر زوباریہ سے ان ڈائریکٹ بات چیت ہو رہی تھی، ناراضگی کی وجہ سے اور ثاقب اس کی باتیں زوباریہ تک پہنچاتا تھا۔

''چلو مرو۔'' کھا جانے والی نظروں سے اس خبیث کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا، وہ دونوں آئی آرڈیپارٹمنٹ کے فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹ تھے، اس لئے اکٹھے جاتے تھے۔

''بیٹا! اتنے سست کیوں ہو رہے ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' چھوٹی چچی کی آواز پہ ٹیبل سے برتن اٹھواتی سامعہ نے ٹھٹک کر لاؤنج میں جھانکا جہاں پہ روحان کسلمندی سے صوفے پہ نیم دراز تھا اور چچی تشویش سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں چچی! بس سر میں درد ہے۔''

وہ خاصا ایکٹو تھا، سامعہ نے اسے بہت کم بیڈ پہ بے وقت لیٹے دیکھا تھا، مگر آج شاید اس کی طبیعت زیادہ ہی خراب تھی، ورنہ تو وہ چھٹیوں پہ آتا تو حسن کے ساتھ ہی فیکٹری چلا جاتا تھا، مگر آج وہ گھر پہ ہی تھا، تھوڑی دیر میں لاؤنج میں سب اکٹھے ہو گئے، ہر کوئی فکر مندی سے مختلف مشورے دے رہا تھا، وہ اگرچہ ان سب سے فاصلہ پہ تھا، مگر ان کے دل میں اس کے لئے بے پناہ پیار تھا، اسی لئے تو اس کی معمولی سی تکلیف بھی انہیں بے چین کر دیتی۔

''روحان! یہ سب رات بارش میں بھیگنے کا نتیجہ ہے۔'' ردا نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر سب کی سوالیہ نظروں پہ جملہ کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''تم رات کو نہائے تھے بارش میں؟'' منجھلی چچی نے حیرت سے سب کے دلوں کے سوال کو زبان دی، اب وہ کیا کہتا، خاموش ہی رہا۔

''ن...... نن...... نہیں...... چچی...... روحان بھائی میری میڈیسن لینے گئے تھے تو بارش شروع ہو گئی شاید اس وجہ سے۔'' بروقت رحمہ نے ہکلاتے ہوئے بات سنبھالی تھی، سب نے تشکر بھرا سانس لیا ورنہ ردا نے تو انہیں مروانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''کتنا مشکل تھا ان کے روایت پسند گھر میں کوئی عیاشی کرنا۔'' سامعہ نے سوچا، اس سے پہلے کہ اب سب اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے سر دلاڑ پہ سرزش کرتے، وہ فوراً صوفے کی طرف بڑھی جہاں روحان لیٹا ہوا تھا، وہ خاصا نڈھال سا پڑا ہوا تھا، سرخ چہرہ تیز بخار ظاہر کر رہا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' صوفے کے پاس رک کر دھیرے سے پوچھا، روحان نے آنکھیں کھول کر اپنے پاس کھڑے وجود کو دیکھا، جو اس سے صدیوں کے فاصلے پہ تھا، وہ جو مکمل طور پہ اس کی طرف اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے تھی، روحان کے ایکدم آنکھیں کھولنے پہ اور پھر بغور اپنی طرف دیکھتا پا کر خاصی نروس ہو گئی اس لئے جھجک کر تھوڑا سا پیچھے ہٹی۔

''بہتر ہے۔'' اس گریز پہ ایک لمحہ کو اس کا چہرہ تاریک ہو گیا، مگر جلد ہی قابو پا کر مختصراً جواب دے کر پھر آنکھیں بند کر لیں، باقی سب تو سامعہ کے قریب آنے پہ دانستہ ادھر ادھر ہو گئے تھے، مگر نیہاں احمد جو آج کل ان دونوں پہ خاصی نظر رکھے ہوئے تھی، اب بھی بظاہر کچھ فاصلے پہ منجھلی چچی سے باتیں کر رہی تھی مگر کان ادھر کی گفتگو پہ لگے ہوئے تھے اور اتنی مختصر بات چیت پہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''واہ کیا بات ہے لگتا ہے دو اجنبی ہمسفر ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے اتنی نارمل، اتنی پرتکلف...... سامعہ...... کب سے ہو گئی۔'' پہلے غصہ پھر حیرت نے اس پہ حملہ کر دیا تھا اور وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم ہو گئی تھی کہ حسن کے پکارنے، حتیٰ کہ اس کے چیخنے پہ بھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔

''نیہاں آپی!'' اب اس نے باقاعدہ آ کر جھنجھوڑا تھا تو وہ چونک کر ماحول میں واپس آئی تھی۔

''کہاں غائب ہیں؟ گھنٹے سے آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ ڈاکٹر عمران کا سیل نمبر بتا دیں۔'' حسن جھلاتے ہوئے کہہ رہا تھا، وہ شرمندہ سی

اپنے سیل فون میں کانٹیکٹس کھنگالنے لگی۔

☆☆☆

''پلیز میری اتنی کیئر مت کرو، مجھے عادت نہیں ہے۔'' وہ دو دن سے مسلسل اس کی خدمت کر رہی تھی، کیونکہ اگر دادی ماں کی نظروں سے بچتی تو امی کا غضب ناک چہرہ بے پناہ نصیحتوں کے ساتھ سامنے آ جاتا، پھر چھوٹی چچی کی فہمائشی خاموش نظریں ہوتیں اور وہ ان نگاہوں کی مختلف اقسام سے بچنے کے لئے اسی میں عافیت جانتی تھی کہ ''محترم'' کی وقتاً فوقتاً مزاج پرسی کرتی رہے اور آج تیسرے دن خاصے چڑے لہجے میں یہ حکم موصول ہوا تو اس پل سامہ کا دل چاہا کہ ہاتھ میں پکڑا سوپ کا باؤل دیوار میں مار دے یا پھر اپنے سر میں، جس کی تیاری سب خواتین نے اپنے تجربات کی روشنی میں تین گھنٹوں میں اسپیشل آرڈر پہ اس سے تیار کروایا تھا۔

''عادت تو کسی بھی چیز کی ڈالنی پڑتی ہے اور بعض موقعوں پہ یہ سمجھ لیں کہ دوسرا فریق بھی مجبوری میں سب کچھ کر رہا ہے۔'' سامہ نے فوراً اس پہ جتا دیا کہ وہ بھی خوشی سے اس کی خدمت نہیں کر رہی ہے، وہ ایک لمحہ کو اس کی طرف دیکھتا رہ گیا، کیسے دور کر دیا تھا اس نے سامہ کو خود سے، کیسے بھول گیا تھا کہ ساری زندگی میں قدم قدم پہ وہ اس کی ضرورت تھی، مگر بعض اوقات ہماری معمولی کوتاہی ہمارے مستقبل کو مکمل تاریک کر دیتی ہے، نگاہوں کے ارتکاز پہ سامہ نے جونہی نظر اٹھائی وہ اسے دیکھتا ہوا کہیں گم تھا اور یہ کچھ کہتی سنتی پشیمان سی نظریں ہمیشہ کی طرح اس جھنجلاہٹ میں مبتلا کر گئیں، اسی لئے باؤل سائیڈ ٹیبل پہ پٹخ کر کمرے سے نکل گئی، روحان نے گہرا سانس لے کر اپنے اندر کی گھٹن کو باہر نکالنا چاہا، مگر ناکام رہا۔

صفحہ وقت پہ تحریر بدل جاتی ہے
آیت ہجر کی تفسیر بدل جاتی ہے
ایسا وقت بھی آتا ہے میری نیند پہ جب
خواب سے پہلے ہی تعبیر بدل جاتی ہے

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ مکمل طور پہ کمبل میں گم سامہ کو دیکھ رہا تھا، اس کا گریز اس کے لئے اجنبی نہیں تھا، وہ پچھلے کتنے عرصہ سے یہ تکلیف دہ رویہ سہہ رہا تھا اور شاید بلکہ یقیناً اس رویہ کا حقدار تھا، تیسری سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ بے انتہا اضمحلال کا شکار تھا، کل اسے واپس جانا تھا، آج نیہاں کی بیٹی اور ردا کے بیٹے کی اکٹھی بسم اللہ تھی، اس لئے تقریباً سارا خاندان مدعو تھا، پیاری سی پریا احمد اور گول مٹول سا سمیر سب کے اسپیشل پروٹوکول پہ پوری تقریب میں بے حد خوش پھرتے رہے تھے، سامہ نے پریا کو گود میں اٹھا کر پیار کیا تو اسی وقت خاندان کی ایک خاتون بول اٹھیں۔

''روحان! اب تم لوگ بھی اپنے آنگن میں رونق لگا والیں۔'' سامہ نے زخمی نظروں سے اپنے سے چند قدم فاصلے پہ کھڑے روحان کو دیکھا تھا اور وہ اپنی جگہ پر کٹ کر رہ گیا، بعض اوقات ہماری سادگی میں کہی ہوئی بات بھی کیسے دلوں پہ زخم لگاتی ہے، اگر ہم جان جائیں تو کبھی بنا سوچے سمجھے نہ بولیں وہ سوچ کر رہ گیا، وہ خاتون تو اپنی بات کہہ کر مزے سے دوسری طرف متوجہ ہو گئیں، مگر یہاں دو نفوس کس اذیت میں گھر گئے ہیں وہ اس سے انجان تھیں۔

اس کے بعد ایک دو بار سامہ اسے نظر بھی آئی مگر اس کی آنکھوں کا گلابی پن ہر بار گہرا ہی لگا تھا۔

''میں اگر اس سے معافی مانگوں تو؟'' سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اس بچکانہ

سوچ پہ وہ خود ہی استہزائیہ مسکرا دیا، اس کی غلطی ایسی تو نہیں تھی کہ اسے معاف کر دیا جاتا۔

''تو پھر؟'' دماغ نے تلخی سے سوال کیا اور دل جواب جانتے ہوئے بھی نظریں چرانے لگا۔

''کیا ساری عمر اسی دوراہا پہ گزارنی ہے؟'' دماغ آج کسی طور پہ بخشنے پہ تیار نہیں تھا۔

''شاید۔'' مبہم سا جواب دے کر دل پھر خاموش ہو گیا۔

''ہونہہ۔'' محبت بھی یکدم آنکھیں کھول کر سامنے آ کر سر جھٹکنے لگی تھی۔

''کب تک، کیا عمر بھر، کیا میرے بنا اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی گزار سکتے ہو؟ اور باتیں کرتے ہو، عمر بھر اس پل صراط پہ گزارنے کا دعوا کرتے ہو۔'' سسکتی ہوئی محبت نے تلخی سے دل کو جھٹلایا تھا، دل بے بسی سے سر پٹخنے لگا تھا، مضطرب سی محبت اس بے بسی پہ مزید بے چین ہو گئی، روحان کو اپنی آنکھیں بے تحاشہ جلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''کیا واقعی آپ کو کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی؟'' حیران آنکھیں وا کیے وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔

''نہیں۔'' اپنے لہجہ کی سختی کا اس وقت احساس نہیں ہوا تھا مگر اب اپنی آواز کی بازگشت پہ محسوس ہوا کہ وہ کتنا تلخ تھا اس سے۔

''اچھا مگر مجھے تو بہت سے لوگوں سے پیار ہے۔'' وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئی تھی مگر عادت کے مطابق جلد ہی اپنے آپ پر قابو پا کر خوشگواریت سے بولی تھی۔

''دیکھیں ناں، ہم لوگ تو لکی ہیں کہ آج کل کے افراتفری اور خود غرضی کے دور میں بھی اتنے منظم اور کوآپریٹو جوائنٹ فیملی سسٹم کا حصہ ہیں، جہاں کا ہر رشتہ ہمارے لئے بے پناہ اپنائیت لئے ہوئے ہے۔''

''اچھا۔'' اس کا یہ ''اچھا'' استہزائیہ تھا یا وہ اس سے اتفاق کر رہا تھا سمامہ نہیں سمجھ سکی تھی اور وہ اسے کیا بتاتا کہ اس نے کسی بھی رشتہ کو مکمل طور پہ محسوس نہیں کیا تھا کہ وہ ان سے ہمیشہ دور ہی رہا تھا، اس لئے یہ محبت، اپنائیت اور رشتوں کا خلوص سب اسے اجنبی لگتے تھے، کبھی کبھار ویک اینڈ یا پھر کسی سمر ویکیشن میں وہ ان کے پاس جاتا تو بھی بابا اسے کبھی کسی کورس یا دوسری ایکٹویٹیز میں الجھائے رکھتے، اسی لئے تو وہ جانے کون کون سی فیلڈ کے متعلق اتنی معلومات رکھتا تھا کہ جب کسی موضوع پہ بولتا تو تب اسے خود اپنی اس صلاحیت کا پتا چلتا اور بابا کا سینہ فخر سے تن جاتا، مگر دوسری طرف وہ اپنے پیاروں سے کافی فاصلہ پہ ہو گیا تھا صرف ماں کے رشتہ کی کمی تھی اس کی زندگی میں، مگر شاید ماں ہوتی تو وہ اتنا ریزرو اور لاپرواہ نہ ہوتا، وہ اسے یقیناً سنبھال لیتی اور شاید بابا بھی اتنے سخت نہ ہوتے، آج اتنے عرصہ بعد اس نے یہ بات سوچی تھی، اسی وقت سمامہ نے کروٹ بدلی تو وہ چونک گیا، سائیڈ ٹیبل پہ ایش ٹرے رکھ کر ٹیبل لیمپ آف کیا اور خود بھی سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

''ماں!'' کتنا پیارا اور میٹھا لفظ ہے اور اس کا ذائقہ تو اس سے بھی زیادہ مٹھاس بھرا ہو گا، میں نے ماں کو نہیں دیکھا مگر اپنے گرد رشتوں میں اس کردار کو نبھانے والی عورتوں کو ضرور دیکھا ہے اور تم جانتے ہو روحان تب میں نے ہر لمحہ اپنے رب سے ایک ہی دعا کی، بلکہ دعا سے زیادہ شکوہ کہا جائے تو بہتر ہے کہ ''اے رب تو نے مجھے کیوں اس رشتہ سے محروم کیا، مجھ سے زیادہ بدنصیب شخص تو کوئی نہیں ہو گا، جو ہر لمحہ ماں کے

لئے ترسا ہے۔'' یحییٰ آج پھر کتھارس کے موڈ میں تھا اور جب وہ اس کیفیت میں ہوتا تو اسے سب سے بہتر سامع روحان نظر آتا، شاید اس لئے کہ دونوں کا دکھ سانجھا تھا، یحییٰ بختیار، روحان کی چھوٹی پھپھو تہمینہ کا اکلوتا بیٹا تھا، تہمینہ پھپھو اور بختیار پھپھا کی روڈ ایکسیڈنٹ ڈیتھ کے بعد وہ ان کے گھر کا مستقل ممبر بن گیا تھا اور اس گھر کے مکینوں کے دل تو رب نے محبت سے گوندھے تھے، اسی لئے تو یحییٰ کے دکھ کو خود میں سمیٹ کر اسے اتنی محبتوں سے اسے سنبھالا کہ وہ خود کو اس گھر کا بیٹا ہی شمار کرنے لگا تھا، کبھی کبھار وہ اپنے چچا سے ملنے چلا جاتا تھا، مگر اس کا مستقل ٹھکانہ یہی آشیانہ تھا۔

''تم ایسے کیوں سوچتے ہو؟ یہ بھی تو دیکھو کہ رب نے تمہیں کتنی نعمتوں سے نوازا ہے، آج نہیں تو کل سب کو ایک ایک کر کے یہاں سے جانا ہی ہے، تم خود کو کیوں بدقسمت گردانتے ہو یار! تم تو محبتوں کے معاملہ میں بہت خوش قسمت ہو۔'' یحییٰ کو سمجھاتے ہوئے وہ یہ بھول گیا تھا کہ رات کو وہ خود بھی رب سے شکوہ کناں تھا، ماں کی محرومی کے سلسلے میں وہ خود بھی خود اذیتی کا بارہا شکار رہا تھا۔

''ہر انسان کہیں نہ کہیں بھی دکھ کو جھیل رہا ہے جب تم اردگرد دیکھو گے تو احساس ہوگا کہ کتنے بدنصیب لوگ اس دنیا میں جی رہے ہیں، تم نے کل دیکھا تھا ناں وہ ننھا سا بچہ مارکیٹ میں۔''

وہ اسے کل کا واقعہ یاد دلا رہا تھا اور یحییٰ کو یاد آیا کہ کل جب وہ اور روحان مارکیٹ سے اپنی کچھ ذاتی چیزیں خریدنے کے لئے گئے تھے تو اچانک ایک اسٹور سے نکلتے ہوئے ایک چھوٹا سا توتلا بچہ سامنے آ گیا، جس کے پاؤں ننگے تھے اور اس کی عمر بمشکل ساڑھے تین یا چار سال ہوگی۔

''ڈے لے لو بھائی (یہ لے لو بھائی)۔''

ٹشو کے چند پیکٹس سامنے کیے وہ بڑی آس سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں امید کے ساتھ جو چمک تھی اس نے روحان کے ساتھ یحییٰ کو بھی دلچسپی لینے پہ مجبور کر دیا۔

''ارے تم تو بہت چھوٹے ہو، پھر تم کیوں یوں پھر رہے ہو؟'' یحییٰ نے بے اختیار سوال کیا، جواباً اس بچے کے چہرے پہ معصوم سی مسکراہٹ پھیل گئی، جیسے وہ اس سوال کا جواب نہ جانتا ہو۔

''بیٹا! تم نے جوتا کیوں نہیں پہنا، کیا تمہیں اپنے پاؤں جلتے ہوئے نہیں لگتے۔'' روحان نے گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا، بچہ اتنی توجہ پہ گھبرا سا گیا تھا۔

''ڈے لے لو بھائی۔'' وہ شاید اس فقرہ کے علاوہ کوئی اور جملہ بولنا نہیں جانتا تھا، ان دونوں کو تاسف نے گھیر لیا کہ کیسے اتنے سے بچے کو معصومیت کو، اس کی بچپن کی عمر کو برباد کیا جا رہا ہے۔

''تمہارے ماں باپ کیا کرتے ہیں؟''

''ماں!'' اس نے حیرت سے سر اٹھا کر یہ لفظ دہرایا۔

''میلی ماں مرگئی (میری ماں مر گئی)۔''

اس جواب نے ان دونوں کو سن کر دیا، مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، اسی لئے خاموشی سے اپنی جیبوں سے پیسے نکال کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔

''جاؤ بیٹا! جوتا کے بغیر دوبارہ نہ باہر نکلنا، تمہاری ماں ہوتی تو کبھی تمہیں تپتی دوپہر میں یوں نہ باہر جانے دیتی۔'' آخری جملہ بڑبڑاہٹ کی صورت میں ادا کر کے روحان نے بچے کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور بچہ لال نوٹ دیکھ کر خوشی سے اچھلتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ سوچتے رہ گئے

کہ دنیا میں اس بچہ کی مانند ہی ہر ایک کو جینا چاہیے جو اپنے دکھ سے واقف بھی تھا مگر چھوٹی سی خوشی کے ملنے پہ وہ اپنے اس دکھ کو اپنے اندر کہیں لحاتی طور پہ دفن کر کے خوشی کا وقت تھام لیتا ہے۔

''اس بچے کی مانند زندگی گزارو، اللہ اگر ایک چیز لیتا ہے تو اس کے بدلے میں کتنی نعمتیں عطا کر دیتا ہے، مگر ہم بے صبرے اور ناشکرے بندے اس چیز کو محرومی کا رونا روتے رہتے ہیں اور دوسری بے شمار نعمتوں کو بھول جاتے ہیں، یہ بندگی تو نہیں۔'' روحان دھیمے سے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح پرسکون ہو رہا تھا، آج تہمینہ پھپھو کی برسی تھی، ایکسیڈنٹ کے بعد پھپھو تو موقع پر ہی فوت ہو گئی تھیں، مگر پھپھا دس روز تک زندہ رہنے کے بعد فوت ہوئے تھے، اسی لئے وہ ان دنوں کی برسی پہ یونہی ڈسٹرب رہتا تھا، روحان بھی پھپھو کی برسی کی وجہ سے آج رک گیا تھا، ورنہ اس کی شام کی فلائٹ تھی، اب اسے صبح جانا تھا۔

''روحان! تم ہمیشہ مجھے سمجھاتے ہو، میں نے کبھی تمہیں اس طرح بے چین نہیں دیکھا، آخر تم بھی تو یہ دکھ سہہ رہے ہو؟'' یحیٰی کو روحان کے ضبط پہ بہت حیرت ہوتی تھی، آج اتنے عرصہ کے بعد وہ بے ساختہ اپنی حیرت کا اظہار اس سے کر گیا، روحان کے ہونٹوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی، وہ اسے کیا بتاتا، اس نے تو ماں کا رشتہ اپنے بچپن سے نہیں دیکھا تھا، پھر وہ کیسے اپنے دکھ کو بیان کرتا، ماں اس کے پیدائش کے دو سالوں بعد اس دنیا سے چلی گئی تھی، پھر وہ کیسے اس لمس کو محسوس کرتا، اسی لئے تو وہ ہر اظہار کے معاملہ میں اناڑی تھا۔

''بے چینی کیسے نہیں ہوتی، ہر رشتہ ہماری زندگی میں اپنا مقام رکھتا ہے جب وہ جگہ خالی ہو جاتی ہے تو اس کی کمی کیسے محسوس نہیں ہوتی؟ یہیں پہ آ کر انسان بے بس ہو جاتا ہے، وہ رب سب جانتا ہے، کسے کتنا دینا ہے اور کہاں دینا ہے، وہ اختیار رکھتا ہے، پھر ہم کیسے اس سے شکوہ کر سکتے ہیں کم یا زیادہ دینے پہ۔'' گہرے لہجہ متوازن ہونے کے باوجود درد کی آمیزش لئے ہوا تھا اور یحیٰی بختیار اس شاندار سے بندے کے حوصلہ کو دیکھتا رہ گیا، واقعی زندگی تو وقت کا حساب رکھے ہوئے ہے اور جب وقت ہمارے ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسلنے لگتا ہے تو ہمیں شدت سے اس کی کمی کا احساس ہوتا ہے، مگر زندگی کے کشکول میں تو وقت کے سکے پورے ہوتے ہی ہے چاہے وہ تیزی سے گریں یا آہستہ آہستہ اور بعض اوقات اس کی تیزی میں ہم بہت سے رشتوں کو بھی خود اپنے ہاتھوں سے کھو دیتے ہیں، جس کا احساس ہمیں بہت دیر سے ہوتا ہے، یحیٰی کے اٹھ کے جانے کے بعد وہ سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم تھا۔

☆☆☆

''روحان! ہم چاہتے ہیں کہ اب سامعہ بھی تمہارے ساتھ جائے۔'' دادی ماں کا ٹھہرا ہوا انداز حتمی تھا، اس نے سر اٹھا کر اپنے اردگرد بیٹھے نفوس کو دیکھا جن کے چہروں پہ کم و بیش دادی ماں کی بات کی تائید ہی تھی، بڑے چچا، چھوٹے چچی دونوں چچیاں اور الوینہ پھپھو سب بیٹھے تھے، بابا اپنے کسی دوست کی عیادت کے لئے حسن کے ساتھ دوسرے شہر گئے ہوئے تھے، وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا، اس بات کا وہ کیا جواب دیتا، جبکہ جانتا تھا کہ ایک بار کے تجربہ کے بعد دوسرا فریق کبھی بھی اس کے ساتھ دوبارہ جانا پسند نہیں کرے گا۔

''تم نے جواب نہیں دیا، اگر تمہیں رہائش کا

مسئلہ ہے تو میں ارسلان سے کہہ دیتی ہوں وہاں پہ کسی فلیٹ کا بندوبست کر دے۔'' دادی ماں سمیت سب ہی مکمل تہیہ کیے ہوئے تھے آج شاید کہ اسے تنہا نہیں بھیجنا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ سامہ سے پوچھ لیجئے، گھر تو آپ کو پتا ہے مجھے ملا ہوا ہے۔'' اس نے بالآخر زبان کھول ہی دی۔

''سامہ کو کیا اعتراض ہوگا بیٹا، اور پھر ویسے بھی بیٹیاں شادی کے بعد شوہر کے ہمراہ ہی اچھی لگتی ہیں، ٹھیک ہے نیہاں بھی احمد کے بغیر رہتی ہے، مگر ایک تو وہ ہر ہفتہ آ جاتا ہے، پھر اب اس کی ٹرانسفر بھی ملتان ہو رہی ہے اگلے مہینے سے انشاء اللہ۔'' چھوٹی چچی نے اپنے مخصوص دھیمے لہجہ میں کہا تو وہ محض انہیں دیکھ کر رہ گیا، اب انہیں کیا بتاتا کہ وہ تو خود موقع کی تلاش میں ہے کہ کسی طرح سامہ کو راضی کر لے مگر اس کا سرد رویہ اس کی ہر کوشش کی راہ میں دیوار بن جاتا ہے۔

''جاؤ بہو، سامہ سے کہو کہ وہ بھی اپنی تیاری کرے کل روحان کے ساتھ وہ بھی جائے گی۔'' دادی ماں نے فوراً منجھلی چچی کو حکم دیا اور سب کے چہروں پہ یوں سکون پھیل گیا جیسے ایک بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔

''ناممکن کیسے رہونگی میں اس کے ہمراہ۔'' وہ جلے پیر کی بلی کی مانند ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی، جب سے ردا اور احمد نے آ کر دادی ماں سمیت سب بڑوں کا فیصلہ اسے سنا کر اس کی پیکنگ کی تھی وہ تب سے بے چین پھر رہی تھی۔

آج تک انہی ذاتی زندگی کو کسی سے بھی ڈسکس نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ چاہتی تھی کہ اسی کو بھنک بھی پڑے ان کے درمیان سرد تعلقات کی، مگر اس گھر میں سب اندھے تو نہیں تھے جو مسلسل خاموش تماشائی بنے کلائمکس کا انتظار کیے جاتے،

پھر اس دفعہ تو نیہاں نے احمد کو اپنے ساتھ ملا کر سب بڑوں سے خفیہ میٹنگ کی تھی اور اس مسئلہ کا حل سامہ اور روحان کا اکٹھے رہنا پیش کیا تھا۔

''خیر میں بھی دیکھ لونگی، اب آر یا پار والی کیفیت ہوگی۔'' بالآخر وہ خود کو پرسکون کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

''سامہ بی بی! کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، جو زیادتی ہوگی اس کا مکمل حساب کتاب ہوگا۔'' وہ خود کو ایسی سوچوں سے کافی حد تک بہلا چکی تھی، اسی لئے روحان کے آنے سے پہلے پرسکون نیند کی آغوش میں جا چکی تھی اور اندر قدم رکھتا روحان دروازہ کے بالکل ساتھ والے حصہ میں اس کا پیک سامان دیکھ کر حیران رہ گیا، اس کے اتنی جلدی، بغیر کسی ہنگامہ کے ساتھ چلنے پہ آمادگی ظاہر کرنے کا کوئی امکان نہیں تا، مگر یہاں تو مکمل امن تھا، وہ الجھتا ہوا اپنی سائیڈ پہ آ کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

ارسلان خان، رضوان خان اور رحمان خان یہ تینوں بھائی ''خان ولا'' میں اپنی فیملیز کے ساتھ رہائش پذیر تھے، ان کے والد احسن خان نے یہ گھر اس طرز پہ بنایا تھا کہ تینوں بھائی اکٹھے بھی رہیں اور کسی کی پرائیویسی بھی ڈسٹرب نہ ہو، اسی لئے بچوں کے جوان ہونے اور اکثر کی شادیاں کرنے کے باوجود سب اکٹھے رہتے تھے، ارسلان خان اور شبانہ کا ایک بیٹا روحان اور ایک بیٹی رحمہ تھی، شبانہ رحمہ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر یہ دنیا چھوڑ گئی تھیں، ارسلان خان نے دوبارہ شادی نہیں کی، وہ بچوں کو بھرپور توجہ دینا چاہتے تھے، مگر ایک تو بزنس کی بے پناہ مصروفیت اور کچھ اپنی جلالی طبیعت کی بنا پہ چاہتے ہوئے بھی اپنے اور بچوں

کے بیچ کا فاصلہ کم نہیں کر سکے تھے، رحمہ تو خیر لڑکی تھی پھر اپنی ہم عمر لڑکیوں اور دادی، چچیوں کا پیار پا کر بہل گئی مگر روحان نے ماں کے ساتھ باپ کی کمی کو بہت مس کیا تھا، جو زندہ ہوتے ہوئے بھی ان سے بہت دور تھے، رضوان خان اور سائرہ کی دو بیٹیاں نیہاں اور عافیہ اور دو ہی بیٹے ہارون اور حسن تھے، جبکہ رحمان خان اور راشدہ کی تین بیٹیاں سامیہ، منال اور طوبیٰ تھیں اور دو بیٹے ثاقب اور احمد تھے، تقریباً سب بچوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اس گھر کی سربراہ سب کی لاڈلی اور پیاری دادی ماں نے گزشتہ دو سالوں کے دوران سب کے مشوروں کے بعد آپس میں ہی رشتے طے کر دیئے تھے، بقول دادی ماں کے اگر گھروں میں بہتر جوڑ موجود ہیں تو باہر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور آنے والے وقت نے ثابت بھی کر دیا کہ ان کا یہ فیصلہ کتنا درست تھا۔

ان کے گھر کا ماحول ویسے دوستانہ اور بے تکلفانہ تھا، سب آپس میں محبت سے رہتے تھے، صرف ایک دکھ تھا جس نے خان ولا کے ماحول کے حقیقی رشتوں کو چھین لیا تھا، وہ شبانہ کی وفات کے بعد تہمینہ اور ان کے شوہر کی ناگہانی موت تھی، یہ ایسا غم تھا جو سب کے دلوں کو آہستہ آہستہ سلگاتا رہتا تھا، اگرچہ سب ہنستے بولتے تھے مگر یہ زخم موجود ہی تھا، تہمینہ کے بعد ان کے پاس صرف ایک ہی اکلوتی پھپھو تھیں الوینہ جو سب بچوں میں مقبول اور ہر دلعزیز تھیں، ہر بچہ اپنا کوئی بھی مسئلہ ہوتا ان کے پاس لے کر آتا، چاہے وہ حسن کا نیا گاڑی کا مطالبہ ہو یا پھر ثاقب صاحب کی پاکٹ منی میں کمی کا مسئلہ، الوینہ پھپھو زندہ باد کا نعرہ بلند ہوتا اور وہ بھی ہم سب ساتھ ہیں اس تیاری کے ساتھ میدان میں اترتیں اور دادی ماں اور بڑے ابا سے منوا کر ہی واپس آتیں، ان کی بیٹی ردا کی شادی ہارون سے ہوئی تھی اور اس کے علاوہ دو بیٹے زوار اور زین جڑواں تھے اور دونوں ثاقب اور یحییٰ کے کلاس فیلو بھی تھے، اس طرح سے آج کے گہما گہمی کے دور میں خان ولا محبتوں کا گہوارہ بنا بہت سے لوگوں کے لئے رشک کا باعث تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس نے تشویش سے اس کے سرخ چہرے اور متورم آنکھوں کو دیکھا، سامیہ نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دیکھا اور دوبارہ سے روٹی بیلنے میں مصروف ہو گئی، وہ بہت کم اس کی کسی بات کا جواب دیتی تھی اور اس کی یہ بے نیازی بعض اوقات روحان کی روایتی ''خان خون'' کھولا کر رکھ دیتی تھی، اب بھی یہی ہوا تھا، ایک تو وہ خاصا تھکا ہوا گھر لوٹا تھا، تین دن کے ٹف شیڈول اور محنت کے بعد وہ دہشت گردی کے بہت بڑے نیٹ ورک کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو سکا تھا، اس کو یہ ٹارگٹ ملتان میں اس کی چھٹیوں کے دوران ہی ملا تھا، جسے ہر صورت پورا کرنے کی دھن اس پہ سوار تھی اور آج بالآخر تین راتوں کی بے خوابی اور دن کی سر توڑ محنت نے اسے کامیابی دے دی تھی، اسپیشل برانچ کے آئی جی سردار نوریز سے بے پناہ تعریفیں سمیٹ کر وہ گھر آیا تھا کہ وہ شروع سے ہی بہت محنتی، اصول پسند اور اپنے فرائض کے لئے سخت مشہور تھا اور اس کے یہی اوصاف سینئرز میں بہت پسند کیے جاتے تھے۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' روحان نے چڑ کر اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا، سامیہ نے ایک نظر توے پہ ڈالی ہوئی روٹی کو دیکھا جو تقریباً پک چکی تھی اور پھر اپنی نگاہیں ہاتھوں پہ جما دیں۔

وہ تیز اور سخت نظروں سے اسے گھورتا رہا،

آج اتنے عرصے کے بعد وہ اپنے مزاج کی تلخی کو اس پہ نکالنے سے روک نہیں سکا تھا اور نہ اپنی غلطی کی سزا بھگتتے ہوئے بہت تلخ مزاج سے ہٹ کر کرنے لگا تھا، روٹی جلنے کی بو پہ دونوں نے بیک وقت چولہے کی طرف دیکھا۔

روحان نے برنر آف کر دیا اور ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر لمبے قدموں سے باہر نکل گیا، وہ کتنے پل ساکت اور سپاٹ نظروں سے غیر مرئی نقطہ کو گھورتی رہی، کیا انجام ہونا تھا اس تعلق کا، کیا وہ ساری عمر یونہی ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں سفر کرتے رہیں گے؟ اپنی کنپٹیوں کو دباتا ہوا وہ بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا، دماغ میں ہر طرح کی منفی سوچیں اور خیالات قبضہ جمانے لگے تھے، کب تک وہ اپنی زندگی کو یونہی گھسیٹتے ہوئے گزارے گا، آرام، سکون یہ سب اس کا حق تھا جو وہ گھر میں داخل ہونے پہ حاصل کرنا چاہتا تھا، مگر فرائض میں معمولی سی کوتاہی اسے تمام حقوق سے محروم کر گئی تھی۔

''زندگی میں مایوسی اور امید کے درمیان بہت معمولی سا فاصلہ ہوتا ہے اور جب ہم ان دونوں کے بیچ کھڑے ہوں تو شیطان ہمیں بھڑکا کر خوش رنگ خواب دکھاتا ہے اور اپنے راستہ کی طرف کھینچتا ہے، اگر انسان ذرا سا کمزور پڑ جائے تو باآسانی اس راہ کا مسافر بن جاتا ہے اور میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ مایوس ہونا زندگی کی تلخ حقیقتوں سے عارضی فرار ہی سہی مگر آنے والی زندگی کو ہم اس طرح اندھیروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔'' بابا کبھی موڈ میں ہوتے تو اپنی اسٹڈی روم میں اسے بلا کر گھنٹوں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں اس سے کرتے تھے، لیکن بہت دفعہ انہیں لگتا کہ ان کی باتیں سننے کی بجائے وہ سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم ہوتا تھا، اسی لئے تو بہت دفعہ بات کرتے کرتے وہ چپ کر جاتے تھے، روحان باوجود چاہنے کے انہیں کبھی نہیں بتا سکا تھا کہ وہ ان کی کہی ہوئی ہر بات کو نہ صرف پورے دھیان سے سنتا ہے بلکہ اپنی زندگی میں بہت جگہ پہ ان کو اپلائی بھی کرتا ہے، نجانے کیوں ان دونوں میں باپ بیٹا والی بات ہی نہیں تھی یہ نہیں تھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا، بلکہ ہاسٹل میں آنے کے بعد بہت دفعہ ان دونوں میں لمبی لمبی بحثیں ہوتی تھیں کھیل، سیاست، مذہب ہر موضوع زیر گفتگو رہتا، مگر جہاں بات ذاتیات پہ آتی وہاں پہ ایک دیوار سی تن جاتی، ان کے بیچ میں، اب بھی تو جب وہ نیگیٹو ہونے لگا تھا تو بابا کی تسلی بھری نصیحت بے اختیار یاد آ گئی تھی، مگر وہ بھی کیا کرتا آخر کب تک وہ سامعہ کا رویہ نظر انداز کرتا، ان کا ریلیشن ایسا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے چاہتے ہوئے بھی لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے، پھر وہ کیوں اسے اتنا آزار رہی تھی، ایک ایسی خطا جو اس کی دانستہ نہیں تھی، اس پہ وہ اسے سزا دینے پہ تلی ہوئی تھی وہ کب تک برداشت کرے؟ اپنے بھنچتے ہوئے سر کو دباتے ہوئے وہ سخت مضمحل اور ڈپریسڈ تھا، شادی کا شروع کا پریڈ ایک خواب ہی لگتا تھا جو پلک جھپکنے پہ ٹوٹ گیا تھا، اسے لگتا تھا کہ وہ بالکل نارمل لوگوں کی طرح سب سے بے ہو کرنے لگے گا، سب میں گھل مل جائے گا، محبت کا اظہار کرنا بھی سیکھ جائے گا، کیونکہ جو لڑکی اس کی شریک سفر بنی تھی اس میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، وہ جانتی تھی کہ زندگی سے خوبصورت اور رنگین پل کیسے چرانے ہیں، جو یقیناً اس جیسے پتھر کو موم کرنے بھی صلاحیت رکھتی تھی، مگر وہ تو بہت جلد تھک گئی تھی، ابھی تو روحان خان نے محبت کا پہلا سبق ہی پڑھنے کی کوشش کی تھی اور سامعہ نے اس کتاب کو بند کر کے پھینک دیا تھا۔

''یہ چائے لے لیں۔'' آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر آئی تھی، اسی لئے اپنی سوچوں میں گم روحان اس کی آمد سے بے خبر رہا تھا، اپنی بے تحاشہ جلتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر اس نے سائیڈ ٹیبل پہ دیکھا، جہاں چائے کے کپ کے ساتھ ٹیبلٹ پڑی تھی، وہ چائے رکھ کر پلٹ چکی تھی۔

''کیا چیز ہے یار یہ لڑکی بھی۔'' بے اختیار مسکراتے لب بھینچ کر وہ سوچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

''بہت دن ہو گئے ہیں اب تو روحان اور سامہ کو گئے ہوئے۔'' دادی ماں نے تسبیح کرتے ہوئے با آواز بلند سوچا، پاس بیٹھی راشدہ چچی نے ہاتھ روک کر ان کی طرف دیکھا، مگر پھر کوئی بھی تبصرہ کیے بنا سر جھکا کر دوبارہ مٹر چھیلنے لگی تھیں، وہ جانتی تھیں ناں کہ سامہ ان سے سخت خفا ہے، نجانے اس لڑکی کے دماغ میں کون اس ایسا کیڑا کلبلا رہا تھا کہ وہ کسی کی بات ہی نہیں مانتی تھی، اب بھی پہلے روحان کے ساتھ جانے سے انکاری تھی جب انہوں نے سختی سے کہا تو مان تو گئی مگر اپنی خفگی کا اظہار بارہا کرتی رہی، پھر کچھ دن پہلے انہوں نے فون پہ اسے اپنے میڈیکل چیک اپ کا کہا تو بری طرح بھڑک اٹھی تھی۔

''کیا ہے امی، آپ لوگ مجھے جینے دیں گی یا پھر نہیں، کبھی کوئی نصیحت کرنے چلا آرہا ہے اور کبھی کوئی مشورہ دے رہا ہے، میری بھی ذاتی زندگی ہے جس میں کسی کی بھی مداخلت مجھے ڈسٹرب کر دیتی ہے۔'' اس کا بدتمیز اور اکھڑ رویہ انہیں سوچنے پہ مجبور کر گیا کہ ان کی تربیت میں کہاں کمی رہ گئی ہے، حالانکہ وہ اتنی گستاخ کبھی نہیں رہی تھی، پھر کیا ہوا تھا ایسا کہ وہ دن بدن چڑ چڑی اور بد مزاج ہوتی جارہی تھی، وہ اس گھر میں رہتی تھیں، پھر ان کی بیٹی کیوں اتنی الجھی ہوئی اور بے سکون تھی، اپنی سوچوں میں وہ اس قدر گم تھیں کہ محسوس ہی نہ کر سکیں کہ کافی دیر سے دادی ماں کی نگاہوں کی زد میں ہیں۔

''کیا بات ہے چھوٹی بہو، مجھے تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟'' وہ دیکھ سکتی تھیں کہ کافی دیر سے مٹر کے چھلکے کو پکڑے بے خیالی میں بار بار چھیل رہی ہیں، ان کا اضطراب اور بے چینی ہر انداز سے مترشح تھی۔

''کچھ نہیں اماں۔'' گہری سانس بھر کر انہوں نے چھلکا ٹوکری میں پھینکا اور نظریں چراتی ہوئی مٹر اٹھا کر کچن کی طرف بڑھ گئیں، اماں نے کافی دیر تک ان کی پشت کو پرسوچ نگاہوں سے دیکھا، جانے کیا بات تھی جسے چھوٹی بہو ان سے چھپا رہی تھی حالانکہ آج تک ایسا ہوا تو نہیں تھا اور کریدنا ان کی عادت نہیں تھی، اسی لئے ٹھنڈی سانس بھر کر دوبارہ تسبیح کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆☆☆

''سامہ کہاں ہے؟'' وہ آفس سے آیا تو کافی دیر تک لاؤنج میں اس کی آمد نہیں ہوئی، ورنہ جیسے ہی وہ آتا تو کچھ دیر کے بعد وہ ادرگرد پھرتی نظر آجاتی اگرچہ اس سے بے نیاز مگر اپنے کام میں مگن پھر رہی ہوتی، مگر آج وہ کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی، اسی لئے چینج کرنے کے بعد اس نے کام کرتی حاجراں سے پوچھا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے شاید بخار زیادہ ہو گیا ہے، اسی لئے صبح سے گیسٹ روم میں لیٹی ہوئی ہیں، میں نے تو کہا تھا کہ آپ کو فون کر دوں مگر وہ نہیں مانیں، اسی لئے۔'' بے تحاشا بولنے کی شوقین حاجراں تفصیل سے جواب دے رہی تھی اور اس کا سر دکھنے لگا تھا، اسی لئے اس کی

بات کے درمیان سے ہی سر ہلاتا ہوا کچن سے نکل آیا، سوپ میں چمچ چلاتی حاجراں بی بی دوبارہ گنگناہٹ میں مشغول ہوگئی، کیونکہ اگر کوئی سننے والا یا بات کرنے والا نہ ہوتا تو گنگنا کر وہ اپنے منہ کو چلائے رکھتی تھی۔

''اگر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی تو فون تو کروا سکتی تھیں ناں آپ، مر تو نہیں گیا تھا میں۔''

وہ اس پہ برس رہا تھا جو بخار کی شدت سے نڈھال سرخ چہرہ لئے پڑی تھی، روحان کا غصہ بتدریج بڑھنے لگا تھا، کیا تھا جو کل وہ اس کی بات مان کر ڈاکٹر کے پاس چلی جاتی تو اتنی بیماری تو نہ بڑھتی، مگر اسے تو عادت ہوگئی تھی روحان کو اور خود کو اذیت دینے کی۔

''کس قدر ضدی اور ہٹ دھرم ہوگئی ہے، شادی سے پہلے تو شاید ایسی نہ تھی، بلکہ شادی کے بعد بھی نہیں، اب ایسی ہوگئی ہے۔'' اس پہ نظریں جمائے وہ سوچ رہا تھا، پھر گہرا سانس لے کر ڈاکٹر زاہد کو فون ملانے لگا۔

☆☆☆

الجھ نہ جائے طبیعت یہ ذکر رہنے دو
کسے ہے کس سے محبت یہ ذکر رہنے دو
عشق و محبت کے فسانے
کھل نہ جائے حقیقت یہ ذکر رہنے دو
وہ میرے ہو کر بھی میرے نہ ہوئے طبیب
مجھے رہی کیا کیا نہ حسرت یہ ذکر رہنے دو

''اتنی بڑی بات ہوگئی اور تم لوگوں نے کسی کو بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا۔'' نیہاں نے تاسف سے اس کے جھکے سر کو دیکھا، وہ کیا جواب دیتا۔

''اسی لئے وہ اتنی الجھی ہوئی اور تم سے کھنچی کھنچی رہ رہی تھی اور ہم سمجھے کہ شاید وہ تمہارے مزاج کو صحیح سمجھ نہیں پائی، اسی لئے وہ اتنی خاموش ہوگئی اور ہم سب لوگوں سے ناراض ہے۔'' یہ ردا آپی تھیں، جو ہمیشہ دیر سے مگر کافی سوچنے کے بعد بولنے کی عادی تھیں، وہ دونوں آج صبح کی فلائٹ سے پہنچی تھیں، سامہ کا بخار بگڑ گیا تھا، اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروانا پڑا تھا جہاں چار گھنٹے مسلسل بے ہوش رہنے کے بعد وہ آدھی رات کو ہوش میں آئی تھی مگر روحان کے ہوش صحیح معنوں میں اڑا گئی تھی، اسی لئے اس نے گھر فون کر کے کسی کو اپنے پاس آنے کے لئے کہا تھا، سامہ کی خرابی طبیعت کا تو نہیں بتایا تھا کہ سب گھبرا جاتے، بس نیہاں سے ریکوسٹ کی تھی کہ کسی طرح صبح کی پہلی فلائٹ سے آجائے اور اب وہ سامنے بیٹھی تفتیش کر رہی تھیں، سامہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھیں اور روحان ان کی پیشی بھگت رہا تھا۔

''دیکھو روحان سنجیدگی بہت اچھی چیز ہے، مگر کسی معاملے میں کسی چیز کی زیادتی ہمیشہ معاملہ بگاڑ دیتی ہے تم سب سے کھلتے ملتے کم تھے، یہ ہم سمجھتے ہیں کہ تمہاری عادت ہے، مگر یہ بھی تو دیکھتے کہ سب تم سے محبت کرتے ہیں، تمہاری کیئر کرتے ہیں، تمہارے چہرے کی ہر شکن کو پڑھنا جانتے ہیں تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہتا تو کیا تم سے لاپرواہ ہیں نہیں، بلکہ تمہیں ٹائم دے رہے تھے کہ تم خود اس چیز کو محسوس کرو اور اپنے احساسات کو ہم سے شیئر کرو، مگر تم نے تو کیا، سامہ تک نے خود کو ہم سب سے الگ کر لیا، اتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور ہم سب سے چھپا گئے۔''

نیہاں کو صحیح معنوں میں بے پناہ دکھ ہوا تھا اسی لئے مسلسل بولتے ہوئے اس کی آواز آخر میں رندھ گئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آپی۔'' وہ ان کے آنسوؤں سے بوکھلا گیا تھا۔

''میں سمجھا کہ شاید سامہ اس کا ذکر آپ سے

لر چلی ہے، آئی واز فیلنگ گلٹ اسی لئے۔'' وہ چپ ہوگیا، ردا نے خاموش نظروں سے نیہاں کی طرف دیکھا، وہ بھی اس کی طرف متوجہ تھی، اس کی نگاہوں کا مفہوم بھانپ گئی، مگر ظاہر ہے اتنی ''کھلی بات'' وہ روحان سے نہیں پوچھ سکتی تھی اس لئے انہیں سامہ کے اٹھنے کا انتظار کرنا تھا، اسی لئے گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں، ابھی انہیں گھر جا کر پرہیزی کھانا بنا کر لانا تھا اور روحان کا بھی انہیں معلوم تھا کہ یقیناً اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہو گا، کیونکہ ہوٹل وغیرہ کے کھانے اسے کبھی بھی پسند نہیں رہے تھے، اتنا عرصہ بھی جب تک وہ اکیلا باہر رہا تھا تو ان کا پرانا ملازم ہی اس کے ہمراہ رہا تھا جو بیک وقت خانساماں اور چوکیدار کے فرائض انجام دیتا تھا۔

''چلو روحان مجھے گھر چھوڑ کر آؤ۔'' انہوں نے سپاٹ انداز میں کہا تو وہ اپنی سوچوں سے چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''چلیں۔'' یک لفظی جملہ ادا کر کے وہ باہر نکل گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

''پلیز آپی اور نہیں۔'' وہ برا سا منہ بنا کر پیالہ پرے کر گئی۔

''اسے ختم کرو۔'' ردا نے تحکم سے کہا۔

''پہلے ہی اپنی صحت اتنی برباد کر چکی ہو اور کتنا ستانا چاہتی ہو۔'' اور وہ چونک گئی ان کے انداز اور لہجہ پہ، ان کے چہرے پہ تاسف اور ناراضگی کی گہری چھاپ تھی۔

''سامہ! جلدی سے اسے کھاؤ، پھر مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔'' نیہاں کو کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔

''نیہاں آج ڈاکٹر چھٹی دے دیں گے، میرا خیال ہے کہ گھر جا کر ہی بات کی جائے تو زیادہ بہتر ہے اور ویسے بھی روحان کو اچانک آفس کال پہ جانا پڑا ہے، اس کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔'' ردا نے خاصی سنجیدگی سے کہا، سامہ حیرت سے ان کی نافہم گفتگو سن رہی تھی اور ان دونوں کے روکھے اور اکھڑے لہجے اسے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں دلا رہے تھے، اس لئے خاموش رہنا ہی مناسب لگ رہا تھا، اسی وقت دروازہ ناک کر کے ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' سامہ کی نبض چیک کرتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''بہت بہتر ہے۔''

''ہوں مجھے بھی لگ رہا ہے، آپ کافی بہترین کل سے، شام تک انشاء اللہ آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' ساتھ کھڑی نرس سے فائل لے کر اس پہ دوائیاں لکھتے ہوئے وہ پروفیشنلی مسکراہٹ اور نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''آپ کو بہت کیئر کرنا ہو گی ان کی، ان کا نمونیا مکمل بگڑ چکا تھا، تھوڑی سی مزید دیر ہو جاتی تو خدانخواستہ ان کی جان بھی جا سکتی تھی۔'' وہ ردا اور نیہاں کو بتا رہا تھا، جنہوں نے دہل کر سامہ کی طرف دیکھا۔

''یہ لڑکی تو...... گھر جا کر اس کی طبیعت صاف کرونگی۔'' دونوں کی انفرادی سوچ یکساں اور جارحانہ تھی۔

''بی کیئر فل مسز روحان۔'' ڈاکٹر تو کہہ کر جا چکا تھا اور وہ ان دونوں کے خطرناک تیوروں کی زد میں تھی، شام میں روحان آیا تو وہ سب سامان اکٹھا کر کے تیار تھیں، زرد سی سامہ لائٹ گرین سوٹ میں بہت پژمردہ اور کملائی ہوئی تھی، روحان نے تاسف سے اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا، پھر ردا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے ڈاکٹر کی ہدایات بتا رہی تھیں۔

''میں ڈسچارج شیٹ بنوا کر آتا ہوں۔'' ان سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔
''آؤ میں پکڑتا ہوں۔'' جونہی سامہ بیڈ سے اترنے لگی تو چکر سا آ گیا، چونکہ ردا اور نیہاں باہر نکل چکی تھیں، اس لئے روحان کو آگے بڑھ کر اسے سہارا دینا پڑا، جیسے بیدردی سے ٹھکرا دیا گیا۔
''اپنی فضول سی ضد اور ہٹ دھرمی سے تم پہلے ہی بہت کچھ گنوا چکی ہو، مزید اور کیا کرنا چاہتی ہو۔'' اسے طعنے دینے کی عادت نہیں تھی مگر سامہ کے رویہ پہ وہ اپنی کھولن کو دبا نہیں سکا، جواباً اس کی سلگتی نظروں سے اسے چپ کروا دیا، ردا نے مڑ کر دیکھا جو ایک دوسرے سے یکسر اجنبی بنے خاصے فاصلے پہ اپنی سوچوں میں گم چلے آ رہے تھے۔
''کتنے احمق اور فضول میاں بیوی ہیں ایمان سے۔'' وہ سلگ کر نیہاں سے سرگوشیانہ بولی جو خود بھی اپنی جگہ پہ سلگی اور جلی بیٹھی تھی اس لئے مزید کسی تبصرہ کے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

''سامہ! بابا جان نے کہا تھا کہ تم لوگ اس ہفتہ گھر آ جاؤ کیونکہ یحییٰ اور رزوباریہ کی شادی کی تاریخ طے کرنا ہے، اگر تم لوگوں کا پروگرام ہو تو ہم دونوں بھی ساتھ چلتے ہیں، ورنہ ہماری کل کی سیٹیں کنفرم کروا دو۔'' ردا نے اطلاع دیے کر سوالیہ انداز سے روحان کی طرف دیکھا۔
''میرا جانا تو مشکل ہے، آج کل میرا شیڈول خاصا ٹف ہے، اس لئے چھٹی نہیں لے سکتا، سامہ کو اگر جانا ہو تو آپ کے ساتھ اس کی بھی سیٹ کروا دیتا ہوں۔'' چینل سرچنگ میں مصروف روحان کے صفا چٹ جواب پہ نیہاں نے طیش سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریموٹ کھینچ لیا۔
''تمہارا ہر اپوائنٹ پہ غیر حاضر ہونا لازم ہو چکا ہے روحان، اتنے فاصلے مت پیدا کرو کہ اگر پلٹنا چاہو تو وقت تمہارے ہاتھ سے نکل چکا ہو۔'' سامہ نا سمجھی سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''یہ رشتے ناطے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نبھانے کے لئے پیدا کیے ہیں، اگر ہم ان سے تعلق توڑنا بھی چاہیں تو سوائے تنہائی اور پچھتاؤں کے کچھ نہیں ملتا اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا، تم اتنا عرصہ ہم لوگوں سے دور رہے ہو تو اس کا انجام کچھ حد تک دیکھ رہے ہو اور اللہ نہ کرے کہ کوئی مزید پریشانی تمہارا مقدر بنے۔'' نیہاں فل فارم میں تھی، ردا کا جی چاہا کہ اٹھ کر نیہاں کا منہ چوم لے، مگر اپنے جذبات کو فی الحال قابو رکھنا ضروری تھا، اس لئے غائبانہ داد سے نواز کر سامہ کی طرف متوجہ ہوئی، جو مضطرب سی ناخن چبا رہی تھی۔
''اور تم سامہ۔'' نیہاں نے اب اپنا رخ سامہ کی طرف موڑا۔
''تم اتنی سمجھدار اور بڑی کب سے ہو گئیں کہ اپنی باتیں تک ہم سے چھپانے لگیں۔'' سامہ نے سٹپٹا کر پہلے نیہاں اور پھر ردا کی طرف دیکھا جو لاعلمی سے کندھے اچکا گئی تھی۔
''ہمیں روحان تمہارے ساتھ ہونے والے حادثہ کے متعلق بتا چکا ہے۔'' نیہاں کا جتاتا ہوا لہجہ اسے سن کر گیا، روحان حسب عادت سر جھکائے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔
''میں نے بھلا چھپا کر کیا کرنا ہے بس......'' گہرا سانس لے کر وہ دوبارہ سے خود کو سنبھالنے لگی تھی، آنکھوں میں آنسوؤں نے اپنی جگہ بنانا شروع کر دی تھی، ذہن پہ چھائی ہوئی کثافت مزید گہری ہونے لگی تھی، روحان نے

چونک کر افسردہ لہجہ سنا تھا، آج کتنے عرصہ کے بعد وہ یوں کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھی، ورنہ تو اس کے اوپر سرد مہری اور برفیلے تاثرات نے مستقل اپنے ٹھکانے بنا لئے تھے، ردا نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھام لئے، نیہاں بھی دکھ سے اسے دیکھنے گئی۔

''آج اگر وہ ہوتا تو زندگی شاید یوں نہ ہوتی۔''

''اونہوں ایسے نہیں کہتے زندگی ابھی بھی بہت اچھی اور سہل ہے، بس یہ تمہاری سوچیں ہیں جنہوں نے اسے کٹھن بنا دیا ہے۔'' نیہاں نے اسے ٹوک دیا تو وہ ایکدم چپ ہو کر اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگی تھی۔

''روحان قصور وار ضرور ہے مگر تم اسے مجرم تو نہیں کہہ سکتی ناں، شاید کاتب تقدیر نے ایسے ہونا ہی لکھا تھا، پھر میں یا تم کیسے کسی فرد پہ Allegation لگا سکتے ہیں۔'' سامہ نے بنا کسی تاثر کے سر اٹھا کر ایک بار پھر روحان کی طرف دیکھا اور وہ اس کی نگاہوں کا مفہوم پا کر ایک بار پھر بکھر سا گیا، گزرے ہوئے پل جو کہ ہرگز بھی اتنے خوشگوار نہ تھے کہ انہیں یاد رکھا جاتا اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے۔

☆☆☆

''یہ کیسے ہوا؟'' اس سوال پہ مسکراتے ہوئے چہرے پہ تاریک سایہ لہرا گیا۔

''آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ ایکدم زرد پڑ گئی تھی۔

''کیا مجھے خوش ہونا چاہیے تھا؟'' سوال کے جواب میں ایک اور سوال تھا اور وہ تو اس کے لہجہ کی تختی اور سرد مہری پہ مرجھا کر رہ گئی، اس نے تو سنا تھا کہ یہ ایسی خبر ہوتی ہے جو بڑے سے بڑے سخت سے سخت دل والے کو بھی موم بنا دیتی ہے، پھر یہ کیسا شخص تھا اور کیسے ری ایکٹ کر رہا تھا، وہ الجھ سی گئی۔

''مجھے ایسی کسی خرافات کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی تم اس میں پڑو۔'' وہ جو کچھ وضاحت دینا چاہتی تھی، اس جملہ پہ ساکت رہ گئی، ابھی تو وہ مکمل طور پہ خوشی کا اظہار بھی نہیں کر پائی تھی اور کسی سے بھی ڈسکس نہیں کیا تھا کہ سب سے پہلے ڈاکٹر کی شرارتی نصیحت پہ عمل کیا تھا جو کہہ رہی تھی کہ ''میاں کو بتانا پہلے، دیکھنا وہ کتنا خوش ہو گا'' اور یہاں خوشی تو کیا آئی تھی چہرے پہ چٹانوں سی تختی اور کھردرا پن آ گیا تھا۔

''روحان یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' کافی دیر کے بعد بولنے کے قابل ہوئی تو صرف یہی کہہ سکی، جبکہ دوسری طرف لاتعلقی اور بے نیازی عروج پہ تھی۔

''جو میں نے کہنا تھا کہہ دیا اور میرا خیال ہے کہ تم اچھی طرح جان بھی گئی ہو، اب ان پڑھ بیویوں والے سوالوں جوابوں میں وقت ضائع مت کرو اور جو کہا ہے صبح جا کر ڈاکٹر سے ڈسکس کر کے چھٹکارا پاؤ۔'' وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے اپنے کسی ماتحت کو کسی جگہ پہ چھاپہ مارنے کے لئے حکم دے رہا ہو، لہجہ ہر طرح کی نرمی اور حلاوت سے خالی تھا، سامہ نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اپنی سسکی کو بے اختیار روکا، کیسا شخص تھا جو اپنی اولاد کے لئے چھٹکارا جیسا لفظ استعمال کر رہا تھا، وہ بچہ جو ابھی دنیا میں آیا بھی نہ تھا اور اس کی نفرت کا شکار ہو رہا تھا، وہ کیسے یہ سب بتاتی اور کیسے اس سے بحث کرتی جو اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اسے فقط ''بس'' کہہ کر باہر نکل گیا تھا، سامہ نے اپنے اندر سے اٹھتے طیش اور دکھ کے جذبات کو آنسوؤں کی صورت میں بہنے دیا اور نڈھال سی سر پکڑ کر بیڈ پہ بیٹھ گئی، آنے

والے دنوں نے روحان کی بیزاری اور بختی کو مزید بڑھا دیا، کچھ دن تک تو وہ فقط سوالیہ سرد نظروں سے اسے دیکھتے رہا اور وہ ان خاموش نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی انجان بنی رہی، سمامہ کا خفا اور انجان رویہ روحان کو طیش دلا گیا، عجیب لڑکی تھی بجائے اس کی بات ماننے کے اس سے مقابلہ پہ اتر آئی تھی، اپنی زندگی میں اس نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنی ہر بات کے جواب میں لیس سنا تھا، اب سمامہ کے رویہ پہ وہ جھنجھلا سا گیا تھا، آخر کار ایک دن وہ پھٹ ہی پڑا۔

''میں نے تم سے جو کہا تھا تم نے وہ کیا؟''
اور وہ جو لاتعلق سی نظر آنے کی کوشش میں اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر کمرے کی سمیٹی ہوئی چیزوں کو مزید سمیٹ رہی تھی، اس جواب طلبی پہ چونک گئی۔

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی اور ویسے بھی ایسا گناہ......''

''پہلے کتنے ثواب زندگی میں کما چکی ہو جو گناہوں کے حساب کتاب میں الجھ گئیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر طنزیہ بولا، سمامہ نے لب بھینچ کر خود کو سخت بات کہنے سے بمشکل روکا، روحان کا رویہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ ہٹ دھرمی کی حد تک پہنچ چکا ہے اور اپنی بات ہر حال میں منوا کر ہی دم لے گا اور اس کی یہی انتہا سمامہ کو دکھ بھری اذیت میں مبتلا کر رہی تھی اور اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ انتہائی ذاتی مسئلہ وہ کس سے شیئر کرے، ہر صورت میں اس کی اپنی ہتک اور عزت نفس پہ تازیانہ تھا کہ اس کا شوہر اپنی جائز اولاد کو ہی دنیا میں آنے سے پہلے ختم کرنا چاہتا تھا، وہ تو اپنی ماں تک کو ابھی تک خوش خبری کا نہیں بتا پائی تھی اوپر سے روحان کا شوشا، اور سمامہ کی خاموشی روحان کے غصے کے گراف کو مزید بڑھا رہا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ اس طرح کر کے تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤ گی، تو یہ تمہاری بھول ہے، تم تیار ہو جاؤ ہم آج ہی ڈاکٹر کے پاس جائیں گے۔'' اس کا حتمی انداز اور اٹل لہجہ ایک لمحہ کے لئے سمامہ کو سہما سا گیا، مگر اگلے ہی پل اپنے وجود میں پلتے ہوئے ننھے وجود نے اسے مضبوط بنا دیا۔

''کیوں جاؤں میں، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا کہ اپنی جائز اولاد کو مار ڈالوں، کیوں ظلم کرنا چاہتے ہو تم اور یہ تمہاری بھی بھول ہے کہ میں تمہیں اس ناپاک اور مذموم ارادہ میں کامیاب ہونے دوں گی۔'' وہ ہسٹریک ہونے لگی تھی، جواباً روحان کی استہزائیہ مسکراہٹ نے اس کا ڈھیروں خون جلا دیا، یا اللہ یہ کیسا نفسیاتی مریض اس کا نصیب بنا تھا کہ جس کی زندگی کا ہر نیا باب اک نئی الجھن لئے ہوا تھا اور وہ تھکنے لگی تھی اس ڈور کو سلجھاتے ہوئے۔

''میں کل ہی بابا جان کی طرف چلی جاؤں گی۔''

''جو میں نے کہا ہے اسے کرنے کے بعد جہاں مرضی چلی جانا، اس سے پہلے نہیں۔'' انگلی اٹھا کر وارننگ کے انداز میں بولا۔

''پھر مرغے کی ایک ٹانگ، مجھے اپنے اس حکم کی وجہ بتاؤ پہلے۔'' وہ جھنجھلا کر آپ جیسے القابات کو بھول گئی تھی اس سے، اس نے جانچتی نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور وہ ان گہری نظروں پہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی، غیر محسوس انداز میں دوپٹہ اپنے گرد لپیٹ لیا، اس کے حجاب آلود جھینپے انداز پہ وہ باوجود ٹمینشن سے مسکرا دیا، لیکن جلد ہی اپنے تاثرات نارمل کر کے اصل مسئلہ کی طرف آ گیا۔

''وجہ بتانے کا میں پابند نہیں ہوں تمہیں

صرف اس سے مطلب ہونا چاہیے کہ تمہارے شوہر نے تمہیں جو کہا ہے اس پہ عمل کرو۔'' اور وہ دکھ سے اسے دیکھتی چلی گئی وہ اسے آج تک سمجھ نہیں پائی تھی، پرت در پرت اس کے اتنے روپ سامنے آ رہے تھے کہ وہ حیران اور پریشان ہی تھی، حالانکہ اس کا اور روحان کا ساتھ شادی کے بعد کا نہیں تھا صرف، وہ اسے بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی، اس کے مزاج کی گرمی سردی سے بھی واقف تھی، اس کے تنہا بیزار اور خاموش رویہ کو وہ سب کزنز اس کی عادت خیال کر کے محتاط رہتے تھے مگر وہ اندر سے کتنا الجھا ہوا اور سائیکی کیس بن چکا تھا یہ جاننے کی کسی نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، سامہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے، آخر اسے ہی ایسا شخص ملنا تھا، جس کی شاندار اور بارعب شخصیت کو دیکھ کر اس کی دوستیں کتنا رشک کر رہی تھیں شادی کے دن اور آج اگر اس کی اصلیت اور شخصیت کا اندرونی روپ کوئی دیکھ لے تو، اس سے آگے اس کی سوچ ٹھہر اکر رہ گئی، کیا وہ کسی کو بتا پائے گی کہ وہ کیسا مطالبہ اس سے کر رہا ہے، کتنا مشکل اور کڑا وقت ہوتا ہے ایک شادی شدہ لڑکی پہ جب اس کے کندھوں پہ ایسا نادیدہ بوجھ آن پڑتا ہے، روحان بڑے غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو اس میں کوئی نقصان نہیں ہو گا تمہارا، میں گارنٹی دیتا ہوں کہ کسی اچھے اور قابل اسپیشلسٹ سے مشورہ کر کے ہی اگلا قدم اٹھائیں گے۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ کر قدرے نرمی سے سمجھانے لگا تھا۔

''روحان صاحب کوئی بھی باضمیر اور اچھا ڈاکٹر آپ کو ایسا مشورہ کبھی نہیں دے گا اور میں کروں کیوں ایسا، کیوں ظلم کرنا چاہتے ہیں آپ، میں ماں بننا چاہتی ہوں، مجھ سے یہ ڈیمانڈ مت کریں پلیز۔''

پہلے سختی سے اور پھر یکدم التجائیہ انداز سے اس کے ہاتھ تھام کر وہ تقریباً رو دی تھی، روحان نے اس کے ہاتھ جھٹکے اور مضطرب سا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم سمجھتی کیوں نہیں ہو سامہ، مجھے کسی بھی صورت زندگی میں کبھی بھی بچہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔''

''تو پھر شادی ہی نہ کرتے۔'' عام حالات میں وہ کبھی بھی اتنی کھلی گفتگو نہ کرتی مگر حالات اس موڑ پہ آ گئے تھے کہ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنا مقدمہ کس طرح لڑے۔

''شادی ہونی تھی ہو گئی، اس بات کو چھوڑو، میں آگے کی بات کر رہا ہوں تم اس مسئلہ کو نپٹاؤ۔''

وہ دانستہ یہ ذکر گول کر گیا کہ کتنی دعاؤں کے بعد وہ اسے پا سکا تھا، نجانے کب کی دل میں دبی ہوئی خواہش تھی جس کو زبان کا روپ دے کر بابا جان نے زندگی میں پہلی دفعہ اسے دلی خوشی عطا کی تھی، ورنہ تو وہ ہر اس معاملے اور خواہش کے برعکس فیصلہ کرتے تھے جس کی آرزو روحان کو ہوتی تھی، وہ آج تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ اتنے سخت گیر باپ کیوں تھے اور وہ بھی روحان کے لئے صرف، ورنہ رحمہ تو ان کی لاڈلی اور بے حد عزیز بیٹی تھی جس کی زبان سے نکلنے سے پہلے ہی اس کی ہر خواہش پوری کر دی جاتی تھی، اسی لئے اللہ کے کرم اور بابا کے فیصلہ پہ وہ جتنا بھی شکر ادا کرتا کم تھا اور سامہ کہہ رہی تھی کہ ''شادی ہی نہ کرتے'' بے وقوف لڑکی اس کی شدتوں اور محبتوں سے واقف ہو جاتی تو کبھی نہ کہتی یہ سب۔

اس نے اپنا ماتھا رگڑا، وہ کیسے اسے بتائے کہ وہ اسے کھونا نہیں چاہتا، وہ نہیں چاہتا کہ ایک

اور ''روحان'' اس دنیا میں آئے، ہاں کی کمی قدم قدم پہ اس کی زندگی کو تلخیوں سے بھر گئی تھی اور اگر سامہ کو کچھ ہو گیا تو...... اس سے آگے کی سوچ اسے فریز کر دیتی تھی، اپنی یہ سوچ اور خیالات وہ اس سے شیئر نہیں کر سکتا تھا، دیکھا جاتا تو یہ معمولی سی نفسیاتی گرہ تھی جسے ڈسکس کر کے سولو کیا جا سکتا تھا، مگر اپنی یہ کمزوری وہ کسی پہ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، سامہ اس کی خاموشی سے اکتا کر اٹھ کھڑی ہوئی، مگر ایکدم چکر آیا تو دوبارہ بیٹھ گئی آج کل اسے وقفے وقفے سے یونہی چکر آتے تھے، ڈاکٹر نے مکمل بیڈ ریسٹ اور خوراک کا خیال رکھنے کی سختی سے تلقین کی تھی، مگر وہ تو روحان کی ضد پہ اتنی خوفزدہ اور الجھی ہوئی تھی کہ خرابی طبیعت کا ذکر تک اس سے نہیں کر سکتی تھی، کیا پتا وہ سر پھرا اسی بات کو بنیاد بنا کر اپنی منوا لیتا۔

''کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو۔'' روحان کا فون آ گیا تھا مگر بات کرتے ہوئے وہ اس کی حالت دیکھ چکا تھا اسی لئے کال مختصر کر کے وہ فوراً اس کی طرف لپکا، سامہ نفی میں سر ہلا کر اٹھ کر باہر آ گئی تھی، آنسوؤں نے آج کل ویسے بھی آنکھوں میں مستقل بسیرا کر لیا تھا۔

ایک بے جا ضد نے اس گھر کے دونوں نفوس کو انتہائی مشکل دوراہے پہ لا کھڑا کیا تھا۔

☆☆☆

''یہ ٹارگٹ کلنگ، روزانہ کی ہڑتالیں، فائرنگ اور پرتشدد واقعات، آخر کب تک ایسا چلے گا، جو لوگ ایسا کر رہے ہیں سب جانتے ہیں کہ کون ہیں، مگر آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑنے کی جرأت کسی میں نہیں ہے اور ہمارا ڈیپارٹمنٹ جسے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ سپرد کیا گیا ہے وہی خاموشی سے ہر روز ہونے والے خون سے کھیلے جانے والا تماشا دیکھتا ہے، آخر کیوں ہاتھ بندھے ہیں ہمارے، کیوں سخت ایکشن نہیں لیا جا رہا ہے اس کے خلاف۔'' مسلسل بولنے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا، جمال خان نے بغور اسے دیکھا اور نرمی سے مسکرا دیئے، لیکن یہ مسکراہٹ ایسی تھی کہ جس میں بے بسی، دکھ اور آنسوؤں کی آمیزش تھی جو دیکھنے والے کو رلا دیتی ہے، یہ مجبوریاں اور بظاہر آزاد مگر بندھے ہوئے ہاتھ کیسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتے ہیں وہ کیسے اور کس سے اظہار کریں ان کے سامنے بیٹھا یہ قابل اور ذہین ترین آفسر روحان جس ٹینشن اور اذیت کا شکار ہو رہا تھا پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ہر دیانتدار اور محب وطن سپاہی ایسے ہی احساسات رکھتا تھا۔

''دیکھو روحان! یہ مشکل وقت جو ہم پہ پڑا ہے اس سے جوش سے نہیں ہوش میں رہ کر نکلنا ہے ہمیں، ہمارا دشمن ہمیں یونہی الجھا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتا ہے لیکن میں جانتا ہوں اگر ہم باقاعدہ ایک اسٹریٹجی اپنائیں اور اپنے اپنے علاقے کی صحیح طور پہ نگرانی کریں تو کوئی مشکل نہیں ہے کہ ان چھپے ہوئے مکروہ ہاتھوں کو پکڑ نہ سکیں۔''

''تو سر آخر کون قدم آگے بڑھائے گا، یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر ہم کب تک اپنے ہی لوگوں کو اپنی نظروں کے سامنے کٹتے، مرتے ہوئے دیکھتے رہیں گے آج کل تو انسانی جان اتنی ارزاں ہو گئی ہے ہمارے ملک میں کہ جانوروں کا ریٹ زیادہ ہو گا اس سے بازار کیٹ میں۔'' وہ بے انتہا تلخ ہو رہا تھا اور اس کی یہ تلخی بلا جواز نہیں تھی پچھلے دو ماہ سے وہ جس گروہ کے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہا تھا دن رات کی اس کی محنت کو اوپر سے آئے ہوئے ایک ٹیلی فون نے برباد کر دیا تھا اور اسے ایکشن لینے سے روک دیا گیا تھا، وہ اس آرڈر پہ اتنا دلبرداشتہ

ہو رہا تھا کہ اپنی بھڑاس جمال خان کے سامنے نکالنے سے خود کو نہیں روک پایا، آئی جی جمال خان خود بھی اس بات پہ خاصے مضطرب ہو گئے تھے مگر پھر وہی بات کہ نادیدہ مجبوریاں ان کے ہونٹوں پہ چپ کا قفل لگائے دے رہی تھیں۔

''یہ ملک کتنی کوششوں اور قربانیوں کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا ہے، اگر ہمارے پاس قائداعظم جیسا باصلاحیت نڈر اور باہمت لیڈر نہ ہوتا تو شاید ایک ٹکڑا زمین کا بھی حاصل نہ کر پاتے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور سب کی بے لوث جدوجہد نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا، مگر آج ہم اپنے ہی ہاتھوں سے اس انمول خزانے کو غیروں کے حوالے کر رہے ہیں کیوں، اس لئے ناں کہ ہماری لیڈر شپ کمزور ہو گئی ہے، ہمارے لوگ ایماندار اور محنتی نہیں رہے، ہم جب سب کچھ جانتے ہیں حتیٰ کہ اس ملک کا ایک ایک بچہ تک اس حقیقت سے واقف ہو گا کہ کس کی وجہ سے اس ملک میں تباہی اور ہنگامے ہو رہے ہیں تب بھی ہم خاموش ہیں، کون بنے گا قائداعظم کا جانشین کون سنبھالے گا اقبال کے پاکستان کو، ہم میں سے ہی کسی کو آگے بڑھنا ہو گا، کسی دباؤ اور امداد کے لالچ کو قبول نہ کرتے ہوئے ہمیں اپنی اور اس دھرتی کی سالمیت کو بچانا ہے اور یہ باتیں صرف باتیں ہی نہ رہیں بلکہ عمل بنیں اور مجھے پوری امید ہے سر، کہ اگر ہماری نوجوان نسل کا کوئی نمائندہ آگے بڑھ کر یہ ذمہ داری اٹھائے تو وہ وقت دور نہیں جب روشنیوں کا شہر پھر سے آباد ہو گا، ہمارا بلوچستان پھر سے پررونق اور مہمان نواز بن جائے گا۔'' وہ بولتے بولتے جیسے ہانپنے لگا تھا اور جمال خان نے اپنی ہی نظر اس نڈر اور بے باک لڑکے کو نہ لگ جائے اس ڈر سے اس پہ سے نگاہ ہٹا لی، ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اپنی ہی جوانی کی تصویر کی صورت میں بیٹھے ہوئے روحان خان کا منہ چوم کر اسے ہر صورت آپریشن کو جاری رکھنے کا حکم دے دیں۔

''کام ڈاؤن ینگ مین، آئی ول ڈو مائی بیسٹ۔'' انہوں نے باقاعدہ اپنی نشست سے اٹھ کر اس کا شانہ تھپتھپایا اور وہ جو انہیں اٹھتے دیکھ کر خود بھی اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا، ان کی تسلی پہ محض انہیں دیکھ کر رہ گیا، جانتا تھا ناں کہ نہ تو یہ زندگی کوئی فلم ہے اور نہ ہی وہ کوئی فلمی ہیرو کہ سب مصلحتوں اور حد بندیوں کو پس پشت ڈال کر ایکشن اور مار دھاڑ کر کے سارے مناظر کو ایکدم پرفیکٹ کر دیتا، اسی لئے محض ہلکی سی سر کی جنبش دے کر انہیں سیلوٹ کیا اور باہر نکل گیا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو آج کی ذہنی ٹینشن، غصہ اور بے بسی ابھی تک اس کے اعصاب کو تھکائے ہوئے تھی، اسی لئے بنا اِدھر اُدھر دیکھے سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھا، مگر سامنے کے منظر نے اسے جیسے جلتے توے پہ بٹھا دیا، سامعہ اپنے اردگرد چھوٹے چھوٹے سے کھلونے اور ریڈیمیڈ بے بی سوٹ بکھرائے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں وارڈ روب میں سکینہ سے سیٹ کروا رہی تھی، اپنی اتنی دنوں کی محنت اور سخت قسم کی ذہنی اور جسمانی ٹینشن میں مگن ہو کر وہ اپنا مطالبہ اور اس کا رزلٹ تو بھول ہی چکا تھا، گزشتہ چار راتوں سے تو وہ ویسے ہی گھر سے باہر رہا تھا اور اب واپس آنے پہ بھی ناپسندیدہ مناظر دیکھنے پڑ رہے تھے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' خود پہ بے انتہا ضبط کرنے کے باوجود اس کا بھاری لہجہ کافی سخت ہو گیا تھا اسی لئے سکینہ اور سامعہ دونوں نے ہی چونک کر اسے دیکھا، ملازمہ کو باہر جانے کا اشارہ کر کے سامعہ جلدی سے چیزیں الماری میں پھینکنے

کے انداز میں رکھ کر اس کی طرف بڑھی، بڑھی ہوئی شیو، سرخ آنکھوں اور بکھرے ہوئے بالوں میں کافی تھکا ہوا اور پژمردہ دکھائی دے رہا تھا، وہ آج اسے پورے چار دن کے بعد دیکھ رہی تھی اور دل لاکھ روحان سے خفا ہونا چاہتا تھا مگر اس کی ایک ہی جھلک ساری خفگی اور غصہ نجانے کہاں سلا دیتی تھی، پتا نہیں یہ محبت اسے کتنا خوار کرے گی جو اس ظالم کو ہر صورت پلس پوائنٹ ہی دیتا تھا یہ دل، وہ آنکھوں میں ڈھیروں نرمی، محبت سموئے بنا کچھ کہے اسے دیکھے جا رہی تھی، روحان اس کی دیوانگی پہ جزبز سا کھڑا رہ گیا، کیا تھی یہ لڑکی بھی، پاگل دیوانی سی محبت کی حدوں کو چھوتی ہوئی، وہ تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا، حالانکہ وہ بھی اس راہ کا مسافر تھا، مگر اک اظہار کی کمی نے اسے کتنا پیچھا چھوڑ دیا تھا اس سے اور محبت تو لمحہ لمحہ اظہار کی محتاج ہوتی ہے، اسی سے تو اس میں نکھار اور روپ آتا ہے، جیسے مرجھائے ہوئے پودے، پتے شبنم کے قطروں سے چمک اٹھتے ہیں جیسے پھول سورج کی پہلی کرن پہ مسکرا اٹھتا ہے، اسی طرح محبت میں جذبات، احساسات کو بیان کرنا، اسے دوام بخشتا ہے، لیکن وہی بات کہ اک معمولی سی کمی نے اس کی کامیاب شخصیت کو گرہن سا لگا دیا تھا۔

''کیا حال ہے؟'' آخر کچھ تو کہنا تھا اس خاموشی کو توڑنے کے لئے، اسی لئے ایک اور سوال داغ دیا، سامہ نے ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''آپ اتنے دنوں سے کہاں تھے؟ موبائل بھی آف جا رہا تھا، بابا جان وغیرہ کے کئی فون آ چکے ہیں، آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' بیڈ شیٹ پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

''اوکے میں بات کر لوں گا، تم ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔'' نفی میں سر ہلا کر وہ باہر نکلنے لگی تھی جب روحان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا، اس کی گرفت اتنی جارحانہ اور تیور سخت تھے کہ وہ ایک پل کے لئے اپنا توازن نہ رکھ پائی تھی، مگر روحان اسے سنبھال چکا تھا اسی لئے وہ گرنے سے بچ گئی۔

''روحان پلیز۔'' بے اختیار اپنے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ کر وہ رو دی تھی، اپنی جان سے زیادہ آنے والے کی زندگی نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا تھا، کیا شے ہے یہ اولاد بھی، انسان اپنا آپ بھلا دیتا ہے، اس کی محبت میں اور یہی اولاد قدم قدم پہ زندگی سے بخیریت گزرنے کی ہر پل دعا کرتی تھی، اس کے لبوں پہ ہر وقت یہی دعا ہوتی تھی آج کل کہ اللہ اس ظالم پتھر دل شخص میں احساس محبت ڈال دے جو کفران نعمت کا مرتکب ہونے جا رہا تھا، جو اتنے بڑے اور سخت بول استعمال کر جاتا تھا کہ وہ اللہ سے اس کے لئے اور اپنے لئے معافی مانگتی رہتی تھی۔

''سامہ مجھے ناں سننے کی عادت نہیں ہے۔'' وہ جیسے بیزار ہوا۔

''تم نے گھر میں تو انفارم نہیں کیا؟'' ہر دفعہ وہ اس بات کی اس سے تصدیق ضرور کرتا تھا۔

''نہیں کیا، مگر اب ضرور کروں گی اور چلی جاؤں گی، دادی ماں کو جا کر آپ کی تمام باتیں بتاؤں گی۔'' اس کے اندر کی ضدی اور پرانی غصہ والی سامہ جیسے جاگ اٹھی تھی، اسی لئے سختی سے کہہ کر باہر آ گئی، کیا سمجھ رکھا تھا اس شخص نے اسے، وہ اس کی ناانصافی اور غلطی پہ پردہ ڈالتی رہی اور وہ شیر ہوتا رہا۔

''نو مور۔'' نفی میں سر ہلا کر آنکھوں کے آگے آئی دھند کو ایک بار پھر صاف کر کے موبائل پہ نمبر ملانے لگی تھی کہ پیچھے آتے ہوئے روحان

نے اس کا ارادہ جیسے بھانپ کر سیل فون اچک لیا۔

''میری بات سنو سامہ۔'' پہلے کی نسبت اس کا لہجہ خاصا مصالحانہ ہو گیا تھا۔

''مجھے کوئی بات نہیں سننا، مجھے صرف دادی ماں سے بات کرنا ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ سب پوتیوں سے زیادہ وہ دادی کی چہیتی اور لاڈلی پوتی ہے اور وہ بھی اپنے دل کی ہر بات دکھ خوشی ماں کی نسبت دادی سے پہلے ڈسکس کرتی ہے اور وہ کسی بھی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا تھا، اسی لئے کچھ دھیما پڑ گیا تھا، لیکن سامہ کسی طور بھی کچھ نہیں سننا چاہتی تھی، اس لئے موبائل کے لئے پھر ہاتھ بڑھایا، روحان نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا، سامہ نے سخت طیش میں آکر سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھا دیا، عجیب شخص ہے زندگی اور اس کی ذمہ داریوں کو مذاق بنا کر رکھ دیا ہے وہ سر جھٹک کر نیچے اترنے لگی، اسی پل روحان نے اسے ایک بار پھر اپنی طرف کھینچنا چاہا، وہ جانتا تھا کہ اب وہ نیچے جا کر لینڈ لائن سے گھر فون ضرور کرے گی کیونکہ جب وہ ضد پہ آجاتی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

''چھوڑو مجھے۔'' اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ تقریباً روحان کے حصار میں تھی، اس کی گرفت ہلکی ہونے پہ ڈگمگا کر کتنی سیڑھیاں پھلانگ گئی اور اس کی دلدوز چیخوں نے پورے گھر کے در و دیوار کو لرزا کر رکھ دیا، ملازم فوراً بھاگے آئے تھے اور وہ بس ساکت نظروں سے کھڑا اس کے سر سے اور ناک سے بہتے خون کے فوارے کو دیکھ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری ہم بچے کو نہیں بچا سکے۔''

تین دن کے جاں کنی کے عالم میں وہ ایک ہی جگہ جیسے پتھر ہو گیا تھا جب ڈاکٹر نے آکر سامہ کی زندگی کی نوید دی، موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ اپنی خواہش ہار گئی تھی اور وہ اپنی ضد میں جیت گیا تھا، مگر یہ کیسی جیت تھی جس نے بجائے خوشی دینے کے اسے آزردہ کر دیا تھا، حالانکہ خدا جانتا تھا کہ اس دن کے حادثہ میں اس کی شعوری کوشش کو کوئی عمل دخل نہیں تھا، مگر سامہ کی بدگمانی انتہا کو پہنچ گئی تھی، گھر سے چچی کا فون آیا تھا، ماں کو جیسے بیٹی کی تکلیف کا اللہ کی طرف سے اشارہ ہو گیا تھا، اسی لئے خاصی بے چینی سے اس کا پوچھ رہی تھیں، دادی ماں نے بھی فون پکڑ کر اس کے خوب لتے لئے تھے کہ وہ دور جا کر بیٹھ گیا تھا، بڑی مشکل سے سب کو مطمئن کیا اور اس وعدہ پہ انہیں منایا کہ جلد ہی چھٹیاں لے کر وہ دونوں آئیں گے، وہ دن اور آج کا دن وہ خود سکون اور آرام کو ترس گیا تھا، سامہ نے ہر قدم پہ اپنے رویے سے اسے جتا دیا تھا کہ اس کی نظر میں روحان ہی خطاوار تھا اور یہ ایسی غلطی تھی جس کی تلافی کا وہ موقع بھی نہیں دیتی تھی، دادی جان وغیرہ میں سے کوئی بھی ان دونوں کے درمیان جاری سرد جنگ کی وجہ نہیں جانتا تھا، کیونکہ سامہ اسے وارن کر چکی تھی کہ اگر اس کی خرابی طبیعت کی وجہ کسی کو بتائی تو وہ ساری حقیقت اور اس کا پول کھول دے گی، مگر اب ناگزیر ہو گیا تھا کہ وہ نیہاں اور ردا کو سب کچھ بتا دیتا، وہ خود بھی تھک گیا تھا اپنے ناکردہ گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہوئے اور کچھ سامہ کے رویہ نے اسے عاجز کر کے رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

''ہمارا رب ہم سے بہت پیار کرتا ہے، ہم اس کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتے ہیں، مگر کبھی سوچا ہے کہ ہمارے ذمہ کچھ فرائض بھی ہیں، جن کا ادا کرنا بہت ضروری ہے اور یہ ان فرائض سے روگردانی کی

سب سے پہلی بڑی ہی ہے کہ ہم اپنے پیارے رب کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں، جہاں تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے وہیں سے شکوے شکایات شروع کر دیتے ہیں، وہ ہمارا مالک ہے، ہر شے پہ وہ قادر ہے، کیا کچھ نہیں دیتا وہ ہمیں ہماری پیدائش سے کر آخر تک، اس کے باوجود ہم اپنے مالک کا کہا نہیں مانتے کیوں؟ کبھی اس نقطہ پہ سوچا ہے۔'' دادی ماں پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے مخصوص دھیمے لہجہ میں کہہ رہی تھیں، وہ آنکھیں موندے ان کی گود میں سر رکھے ہوئے تھی۔

''اگر اس نے تم سے کچھ لیا ہے تو بدلے میں یقیناً تمہیں دوگنا نوازا ہوگا، مگر وہی بات کہ شعور میں کمی کی وجہ سے تم واویلا کرنے لگی اس میں کچھ غلط نہیں تھا کہ وقتی طور پہ تمہارے جو جذبات تھے وہ فطری تھے، مگر کیا یہ تمہیں زیب دیتا ہے کہ تم ایک انسان کو سزا دینے کا اختیار حاصل کرنے کی کوشش کرو اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ خود بھی اپنے فعل پہ بے انتہا شرمندہ ہے۔'' ان کا سرزنشی انداز ہمیشہ کی طرح سمامہ کو شرمندہ کر گیا تھا۔

''یہ بات نہاں ردا کے بعد صرف مجھے معلوم ہے اور میں نہیں چاہونگی کہ کسی اور کو پتا بھی چلے حتی کہ اپنی ماں کو بھی اس سے آگاہ مت کرنا، اللہ تمہیں آگے بہت سی خوشیوں سے نوازے، مگر بچے، ماضی کو بھول کر اپنے شوہر پہ توجہ دو۔'' وہ جیسے اسے صبر کی تلقین کر رہی تھیں اور ہمیشہ کی طرح ان کے الفاظ اس کے اندر اترنے لگے تھے، وہ بھی بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک سی گئی تھی، مگر کیا وہ روحان کے لئے دل میں جگہ دوبارہ بنا سکے گی؟ یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب سوائے اندرونی سناٹا کے کچھ نہ تھا، بہر حال اسے کسی ایک طرف تو اپنی کشتی کو لگانا ہی تھا۔

''سمامہ! میں مارکیٹ جا رہی ہوں تم بھی ساتھ چلو، تھوڑا سا فریش ہو جاؤ گی اور شادی کی شاپنگ بھی کر لینا۔'' ردا کی آواز پہ اس نے سستی سے آنکھیں کھولیں۔

یہ محبت...... کہاں کہاں اس کے پیچھے نہیں آئی، یہ تو وہ خود ہی ناشکری تھی جو سب سے خفا منہ موڑے چل دی تھی، واقعی رب نے اگر اس سے کچھ لیا تھا تو بدلے میں اسے کتنی محبتوں سے نوازا تھا۔

''کیا ہوا؟'' دادی ماں نے جھک کر اس کی گالوں پہ آئی نمی کو صاف کیا۔

''کچھ نہیں، چلیں میں آتی ہوں۔'' پہلے دادی ماں کو تسلی دے کر منتظر کھڑی ردا کو کہا اور اٹھ کر اندر بڑھ گئی۔

☆☆☆

''کراچی کے حالات ملکی بدامنی میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں، یہ عباس ٹاؤن کا تازہ واقعہ گھروں میں بیٹھے لوگوں پہ جو قیامت ڈھا گیا ہے اس کا ازالہ بھلا کیسے ممکن ہے، جب ہم اپنے گھروں تک میں محفوظ نہیں ہیں تو ایسی آزادی جس کے لئے لاکھوں کروڑوں لوگوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا تھا اس کا مقصد تو ہم نہ حاصل کر سکے ناں، اپنی دے ایسی لمبی چوڑی تمہیدیں باندھنے کی بجائے میں آپ لوگوں کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو فری ہینڈ دے دیا گیا ہے کہ جہاں کوئی شرپسند کہیں پہ بھی ملک میں بدامنی پھیلاتا ہوا دیکھیں بے دریغ اس کے خلاف کاروائی کی جائے۔''

جنان خان کی بھاری اور گونجدار آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی اور ان کے سامنے مودب بیٹھے آفیسرز پورے غور سے انہیں سن

رہے تھے۔

''سوری تو سے سر! ایسی آزادی ہمیں پہلے بھی کئی بار دی جا چکی ہے مگر عین ایکشن کے وقت ہمارے ہاتھ باندھ دیے جاتے ہیں۔'' ایسی تلخ اور جرأت مندانہ بات کرنے کا حوصلہ صرف روحان خان میں ہی ہو سکتا تھا، جمال خان نے گہری سانس لے کر اس کے بگڑے تیوروں کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔

''ینگ مین اٹیس ہوپ فار دی بیسٹ۔''

انہوں نے یک لفظی جملہ میں بات ختم کی، ورنہ اس کی بیان کردہ حقیقت سے کمرے میں موجود تمام نفوس متفق تھے، میٹنگ کے برخاست ہونے پہ سب افراد ایک ایک کر کے بوجھل دلوں سے کمرے سے نکل آئے، کراچی میں ہونے والے دھماکہ نے پوری قوم کو افسردہ کر دیا تھا اور یہ واقعہ جس نے گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی باور کروایا تھا کہ ہمارا پولیس ڈیپارٹمنٹ اپنے فرائض کی ادائیگی میں بری طرح ناکام ہو گیا ہے اور یہ بات تمام ایماندار آفیسرز میں غم و غصے اور دکھ کی لہر دوڑا گئی تھی۔

☆☆☆

روحان نے اسکرین پہ نظر آتے بھاگتے دوڑتے بے بسی کی تصویر بنے لوگوں کو دکھ سے دیکھا، زندگیاں کتنی ارزاں ہو گئی تھیں، ہمارے سامنے لوگوں کے سر ایسے کٹتے تھے کہ آسمان بھی لرز اٹھتا تھا مگر ہم بے حس ہو چکے ہیں، جنہیں ایسے مناظر کسی طور بھی متاثر نہیں کرتے، ہمیں صرف اس بات کی خوشی کہہ لیں یا اطمینان رہتا ہے کہ ہمارا گھر اور ہمارے اپنے پیارے تو محفوظ رہے ہیں، لیکن کبھی ہی نہیں سوچتے کہ یہ آگ اور اس کا طوفان آج نہیں تو کل ہماری طرف بھی رخ کر سکتا ہے۔'' وہ خالی ذہن اور ساکت نظروں سے ان مناظر کو دیکھ رہا تھا، جو تقریباً اس وقت سے ملتے جلتے تھے جن میں آزادی اور اپنی بقاء کے لئے لڑتے ہوئے سینکڑوں لوگ غیر قوم کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے اور آج اسی ملک کی سرزمین پہ پھر خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی مگر فرق اتنا تھا کہ پہلے مقابل غیر ملکی تھے اور آج پوشیدہ ہاتھ تھے اور یہی سمجھ نہیں آتا تھا کہ ان پوشیدہ ہاتھوں کو اپنے ہی لوگ سپورٹ کر رہے تھے اور کیوں کر رہے تھے وہ ''اپنے لوگ'' ایسا؟ اس کے سامنے تو ایسا سوالیہ نشان تھا جسے نہ تو مٹایا جا سکتا تھا اور نہ ہی حل کیا جا رہا تھا۔

تیسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے روحان خود بھی سلگ رہا تھا، اپنی سوچوں میں وہ اس قدر گم تھا کہ تین بار سامعہ کا اندر آنا اور پھر بلاوجہ باہر چلا جانا بھی اس کی نظروں میں نہیں آ سکا اور وہ اپنی انگلیاں چٹخاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کیسے وہ دادی ماں کی نصیحت پہ عمل کرتے ہوئے خود سے قدم آگے بڑھائے، اب اگر وہ غیر جانبداری اور جذبات سے ہٹ کر دیکھتی تو واقعی وہ اوور ریکٹ کر چکی تھی اور ایک عورت کا اتنا تضحیک آمیز رویہ مرد کی برداشت سے باہر ہوتا ہے، اب اگر وہ اس سے بے نیازی برت رہا تھا تو یہ یقیناً اس کا حق بنتا تھا، رشتوں کی ڈور بظاہر بہت نازک اور خوبصورت دکھائی دیتی ہے مگر جب اس ڈوری میں الجھاؤ آ جاتا ہے تو انگلیاں زخمی ہو جاتی ہیں مگر الجھن کو کوئی سلجھا نہیں پاتا اور اس نے تو کئی بار اسے دھتکارا تھا، ٹھیک ہے اس وقت وہ غلطی پہ تھا، مگر سامعہ نے بھی تو غلطیوں پہ غلطیاں ہی کی تھیں، اس نے بھی تو نہ خود کو سدھارا اور نہ ہی اسے سدھارنے کی کوشش کی تھی، محبت جیسے مضبوط تعلق کی موجودگی کے باوجود وہ جیسے ساری دنیا سے ہی بے زار ہو گئی تھی، زندگی نے اگر اسے

آزمایا تھا تو سامعہ خان نے بھی قدم قدم پہ اپنے سے جڑے خوبصورت رشتوں کو اذیت ہی سونپی تھی، اپنے اوپر ایک معمولی سی آئی تکلیف بھی اس سے برداشت نہیں ہوئی تھی، تو پھر وہ کون ہوتی تھی روحان سے کسی بھی عمل کا اس سے حساب کتاب لینے والی یا بدلہ لینے والی، سر جھکائے وہ خود احتسابی سے گزر رہی تھی اور اپنا خود احتساب کرنا سب سے اذیت ناک ہوتا ہے۔

☆☆☆

''کیسے دانت نکل رہے ہیں خبیث کے، میں نہ ہوتا تو دیکھتا کہ کیسے اپنی ماڈرن ہیر کو حاصل کر سکتا تھا۔'' یحییٰ پہ نظریں جمائے دانت کچکچاتے ہوئے ثاقب نے اسے دیکھا، جو پچھلے آدھے گھنٹے سے شاید نہیں یقیناً زوبار یہ سے گفتگو فرما رہا تھا، موضوع گفتگو بھی یقیناً شادی کی رسومات ہی تھیں، اس لئے مسکراہٹ لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

دو دن کے بعد مایوں کی رسم تھی، اس لئے سارے گھر والے بے تحاشہ مصروف تھے، کل تک ثاقب بھی ان تیاریوں کا حصہ تھا مگر جیسے ہی اسے فاکہہ نے اللہ حافظ کہا تھا اس پہ مایوسیوں اور غموں کے عارضی بادل چھا گئے تھے اور اس دفعہ بھی وجہ یحییٰ کی ذات بنی تھی، جس نے ثاقب کی پچھلی گرل فرینڈ کو عین فاکہہ سے ملاقات والے وقت پہ وہاں بھیج دیا تھا اور بعد کا تماشا جو لگا اسے ایک عالم نے دیکھا تھا اور اب وہ غمزدہ اور اداس ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا یحییٰ کو کینہ توز نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

''خیریت ہے تیرا رنگ کیوں سنگھاڑے کو مات دے رہا ہے۔'' فون بند کر کے یحییٰ نے خوشگواریت سے اس کی سانولی رنگت پہ ہمیشہ کی طرح طنز کیا، جسے وہ بمشکل پی سکا تھا۔

''تو جو آج کل رس گلا بنا ہوا ہے، تو تھ پیسٹ کا اشتہار نہ ہو تو۔'' جلا بھنا جواب اندرونی کیفیت کا پتا دے رہا تھا، اسی وقت ہارون اندر داخل ہوا، اس کے پیچھے ردا تیز تیز بولتی آ رہی تھی۔

''میں نے بتا دیا ہے کہ مجھے ابھی جانا ہے، غضب خدا کا صرف دو دن رہ گئے ہیں اور میرا آرڈر ابھی تک ڈیزائنرز تک ہی نہیں پہنچ سکا۔'' دھونس سے کہتے ہوئے آخر میں ردا کا لہجہ غمگین ہو گیا۔

''تم ایسا کرو ثاقب کو لے جاؤ۔'' ہارون نے اپنے گلے سے مصیبت اتارنا چاہی، ثاقب صاحب تو کرنٹ کھا کر دس فٹ اوپر اچھل گئے، ایک تو پہلے ہی دکھی تھے سونے پہ سہاگہ ردا جیسی باریک بین اور چھ سات گھنٹوں تک بنا تھکے بازار میں گھومنے والی لڑکی کو شاپنگ کرانا مرے پہ سو درے ثاقب ہوا تھا، یحییٰ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا لیا، وہ اس کی دلی کیفیت کو جانتا تھا، مگر یہ بھی اس کی مجبوری تھی ہزار بار ثاقب کو سمجھا چکا تھا کہ وہ ایسی دوستیاں مت پالے جس سے سوائے ان کی خاندانی عزت پہ حرف آنے کے کچھ نہیں مل سکتا تھا مگر وہ باز نہیں آتا تھا، حالانکہ یحییٰ جانتا تھا کہ ثاقب نے کبھی بھی اپنی لمٹس نہ کراس کی تھیں اور نہ ہی کرنے دیتا تھا، مگر وہ غلط ٹریک تو استعمال کرتا تھا ناں اور یہی بات ہر طریقہ سے وہ ثاقب کو سمجھانا چاہتا تھا۔

''آپی! میں زوا کو کہتا ہوں وہ ابھی آیا ہے، اسے شاید نیہاں آپی اور رحمہ کو شاپنگ کے لئے لے کر جانا ہے۔'' ثاقب بیچارگی کی حد پہ تھا، ہارون ثاقب کے حوالے کر کے خود اندر چلا گیا تھا۔

''پتا ہے مجھے۔'' ردا نے ہاتھ ہلایا۔
''انہوں نے دوسرے شاپنگ مال جانا ہے اور میرا ڈیزائنر بالکل دوسرے راستہ پہ رہتا ہے اور ویسے بھی مجھے سمیر کو ساتھ لے کر جانا ہے، اس لئے جلدی آنا ہے۔'' وہ مصروف انداز میں کہہ کر اپنا پرس چیک کرنے لگی، ثاقب کو یقین ہو گیا کہ اب اسے ہر حال میں گلے پڑا ڈھول بجانا ہی پڑے گا، اس لئے ڈھیلے قدموں سے چابی اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا، ردا بھی سمیر کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے نکل گئیں، یحییٰ نے مسکراتے ہوئے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا، جب سے شادی کے دن طے ہوئے تھے اسے بارہا ماں باپ کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا جسے وہ مختلف معمولات میں مشغول ہو کر جھٹکنے کی کوشش کرتا تھا، اس کے سب کزنز ہی اس کی دلی کیفیت سے جیسے باخبر تھے۔
اس لئے وقتاً فوقتاً چٹکلے چھوڑ کر اسے بھرپور کمپنی دے کر دل بہلاتے رہتے تھے، مگر رشتوں کی کمی کا جو احساس ہوتا ہے ناں وہ ہمارے اندر جب کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا ہے تو باہر کی رنگینیاں کوئی دلچسپی پیدا نہیں کرتیں، کیسے ہیں یہ رشتے، ناطے اور ان کا ہمارے دل سے تعلق بھی تو عجیب ہوتا ہے جسے صرف ہمارا دل ہی سمجھ سکتا ہے، حالانکہ خان ولا کا ہر فرد اس کا خیال زیادہ رکھنے لگا تھا، مگر بہت زیادہ خیال اور دھیان بھی بعض اوقات احساس محرومی کو بڑھا دیتا ہے، وہ ایک قابل ذہین اور پراعتماد شخصیت کا مالک تھا، ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے پہ فائز تھا، مگر کبھی کبھار وہی یحییٰ بختیار بن جاتا جیسے نانی ماں کی گود میں سر چھپا کر مما پاپا کو یاد کر کے بے تحاشہ رونے کی عادت تھی، جسے بڑے ابا یا منجھلے چھوٹے ماموؤں کے پیار سے پچکارنے پہ اپنی بھر آنے والی آنکھوں کو چھپانا پڑتا تھا، آج کل وہ اسی کیفیت سے گزر رہا ہے، اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے روحان کی نظر اس پہ پڑی جو نڈھال اور پژمردہ سا آنکھیں موندے پڑا تھا، وہ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھ گیا، یحییٰ اپنی سوچوں میں اتنا مگن تھا کہ بالکل بھی نہیں چونکا۔
''یحییٰ!'' روحان نے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھا تو وہ آنکھیں کھول کر بنا پوزیشن بدلے اسے دیکھنے گیا، خالی ویران آنکھوں میں اضطراب پھیل رہا تھا۔
''خوشی کے لمحات میں تمہاری بے چینی اور پژمردگی کو کیا سمجھوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے اندر پھر سے اترنے لگا تھا، یحییٰ نے نظروں کا زاویہ بدل لیا اور دھیرے سے پھیکی ہنسی ہنس دیا۔
کبھی کبھار بہت زیادہ خوشی ہمارے اندر کے زخموں کو ادھیڑنا شروع کر دیتی ہے اور وہ کیفیت بہت اذیت ناک ہوتی ہے، جسے ہم دوسروں سے بیان بھی نہیں کر سکتے اور برداشت بھی کرنا مشکل ہوتا ہے، وہ محض سوچ کر رہ گیا اور روحان جو بہت غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، اس کی دلی کیفیت کو بنا اس کے کہے جان گیا تھا، مگر جانتا تھا کہ یحییٰ بختیار اپنا آپ بہت کم کسی پہ کھولتا ہے، اس لئے اس کا بھرم رکھنے کے لئے خاموش رہا۔
''چلو آؤ میرے ساتھ، ذرا آؤٹنگ کے لئے چلتے ہیں۔'' اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا تو وہ ڈھیلے سے انداز میں اس کے ساتھ کھنچتا چلا گیا۔
''سامہ کو بھی ساتھ لے لو۔'' لان سے گزرتے ہوئے یحییٰ کی نظر کونے میں پڑے بڑے سے جھولے پہ بیٹھی سامہ پہ پڑی تھی جو آنکھیں بند کیے نجانے کن سوچوں میں گم تھی، یحییٰ

کے کہنے پہ روحان نے بھی چونک کر کونے میں دیکھا، جہاں وہ خاموش اور افسردگی کا اشتہار بنی بیٹھی تھی، یحییٰ کے کہنے پہ روحان نے محض کندھے اچکا کر اس کی طرف قدم بڑھائے، حالانکہ وہ اس کا جواب جانتا تھا لیکن یحییٰ کے سامنے وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، ابھی وہ اس سے فاصلے پہ ہی تھا کہ پیچھے سے رحمہ کی آواز سنائی دی جو کافی اونچی آواز میں سمامہ کو دادی ماں کا پیغام دے رہی تھی، وہ اسے بلا رہی تھیں، روحان راستے سے ہی پلٹ گیا، سمامہ نے اس کا اپنی طرف آنا اور پھر درمیان سے پلٹنا دیکھا تھا اور دل نے بدگمانی کو پھر جگہ دینا شروع کر دی تھی، آخر وہ شخص اس کے قدم بڑھانے کا ہی کیوں منتظر تھا، کیا ہو جاتا جو وہ صرف ایک بار اور اس کی طرف پلٹ آتا، سمامہ نے تھکے ہوئے انداز میں اس کی پشت کو تکا، اپنی بلاوجہ کی انا اور خود داری کو وہ ابھی بھی اپنا حق سمجھتے ہوئے روحان کی طرف سے ہی پیش قدمی کی منتظر تھی، ہو سکتا تھا کہ دوسری طرف سے بھی ایسا ہی پیش قدمی کا انتظار تھا۔

''سمامہ!'' رحمہ کی ایک بار پھر جھنجھلائی ہوئی آواز اسے سوچوں سے نکال لائی تھی، وہ تیز تیز بولتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی، سمامہ نے جھولے سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا کہ اب اس کی خیر نہیں تھی، رحمہ پچھلے دس منٹ میں یہ تیسرا بلاوا لے کر آئی تھی دادی ماں کا اور وہ تھی کہ مسلسل ایک ہی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔

''چلو دیر ہو رہی ہے، تم پہ تو پتا نہیں کون سی قنوطیت کا دورہ پڑا ہوا ہے، دادی ماں کا کہنا ہے کہ آج تمہیں ہر حال میں ہمارے ساتھ شاپنگ پہ جانا ہے، بابا جان بھی خفا ہو رہے تھے کہ روز روز چلے جاتے ہو اور سمامہ کو ابھی تک ''سسرال والوں'' نے شاپنگ تک نہیں کروائی، میں نے انہیں تسلی کروائی ہے کہ بے فکر رہیں انشاءاللہ ان کی بہو صاحبہ سب فنکشنز میں منفرد ڈریسز میں ہی نظر آئے گی کہ لوگ دلہن سے زیادہ اس کی طرف متوجہ رہیں گے۔'' رحمہ نان اسٹاپ بولتی آ رہی تھی سمامہ نے ہلکی سی مسکراہٹ سے محض سر ہلا دیا، وہ ذہنی طور پہ ابھی بھی حاضر نہیں تھی، روٹھے یار کو منانا کتنا مشکل کام تھا، یہ اب سمجھ میں آیا تھا، روحان میں اتنی انا ہوگی، یہ وہ نہیں جانتی تھی، ہاں یہ وہ ضرور مانتی تھی کہ گزرے عرصہ میں اس نے بارہا اپنی انا کو بھی پس پشت ڈال کر اس سے مفاہمت کی کوشش ضرور کی تھی، نجانے یہ کون سا جذبہ تھا جس نے اسے اتنا جھکایا تھا مگر اب ..... وہ جھکنا تو دور کی بات نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا، ایک معمولی سے واقعہ نے دلوں میں اتنا فاصلہ کھڑا کر دیا تھا کہ وہ پاٹنا بھی چاہتے تو پاٹ نہیں سکتے تھے، نجانے اب قسمت نے کیا لکھا تھا اس کی لکیروں میں، تھکے قدموں سے رحمہ کے پیچھے چلتے ہوئے وہ ماں کی نظروں سے بے خبر اندر چلی گئی، جو کافی دیر سے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ رہی تھیں، سمامہ کا گم صم انداز، ہلے گلے اور ہنگامہ سے دور کسی کونے کھدرے میں بیٹھنا اور روحان سے اس کی برائے نام گفتگو سب ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھا، نجانے کیسا اور کون سا دکھ تھا جس نے ان کی بیٹی کی آنکھوں کی چمک اور چہرے کی ہنسی اور شگفتگی کو ختم کر دیا تھا، چڑچڑی تو وہ کافی عرصہ سے ہو رہی تھی، مگر اس دفعہ تو انہیں پہلے سے بہت کمزور اور نڈھال بھی دکھائی دے رہی تھی، کس سے اظہار کرتیں، اگر اپنی تشویش شوہر سے بیان کرتیں تو وہ وہم ہے کہہ کر ٹال دیتے، جوائنٹ فیملی سسٹم تھا کسی بھی اور رشتہ سے اس موضوع پہ

بات کرتیں تو سب یہی کہتے کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے حد سے زیادہ حساس ہو رہی ہیں، ورنہ اور بیٹیاں بھی تھیں، اس گھر کی جو خوش و خرم زندگی گزار رہی تھیں اور سب سے بڑی بات ان کی تربیت پہ حرف آتا، صرف ایک اللہ کی ذات پہ بھروسہ تھا جو انہیں اس پریشانی سے نکال سکتی تھی، اسی لئے وہ اپنے رب سے مدد کی طالب تھیں۔

شادی کے تمام فنکشن بھرپور طریقے سے سر انجام دیے گئے، سامہ نے بھی کافی حد تک خود پہ قابو پا کر شادی میں شرکت کی تھی، اپنی ذاتی زندگی کے دکھ وہ کسی سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی، البتہ روحان کا الجھا اور بکھرا ہوا انداز بہت سی نگاہوں کا مرکز رہا تھا، اسی لئے ولیمہ کے دوسرے دن بابا جان نے اسے اپنے کمرے میں طلب کر کے باز پرس کی تھی۔

''کیا میں سمجھوں کہ میرا فیصلہ تمہارے اور سامہ کے حق میں بہتر نہیں تھا۔'' وہ حد درجہ سنجیدہ تھے، روحان نے اپنا سر جھکا لیا۔

''دیکھو روحان! شادی شدہ زندگی میں اونچ نیچ آتی رہتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دلوں میں بے تحاشہ بدگمانیاں پال لی جائیں، تمہیں سامہ سے کوئی شکایت ہے یا اسے کوئی گلہ ہے تو بہتر ہے کہ بیٹھ کر اسے سولو کرو، اس طرح فاصلے پیدا کر کے تم اپنے لئے مشکلات کھڑی کر رہے ہو۔'' روحان کی چپ انہیں کھٹک رہی تھی، اسی لئے سامہ کو بھی اپنے کمرے میں بلا لیا۔

''ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو بیٹا۔'' انہوں نے شفقت سے اسے پکارا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی ان کے بیڈ کے ایک طرف بیٹھ گئی، روحان کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا، سامہ نے بھی نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا، بابا جان نے دونوں پہ ایک نظر ڈالی اور پھر گویا ہوئے۔

''سامہ! کیا بات ہے بیٹا آپ اتنی گم صم اور مضطرب کیوں ہیں؟'' اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ پوچھ رہے تھے، روحان کے لئے اگرچہ وہ سخت گیر باپ رہے تھے مگر اس گھر کی بیٹیوں کے لئے ایک مشفق اور دوستانہ مزاج کے باپ تھے، اسی لئے گھر کی بچیاں بے دھڑک ان سے اپنے کئی مسائل بیان کر دیتی تھیں۔

''بابا جان یہ مجھ سے ناراض ہیں اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں انہیں کیسے مناؤں۔''

''ہیں۔'' روحان نے چونک کر آنسو بہاتی لاڈلی کو دیکھا، یعنی اتنے عرصہ کی بے رخی اور اپنی بے اعتنائی کو بیان کرنے کی بجائے الٹا الزام اس پہ تھوپ رہی تھی، بابا جان اسے چپ کراتے ہوئے پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ تھے، یعنی اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، وہ تلملا کر رہ گیا۔

''کس لئے تم نے میری بیٹی کو پریشان رکھا ہے۔'' اپنے ساتھ اسے لگائے وہ سخت نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے اور بڑے بڑے مجرموں سے بھرپور مقابلہ کرنے والا روحان خان ہمیشہ کی طرح ان نظروں سے سخت گھبرا گیا تھا۔

''بابا جان! میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔'' روحان نے منہ بسورا۔

''البتہ یہ مجھ سے کافی عرصہ سے خفا ہے، میں ایکسکیوز بھی کر چکا ہوں اس سے زیادہ میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔'' اس کی بات کے درمیان میں ہی موبائل کی رنگ نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تو وہ ایکسکیوز کرتا ہوا باہر نکل آیا، آفس سے کال تھی اسے فوری طور پہ بلایا گیا تھا، بابا جان کو بتا کر اس نے اپنی سیٹ کنفرم کروائی اور جب وہ اپنے کمرے میں سامان پیک کر رہا تھا تو سامہ ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

''مجھے بھی ساتھ بننا ہے۔'' وہی استحقاق بھرا انداز جو شادی کے اولین دنوں میں ہوتا تھا، روحان نے محض ایک نظر اسے دیکھ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اب جلدی سے اچھی سی خبر ہمیں دینا۔'' چلتے سے نیہاں کی سرگوشی اسے سرخ کر گئی تھی۔

روحان نے کافی گہری نظر اس کے چہرے پہ ڈالی تھی، سامعہ اس کی نظروں کی تپش کو محسوس کر کے تھوڑا سا رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی، ابھی فی الحال درمیان کے فاصلے پاٹنے ہیں دونوں فریقین کو آگے بڑھنا تھا جس کے لئے بہرحال روحان راضی نہیں تھا تو وہ کیوں اتنا خود کو نیچے گراتی۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر وہی معمول کی روٹین شروع ہو گئی، اب اتنا فرق پڑا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ضرورتاً مخاطب کرنے لگے تھے، پہلے والی بیزاریت اور اکتاہٹ کم ہو گئی تھی۔

''میری بلیو شرٹ نہیں مل رہی۔'' وہ گیلے بال تولیے سے رگڑتا ہوا اس کے سامنے آیا، یہ اتنے عرصہ کے بعد پہلا موقع تھا کہ روحان نے اپنی کسی ضرورت کے لئے اسے مخاطب کیا تھا ورنہ تو ملازمہ ہی تھی جس کے ذمہ روحان کے تمام کام ہوتے تھے، مگر اب سامعہ نے کافی حد تک اسے ان ذمہ داریوں سے ہٹا کر گھر کے دوسرے کاموں تک محدود کر دیا تھا۔

''میں نے ہینگ کر کے آپ کی ہی وارڈ روب میں ہی رکھی تھی، ہو سکتا ہے کسی شرٹ کے پیچھے آ گئی ہو۔'' وہ مصروف انداز میں گویا ہوئی، روحان نے تھوڑا سا آگے ہو کر اس کی مصروفیت کو دیکھا، جس کے ہاتھ تیزی سے اور مہارت سے کام [illegible] رہے تھے، روحان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی، وہ کافی دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ ٹیبل پہ کھانے کے لوازمات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ بات تو ماننے والی تھی کہ ان کے خاندان کی ہر عورت کے ہاتھ میں بے پناہ ذائقہ تھا۔

آج بھی شاید وہ اچھا سا ڈنر تیار کرنا چاہ رہی تھی، اسی لئے کچن میں کافی بکھیڑا تھا، کاش اس کی زندگی کا بکھراؤ بھی اسی مہارت سے سمٹ جائے اور اس گھر کی خوشیاں لوٹ آئیں، اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ کافی دلگرفتی سے سوچ رہا تھا، ننھی منی کلکاریاں اور معصومیت بھری شرارتیں اور گھروں کی رونقیں جو معصوم فرشتوں کے دم سے ہوتی ہیں ان کی کمی روحان کو شدت سے محسوس ہونے لگی تھی، مگر وقت تھا کہ اس کی گرفت میں ہی نہیں آتا تھا، وہ تھکا سا بیڈ پہ بیٹھ گیا، زندگی کی ڈگر کو کیسے توازن میں لائے، اتنے عرصہ کے تکلف اور خاموشی کو کیسے ختم کیا جائے، یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا، سامعہ کا مثبت رویہ اگرچہ حالات کی بہتری کی طرف اشارہ کر رہا تھا مگر وہ اب مزید صبر اور برداشت سے اپنے اچھے وقت کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

''مجھے چار دن کی ٹریننگ پہ لاہور جانا ہے اور اس کے بعد ایک ماہ کے کورس پہ ہو سکتا ہے مجھے کسی اور شہر بھی بھیجا جائے اگر تم......'' رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے وہ ایسے بتا رہا تھا جیسے اپنی پی اے کو ڈکٹیشن دے رہا ہو، چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ اور بے نیاز تھا، بلکہ سامعہ کو تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مخاطب ہی کھانے سے ہے، نہ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور تو اور کھانے تک کی تعریف کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، وہ عادتاً تلملا کر رہ گئی، جی میں آیا کہ کہے ''جاؤ جہاں مرضی جاؤ، یہاں کون سا میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے

رہتے ہو' روحان کی بات موبائل فون نے بیچ میں کاٹ دی۔

''بکواس بند کرو تم اپنی۔'' اس کی دھاڑ نما آواز پہ سامیہ ایکدم ڈر کر اپنی سوچوں سے نکلی اور اس کی طرف دیکھا جو چیخ پلیٹ میں پٹخ کر سرخ چہرے کے ساتھ موبائل کے دوسری طرف کی آواز سن رہا تھا۔

''او یو شٹ اپ، کرو تم جو کچھ بھی کر سکتے ہو، جب تک میرا اللہ میرے ساتھ ہے مجھے اپنی کسی نقصان کی نہ کوئی فکر ہے اور نہ پروا۔'' ایک اور دھاڑ، سامیہ نے خوفزدہ ہو کر اس کی طرف دوبارہ دیکھا، جس نے موبائل کو ٹیبل پہ تقریباً پھینک کر پلیٹ بھی پیچھے کھسکا دی اور خود لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا، کیا مجھے اس کے پیچھے جانا چاہیے وہ ابھی اسی کشمکش و پنج میں بیٹھی ٹیبل پہ پڑی چیزوں کو گھور رہی تھی جب وہ دوبارہ کمرے سے برآمد ہوا، خاصی عجلت میں اس کی طرف آیا۔

''تم اپنا سامان پیک کر لو، میں تمہیں بابا جان کے پاس بھجوا دیتا ہوں۔''

''کیوں؟'' وہ خاصی حیران ہوئی، ابھی تین دن تو ہوئے تھے انہیں آئے ہوئے۔

''میں یہاں نہیں ہوں گا اور تمہارا تنہا رہنا ٹھیک نہیں۔'' کچھ دیر پہلے والے غصیلے اثرات اگرچہ چہرے پہ نمایاں نہیں تھے، مگر اس کی سنجیدگی اور دوٹوک انداز سامیہ کو مزید سوالات سے روک گیا، اسی لئے محض سر ہلا کر وہ پیکنگ کے لئے اپنے روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''بیٹا حالات بہت خراب ہوتے جا رہے ہیں، ملک کے روحان بھی ٹریننگ پہ گیا تھا مگر کراچی کے حالات کی وجہ سے اسے واپس بلا لیا گیا ہے۔'' بابا جان بہت کم پریشان ہوتے تھے، اس لئے ان کے تفکر زدہ چہرے نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا، اسے آئے ہوئے دوسرا دن تھا، اگرچہ وہ اپنے لوگوں میں آ کر بہت خوش تھی مگر دل کی بے کلی بھی کافی بڑھ گئی تھی، اب بڑے ابا کی اطلاع نے اسے کسی انہونی کے ہونے کا خدشہ ظاہر کر دیا تھا، اسے کم از کم فون تو کرنا چاہیے تھا، وہ خفا ہونے لگی تھی ہمیشہ کی طرح خود سے شکوہ کیا تھا، بڑے ابا اب دادی ماں کے پاس بیٹھے تھے جو روحان کے متعلق پوچھ رہی تھیں، سامیہ نے دیکھا تقریباً سب کے چہرے اترے ہوئے تھے، امی کی آنکھیں بھی سرخ سی تھیں، نہال، ردا، رحمہ وغیرہ سب کافی پریشان سی لگیں، چچی اور زویا بھی آئے ہوئے تھے، حسن اور ثاقب نجانے کہاں کہاں موبائل گھماتے پھر رہے تھے، سامیہ کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، آخر کیا بات تھی، اسے کوئی کچھ کیوں نہیں بتاتا تھا، وہ جھنجھلائی ہوئی کمرے سے لاؤنج اور پھر کچن کے چکر لگانے لگی تھی، منجھلی چچی اور پھپھو لاؤنج میں آہستہ آواز میں باتیں کر رہی تھیں، سامیہ کو آتے دیکھ کر ایکدم چپ ہو گئیں۔

''روحان کو فون کرتی ہوں، آخر میرا دل کیوں اتنا گھبرا رہا ہے۔'' خود کو تسلی دے کر سب کے رویوں کو نظر انداز کیا اور اتنے عرصہ کے بعد خود سے پہلی دفعہ اس کا موبائل نمبر ملایا، مگر آگے سے نور پلائی کے الفاظ منہ چڑانے لگے تھے۔

''ہائے اللہ۔'' ابھی وہ دوبارہ ٹرائی کرنے لگی تھی جب امی کی کانپتی آواز پہ وہ دہل کر لاؤنج کے دوسرے کونے کی طرف دیکھنے لگی، جہاں پہ سب گھر والے جمع تھے۔

''امی...... امی...... کیا ہوا؟'' بمشکل لرزتی ٹانگوں کو سنبھالتے ہوئے وہ دھڑکتے دل کے

ساتھ ان کے پاس پہنچی جہاں وہ دل تھامے بیٹھی تھیں، پاس ہی دادی ماں، چچی، پھپھو وغیرہ رو رہے تھے۔

''آخر کوئی مجھے کیوں نہیں بتاتا کہ کیا ہوا ہے، کیوں سب ایسے خاموش ہیں؟'' وہ تقریباً چیخ پڑی، حسن نے آگے بڑھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''دیکھو روحان کو کچھ گولیاں لگی ہیں، اسے کافی عرصہ سے دھمکیاں مل رہی تھیں، جس گروپ کے خلاف وہ کام کررہا تھا اس نے اسے دو دفعہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی، وہ ایک خودکش دھماکہ سے بھی بال بال بچا تھا، دو دن پہلے صبح کو اسے دھمکی ملی تھی کہ وہ اس کی بیوی اور یا تو اغواء کرلیں گے یا پھر اس کا گھر ہی دھماکے سے اڑا دیں گے، اگر اس نے ان کے خلاف ایکشن بند نہ کیا، اسی لئے اس نے تمہیں بھجوا دیا تھا، آج ان کا فائنل ایکشن تھا اس گروپ کے خلاف کہ۔'' حسن کافی حوصلہ سے آہستہ آہستہ سے اسے بتا رہا تھا اور وہ بس گم صم اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ بہت قصوروار ہے بلکہ گناہ گار کہتی تو غلط نہ تھا جس نے اپنے شوہر کی نادانستہ غلطی کو اس کی عمر بھر کی سزا بنا دی تھی، وہ شوہر جس نے بارہا اپنی غلطی کا اعتراف کرکے معافی مانگنی چاہی تھی، جسے اس نے خدا بن کر سزا دینی چاہی، بارہا روحان نے اپنی فیلنگز اس سے شیئر کرنا چاہی تھیں، وہ جو تم گو تھا جو بقول اس کے سپاٹ اور احساسات سے عاری شخص تھا، اس نے اسے بتانا چاہا تھا کہ وہ کیوں بچہ کی آمد سے خوفزدہ تھا اور یہ بھی کہ وہ خود بھی بہت کمی محسوس کرتا ہے اس نعمت کی، مگر سامہ نے ہر بار اس کی طرف سے کان بند کرلئے، دنیا دکھوں سے بھری ہوئی ہے اور اسے اپنا دکھ سب

سے زیادہ لگا کرتا تھا، اتنا کہ اس نے اپنے شوہر کو اپنے پاس نہ آنے دیا، اسے اس کے جائز حق سے محروم کیے رکھا، کیا اتنی لغزشوں کے بعد وہ توبہ اور معافی کی حقدار تھی اور کیا وہ افسانوی سچویشن کا انتظار کرسکتی تھی کہ کہیں سے فوراً خبر آجائے کہ اس کا روحان ہوش میں آگیا ہے اور اس کا انتظار کررہا ہے نہیں...... نہ وہ اس سچویشن اور ہیپی اینڈنگ کے قابل تھی اور نہ اسے توقع رکھنی چاہیے، نیہاں نے تاسف سے دادی کی گود میں سر رکھے خاموش سامہ کو دیکھا، حسن، یحییٰ اور بڑے ابا کراچی کے لئے روانہ ہوگئے تھے، ملک میں ہونے والے دھرنوں کی وجہ سے آمد و رفت میں خاصی دشواری تھی، کہیں پہ کسی پارٹی کے حق میں جلوس نکالے جارہے تھے اور کہیں پہ حکومت پہ بے جا تنقید اور اس کے خلاف نعرہ بازی جاری تھی اور دوسری طرف روحان جیسے ملک کے رکھوالے اپنی جانوں پہ کھیل کر ملک کو بچانے کی کوششیں کررہے تھے اور سیاستدان بجائے ملک کے حالات کو بدلنے کے اپنی سیاست چمکانے کے لئے روز بروز ملک کو اندھیروں میں دھکیل رہے تھے، سارا کاروبار زندگی ٹھپ ہوکر رہ گیا تھا، ذمہ دار کون تھا، پوشیدہ نقصان پہنچانے والے ہاتھ کہاں تھے، یہ ملک کے محافظ اور وطن پرست کسی حد تک جانتے تھے لیکن وہی بات کہ جہاں سچائی کی بات کی جاتی ہے وہیں پہ برائی اپنے پنجے گاڑنا شروع کردیتی ہے مگر شاید یہ شیطان کے چیلے یہ نہیں جانتے کہ ایک ذات اوپر بھی بیٹھی ہے جو کبھی بھی انسان کی رسی کو بالکل ڈھیلا نہیں چھوڑتی، ہر رات کے بعد صبح ضرور طلوع ہوتی ہے، ہر اندھیرے کے بعد روشنی کا نظریہ ازل سے چلا آرہا ہے اور چلتا رہے گا، عوام کو کون بیوقوف بنا رہا ہے کون عوام کو سیدھے

راستہ پہ چلائے گا، اس کا فیصلہ صرف اس قدم کو خود کرنا تھا اور انشاء اللہ بہت جلد راستے ضرور نکل آئیں گے، جو شفاف اور سیدھے منزل کی طرف جائیں گے۔

☆☆☆

کراچی میں کوئی جلسہ تھا، اسی لئے ساری ٹریفک ہی جگہ جگہ جام تھی، حسن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ڈرائیور سے گاڑی چھین کر اڑاتا ہوا ہاسپٹل پہنچ جائے، یحیٰی اور بڑے ابا بھی بے چینی سے سامنے دیکھ رہے تھے جہاں یہ پارٹی کارکنان دھمال ڈال رہے تھے، بڑے ابا نے تاسف سے ملک کی باگیں تھامنے والے ہاتھوں کو اور جوانوں کو دیکھا، کہاں جا رہی تھی ہماری قوم، اے کاش کوئی اقبال یا پھر جناح جیسا ایک بار پھر ان میں پیدا ہو جائے نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے انہوں نے باہر نظر جما دی، جہاں سے ڈرائیور مشاقی سے راستہ بنا کر گاڑی نکال رہا تھا۔

''روحان!'' آئی سی یو کے باہر کھڑے بڑے ابا کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی، ظالموں نے اس کے جسم کا شاید کوئی حصہ نہیں چھوڑا تھا، سفید پٹیوں میں جکڑا ان کا شہزادوں جیسی آن بان والا بہادر بیٹا آنکھیں بند کیے چت پڑا تھا، کتنا دور رکھا تھا انہوں نے ساری عمر اسے خود سے، کئی بار وہ پیاسی اور منتظر نگاہوں سے ان کے محبت بھرے لمس کے لئے ان کی طرف دیکھتا، ماں کی محبت کو صرف دو سال تک پایا تھا، اس کے بعد انہیں احساس تھا کہ وہ قدم قدم پہ ان کی توجہ کے لئے لپکتا تھا، مگر وہی بات کہ کہیں لاڈ پیار سے وہ ان سے اتنا بے تکلف نہ ہو جائے کہ اپنے اور ان کے درمیان کے رشتہ کی نوعیت کو ہی بھول جائے یا پھر لاڈ پیار کی وجہ سے بگڑ ہی نہ جائے، یہ چیز انہیں روحان سے فطری پدرانہ شفقت اور محبت کے اظہار میں رکاوٹ بن گئی، بار ہا راتوں کو اٹھ کر وہ اس کے کمرے میں جاتے اور سوئے ہوئے معصوم روحان کو خود میں بھینچ کر پیار کرتے، آنسوؤں سے روتے اور اپنی خطاؤں پہ بے آواز معافی مانگتے اور وہ معصوم اور چھوٹا بچہ نیند میں محض کسمسا کر رہ جاتا، پھر اس کے ہاسٹل بھیجنے پہ روحان کا آنسوؤں اور شکوہ بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھنا انہیں آج بھی یاد تھا، مگر اس کے بہتر مستقبل کا سوچ کر خود کو ہمیشہ تسلی دی، کہ جلد ہی فاصلے سمٹ جائیں گے، مگر فاصلے بجائے گھٹنے کے بڑھتے گئے اور ان کا لائق فائق پولیس آفسر بیٹا اپنے کندھوں پہ بیج سجاتا چلا گیا، مگر زندگی نے جو خلا باپ اور بیٹے کی محبت کے اظہار کے لئے پیدا کر دیا تھا وہ بڑھتا ہی گیا، کتنا ذہین سمجھدار اور فرمانبردار بیٹا تھا، ان کا سر ہر بار سجدہ میں جھک جاتا تھا، اس نے انہیں کہیں بھی مایوس نہیں کیا تھا، حتیٰ کہ آج جب وہ بستر پہ یوں پڑا تھا تو بھی ان کی آنکھوں میں فخر کے آنسو تھے اور سر بارگاہ الٰہی میں عاجزی سے جھکا ہوا تھا، محبت نے آہستگی سے اپنا سر اٹھا کر اداسی سے ان کی طرف دیکھا، انہیں اپنے اچھا باپ ہونے پہ خوشی تھی، انہیں بیٹے کے کارنامہ پہ فخر تھا، مگر محبت جسے اظہار کے بنا کبھی بہار میسر نہیں ہوتی وہ تو ابھی بھی دیواروں سے لپٹی کرلاتی پھر رہی تھی، اے کاش وہ ایک بار اسے محبت کو آزماتے تو سہی، درد کی شدت سے محبت کا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور زندگی کا پتا دیتی مشین رک رک کر چلنے لگی تھی، ڈاکٹرز اور اسٹاف میں بھگدڑ مچ گئی تھی، حسن اور یحیٰی بے چین کبھی ایک ڈاکٹر کی طرف دیکھتے اور کبھی دوسرے سے حالت پوچھتے پھر رہے تھے۔

☆☆☆

''امی......!'' اس کی سسکیاں بلند ہونے

لگیں۔

"دادی ماں...... میں نہیں رہ پاؤں گی اسے کے بنا۔" کتنی دیر سے خاموش اور بت کی مانند دادی کی گود میں لیٹی ہوئی سامعہ کا ایکدم سے رونا ان سب کو رلا گیا، ابھی ابھی ہارون بھی آ گیا تھا اور آہستہ آہستہ حسن کی بتائی گئی موجودہ کنڈیشن دادی کو بتا رہا تھا، کہ وہ یکدم رو پڑی، تو کیا وہ چھوڑ گیا، کیا وہ اتنا خفا ہو گیا کہ وقت بھی اس کے ہاتھ سے چھین کر لے گیا، وہ کیسے جیئے گی اس کے بغیر، جس کی موجودگی بچپن سے اب تک اس کے دل کو آباد کیئے رکھتی تھی، جس کی آہٹ تک کو وہ پہچان لیتی تھی، لوگ ماؤں کی آہٹیں پہچانتے ہیں، اور وہ روحان کے قدموں پہ کان لگائے رکھتی تھی، جس سے وہ لاکھ خفا تھی مگر کبھی اس سے جدا ہونے کا نہیں سوچا تھا، مگر اب وہ جا رہا تھا تو اسے کیسے مناتی، کس سے اسے مانگتی، اچانک آنسوؤں کے درمیان اس خیال نے اسے چونکا دیا، ہاں صرف رب ہے جس سے وہ اسے مانگ سکتی ہے، مگر کیسے، جائے نماز بچھائے وہ ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی تھی، ہونٹوں پہ جامد خاموشی تھی، کتنے عرصہ کے بعد وہ اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوئی تھی، وہ تو رب کو بھی بھلا بیٹھی تھی اور تھی ناں انسان، جو مشکل میں ہی رب کو یاد کرتا ہے، جسے اس کی عنائتیں ذرا سی آزمائش پہ بھول جاتی ہیں جو صرف لینا جانتا ہے مگر رب کا شکر ادا کرنا بھول جاتا ہے اور مشکل میں رب کو بھی بھول جاتا ہے، اس کا دل پھٹنے کے قریب ہو گیا، وہ دعا بھول کر رب سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگنے لگی، وہ تو نماز کی بہت پابندی کرتی تھی پھر کیسے اتنا عرصہ وہ ایسے ہی گزار گئی، دل میں شدت سے تڑپ اٹھنے لگی۔

"یا اللہ میں گناہ گار، خطا کار ہوں پر تیری بندی ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کی امت سے ہوں، مجھے معاف کر دے میرے گناہ اگرچہ زیادہ ہیں، پر تیری رحمت تو بے شمار ہے بس تو اپنی رحمت سے مجھے بخش دے، اے میرے رب مجھے دعا مانگنی نہیں آتی، مگر تو میرے دل کا حال جانتا ہے، تو مجھے معاف کر دے، مجھے بھلائی کا راستہ دکھا دے۔" دل سے آوازیں ہونٹوں کے ذریعہ نکلنے لگیں، اس کا رونا سب کو رلا گیا، امی نے تاسف اور دکھ سے اپنی عاقبت نا اندیش بیٹی کو دیکھا، جو اجڑی سسکتی ہوئی اللہ سے اپنی محبت مانگ رہی تھی، جس کی اتنی عرصہ کی سرد خاموشی نے انہیں راتوں کو پہروں جگائے رکھا تھا، جو اس کے مضمحل وجود کے ساتھ ساتھ روحان کی پژمردگی پہ کڑھا کرتی تھیں مگر وجہ کبھی نہ ڈھونڈ سکی تھیں، پاپا اپنی جگہ پہ نڈھال سے فون ہاتھ میں پکڑے سوچوں میں گم تھے، اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود مکمل خاموشی تھی، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سامعہ کی سسکی کی آواز بلند ہوتی اور سب کے آنسوؤں میں روانی آنے لگتی، دادی ماں آنکھیں موندے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں، بہو چلی گئی ان کا دکھ کم نہ تھا پھر بیٹی اور داماد کی جدائی بھی کس طرح سہہ گئی تھیں مگر اپنے لاڈلے پوتے سے جدائی کا تصور ان سے حواس چھیننے لگا تھا، تسبیح کے دانوں کو گراتے ہوئے مسلسل ہلتے ہونٹوں کے ساتھ وہ رب سے ہم کلام تھیں۔

"سامعہ اٹھو بیٹی ایسے مت کرو۔" منجھلی چچی نے جائے نماز پہ نڈھال، زار و قطار روتی سامعہ کو اٹھانا چاہا مگر وہ اسی طرح سجدے میں پڑی رب سے اس کی رحمت مانگتی رہی، وہ اپنے رب کو منا لے گی یہ یقین لحہ بہ لحہ مضبوط ہو رہا تھا اور یقیناً اس کے بندے کو بھی منا لے گی، جو لاکھ خفا سہی

مگر اس کی محبت اور چاہت کو وہ جان گئی تھی، کتنی بے وقوف تھی نا ہر لمحہ روحان نے جیسے اسے سنبھالا، اس کی تمام بے اعتنائیوں کو سہا مگر اس کے باوجود بھی سخت رویہ تو کجا، سخت لہجہ میں بھی بات نہیں کی اور وہ ان تمام احساسات کو نظر انداز کیے گئی، صرف ایک نقصان کے لئے جو شاید اس کے نصیب میں ہی نہ تھا اور شاید اللہ نے اس میں اس کے لئے بہتری رکھی تھی اور یہ بات اسے بہت دیر سے سمجھ آ رہی تھی۔

''سامہ!'' ردا نے دھیرے سے اس کا کندھا ہلایا، اس کا سر اتنا بھاری ہو رہا تھا کہ وہ بمشکل اپنی سوجی ہوئی آنکھوں کو کھول کر سر اٹھا سکی تھی، اس کی حالت اور شکل دیکھ کر ردا کی بے اختیار سسکی نکل گئی، یہ بے وقوف محبت کے مارے میاں بیوی کتنا عرصہ محبت سے نظریں چرائے پھرتے رہے اب جب جدائی دہلیز پہ آ کر رکنے لگی تھی تو محبت کو اوڑھنا چاہ رہے تھے، گہری سانس لے کر ردا نے نظریں اس پہ سے ہٹائیں۔

''تمہاری ایک گھنٹے کے بعد فلائٹ ہے، چھوٹی چچی اور چاچو کے ساتھ کراچی جانا ہے تیاری کر لو۔'' وہ اسے کوئی تسلی باوجود کوشش کے نہیں دے سکی اور سامہ کی سوالیہ نظروں کا کوئی جواب کسی کے پاس نہیں تھا، کیونکہ ڈاکٹرز اگرچہ آپریشن کی کامیابی کی نوید تو دے چکے تھے، مگر روحان کا کوما کی حالت میں چلے جانا ان سب ڈاکٹرز کے لئے تشویش کا باعث تھا، اس کی بدستور نازک حالت کے پیش نظر بڑے ابا نے سامہ کو بلوایا تھا۔

☆☆☆

''زندگی میں اگر مشکلات نہ ہوں تو انسان بہت جلد آرام و سکون سے اکتا جائے، یہ مشکلات اور کٹھنائیاں ہی ہیں جو ہمیں متحرک رکھتی ہیں اور انہی کی وجہ سے ہم اپنے اللہ سے قریب ہوتے ہیں، بہت خوش قسمت ہیں آپ کہ آپ کے شوہر نے نیک مقصد کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنے کے لئے پیش کیا ہے اور اتنے باہمت شوہر کی بیوی کو تو ان سے زیادہ ہمت اور حوصلہ رکھنا ہوتا ہے۔'' روحان کا آپریشن جس سرجن نے کیا تھا، وہ اپنے روم میں بیٹھے سامہ کو نرم لہجہ میں سمجھا رہے تھے، پاس ہی حسن اور بڑے ابا بیٹھے تھے، بارلیش سے ڈاکٹر عبد المعید کافی دیر قرآنی آیات اور احادیث کا حوالہ دے کر سامہ کو کافی حد تک پرسکون کر گئے تھے، روحان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، دنیا و مافیہا سے بیگانہ، پٹیوں میں جکڑا وہ آنکھیں موندے پڑا ہوا تھا۔

سفید چادر شانوں تک پڑی ہوئی تھی، وہ اکثر بلکہ ہمیشہ ہی سفید چادر سے چڑ جایا کرتی تھی، گھر میں بھی اگر کوئی سفید چادر اوڑھ کر لیٹ جاتا تو وہ عجیب سے واہموں اور وسوسوں کا شکار ہو جاتی، سب اس کا مذاق اڑاتے مگر یہ ضرور تھا کہ اس کے سامنے سفید چادر لینے سے گریز ضرور کرتے تھے، مگر آج جب وہ ایسے پڑا ہوا تھا تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے پاس جا کر چادر اتار کر پھینک دے اور اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دے اور دیکھے کہ جب وہ آنکھیں کھول کر غصے سے اس کی طرف دیکھے گا تو اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہوگا، نجانے وہ سیاہ آنکھیں غصہ کی شدت سے مزید سیاہ ہونگی یا سرخ، یا پھر اس کے بال بکھیر کر رکھ دے جس سے وہ اکثر بہت چڑتا تھا، یہ اس کی واحد عادت تھی جس کا اظہار کنجوسی کے باوجود وہ منہ سے کر دیتا تھا اور اکثر سامہ اسے چڑانے کے لئے یہ حرکت کرتی تھی، آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر آ گئی۔

اے کاش! سامہ کی آمد پہ وہ ایسے ہی ڈسٹرب ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے جیسے اکثر وہ کرتا تھا، کبھی کبھار موڈ میں ہوتا تو کہتا ضرور تھا۔

''یار تم جب آتی ہو ناں میرے اردگرد تو میرا کسی کام میں دل نہیں لگتا، اس لئے بہتر ہے کہ جب میں مصروف ہوا کروں تو تم اندر مت آیا کرو۔'' سامہ نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا اور کمرے سے باہر جانے لگی، تو ہنستے ہوئے روحان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھو گی۔'' وہ مسکراتا لہجہ اس کے اردگرد پھیلنے لگا، وہ مطلب اچھی طرح جانتی تھی اور محبت کا اتنا معمولی سا ڈھکا چھپا اظہار اسے دنوں سرشار کیے رکھتا تھا، بعد میں آنے والے دنوں کی ناراضگی کے باوجود وہ کئی بار محض اسے آزمانے کے لئے اس کی مصروفیت کے دوران کئی چکر کمرے میں اندر باہر لگاتی، کہ کسی طرح وہ کچھ تو منہ سے بولے مگر وہ خاموشی سے اپنا کام چھوڑ کر کمرے سے ہی نکل جاتا۔

''روحان! کیا مجھے سوری کرنے کا موقع بھی نہ دو گے، میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں، مگر پلیز جدائی کی سزا مت دینا۔'' اس کے ڈرپ لگے ہاتھ پہ اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ ہولے ہولے جیسے منت کر رہی تھی، روحان کا سرخ و سفید چہرا پیلا ہو گیا تھا، اس کے سیاہ بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔

''سامہ اگر ہم زندگی کو ایک جگہ ٹھہرا لیں تو نقصان صرف ہمارا ہو گا، ماضی ایک گزرا وقت ہے جو باوجود ہماری کوشش کے نہ تو واپس آ سکتا ہے اور نہ ہی ہم اپنی مرضی سے اس میں تبدیلی کر سکتے ہیں، تو پھر کیا فائدہ راکھ میں دبی چنگاریاں تلاش کرنے کا، کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ تم آنے والے اور موجودہ لمحوں کو قید کرنے کا سوچو، ان لمحات کو خوبصورت بناؤ، تم محبت کو محبت سے اپناؤ، وہ ابھی تم سے معمولی سا خفا ہے، اگر سیریس ہو گیا تو کیسے بلاؤ گی اسے واپس۔'' نیہاں کی سنجیدہ نصیحت سامہ خان کے دل کو ماتم زدہ کرنے لگی تھی، آنکھیں تھیں کہ برسنا بند نہیں ہو رہی تھیں، جسم کا روح سے اتنا تعلق رہ گیا تھا کہ صرف سانس کی آمد و رفت زندگی کا پتا دے رہی تھی، ورنہ احساسات اور جذبات بستر پہ دراز شخص کی سانسوں کی کم رفتار کے ساتھ ہی سرد ہونے لگے تھے۔

باہر روحان کے سینئر آفیسرز اور اس کے ساتھی سب آ گئے تھے، اتنے حوصلہ مند آئی جی جمال خان بھی بے حد دلگرفتہ تھے، ان کا جوشیلا، باہمت اور محبِ وطن آفیسر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا، ان کا جی چاہ رہا تھا کہ سب مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر حکمرانوں کے پاس پہنچ کر انہیں جھنجھوڑیں کہ کیا یہی ہے تمہاری حکمرانی کہ آج ملک کا ہر سپاہی اپنی جان ہتھیلی پہ لئے ملک کو بچانے کی کوششوں میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہے اور تم لوگ مصلحت کی سیاست کی آڑ میں غیروں کو اپنے ہی ملک میں جڑیں کاٹنے کے لئے جگہ دیتے پھر رہے ہو، کیا اور کون سی سیاست ہے جس میں نعرے بازوں، دھرنے اور جلوسوں کے سوا کچھ نہیں ہے، صرف ذاتی مفاد ہر جگہ مقدم ہے، کون دے گا اس خون کا حساب، وہ خون جو بہت قیمتی ہے جو ایک مقدس مقصد کے لئے بہتا ہے مگر افسوس اس کی قدر نہیں کی جاتی۔

انہوں نے خالی نظروں سے اپنے سامنے کھڑے اے ایس پی قادر رحمان کو دیکھا جو کچھ کہہ رہے تھے، مگر ان کے ہلتے ہونٹوں کے سوا تک قادر رحمان کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی، البتہ ان

کے چہرے کی پھیلتی مسکراہٹ نے کچھ اچھا ہونے کی نوید ضرور دی تھی۔

☆☆☆

''روحان!'' وہ جیسے پاگل ہونے لگی تھی خوشی سے، ہاں اس کی پلکوں نے جنبش کی تھی اور سامہ کے ہاتھ میں دبے اس کے ہاتھ میں بھی کسمساہٹ ہوئی تھی، وہ پہلے تو اپنا وہم سمجھتی رہی تھی، مگر جب روحان کے دوسرے ہاتھ میں بھی حرکت ہوئی تو وہ بے اختیار اس سے لپٹ کر رونے لگی تھی، پاس ہی ڈرپ چیک کرتی نرس بھی چونک کر کچھ حیرت اور مسرت سے اسے دیکھنے لگی تھی، جو ماحول اور اپنی حالت سے بے نیاز اپنی محبت کو صرف دیکھ رہی تھی رو رہی تھی اور اسے چھو کر محسوس کر رہی تھی، جسے صرف اتنا یاد تھا کہ اس کے اللہ نے اسے مایوس نہیں کیا اور وہ کبھی اپنے در سے کسی کو نا امید نہیں کرتا، بس ایک یقین اور ایمان کی پختگی سے اسے پکارا جائے، سب ڈاکٹرز اندر آ گئے تھے اور روحان کے اردگرد جمگھٹا بن گیا تھا، ان کے چہروں پہ اطمینان اور سکون نے سامہ کو اندر تک سرشار کر دیا تھا، باہر نکل کر وہ بے اختیار ای کے گلے لگ کر رونے لگی تھی، حسن، بڑے ابا، یحییٰ وغیرہ سب سجدے میں وہیں پڑ گئے تھے، پورا ہاسپٹل پولیس کے جوانوں کے نعرہ اللہ اکبر سے گونج اٹھا تھا، یوں لگ رہا تھا کہ ہر شے جیسے زندہ ہو کر مسکرانے لگی تھی، ہر فرد ہر مریض خوش نظر آ رہا تھا، اللہ کی رحمت نے کرم کیا تھا، بڑے ابا گھر اطلاع دے رہے تھے حسن اور یحییٰ صدقہ دینے کے لئے چلے گئے تھے اور جب ڈاکٹر نے آ کر روحان کی کنڈیشن کا خطرے سے بالکل باہر بتایا تو بڑے ابا جس طرح بے قرار ہو کر آئی سی یو کی طرف لپکے وہ سب کو حیران کر گئی، کتنی محبت اور پیار تھا ان کے بیٹے کے لئے ان کے دل میں، جس کو اظہار کا موقع زندگی میں پہلی بار ملا تھا اور جیسے وہ اپنے بیٹے کا ماتھا چوم رہے تھے تو ان کی دیوانگی نے روحان خان کو بھی حیران کر دیا تھا، مسرت کے احساس میں گھر کر وہ بابا کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں بھی محبت کا جواب محبت میں دینے لگا تھا، کچھ گھنٹوں کے بعد اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا اور لمحوں میں اس کا کمرہ پھولوں سے بھر گیا تھا، اس کے کولیگز آفیسرز، فیملی کے سب لوگوں نے کمرے میں اس کی موجودگی کو دل سے خوش آمدید کہا تھا۔

''گیٹ ویل سون روحان، وی آل آر ویٹنگ فار یور ونڈرفل پرفارمنس۔'' آئی جی جمال نے اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا تو روحان کی آنکھوں میں ہمت اور حوصلہ کی روشنیوں نے جگمگاہٹ بھر دی۔

''ہاں یہی وقت ہے جب ہمیں ہر بار نئے حوصلہ سے دشمن وقت کا مقابلہ کرنا ہے، اسے بتانا ہے کہ اگر وہ ایک روحان پہ گولیاں برسائے گا تو دس روحان سے اس کا مقابلہ ہو گا، پاکستانی جوانوں کی ہمت اور استقامت ہی دراصل دشمن کی شکست ہے۔''

''آئی ایم سوری۔'' یہ فقرہ وہ دن میں کئی بار خود سے دہراتی تھی، مگر سامنے کہنے کی ہمت بڑی مشکل سے پیدا ہوئی تھی، وہ جو دواؤں کے زیر اثر دو دن سے غنودگی اور نیم غنودگی کی حالت میں تھا، آج اس کی طبیعت کافی بہتر تھی، اسی لئے ڈاکٹر سے کہہ کر اس نے اپنی نیند والی میڈیسن نہیں لی تھی جب سامہ ہولے سے اندر آئی، وہ اسے سوتا سمجھ کر اپنے اندر کا غبار نکالنے لگی، اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو دہرا کر اس سے غائبانہ معافی مانگنے لگی تھی اور وہ پٹ سے آنکھیں کھول کر وہ اسے حواس باختہ کر گیا، آنسوؤں سے بھری

آنکھیں اور بے تحاشہ سرخ ناک کے ساتھ وہ شرمندہ سی سر جھکا گئی تھی۔

''اب کیا ہوگا؟'' یہ سوالیہ نشان اس کے دماغ کے ساتھ چہرے پہ بھی ثبت ہو گیا تھا شاید اسی لئے روحان نے اس کا بیڈ پہ رکھا ہوا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''میں......'' سامہ نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر روحان نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے چپ کرا دیا۔

''ہم نے بہت سا اچھا وقت اپنی اپنی انا کی جنگ میں گنوا دیا، ماضی کی غلطیوں کو دہرانا نہیں ہے مگر ان سے سبق ضرور سیکھنا ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''مجھے محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا، مگر مجھے یہ ضرور بتانا ہے کہ میں تمہارے بنا بہت تنہا محسوس کرتا ہوں خود کو، تمہاری موجودگی مجھے سکون دیتی ہے اور جب تم خفگی بھری آنکھوں سے چوری چوری مجھے دیکھتی ہو تو مجھے بہت پیاری لگتی ہو۔'' سامہ کی کانوں کی لویں جلنے لگی تھیں، اف یہ شخص تو خاموش ہی بھلا تھا اس نے سوچا۔

''اور ہاں ایک اور بات جس وجہ کے لئے تم مجھ سے اتنا عرصہ خفا رہیں میں نے سنجیدگی سے اس پہ عمل کرنے کا سوچا ہے۔''

''ہیں۔'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی، یہ کیا ہو گیا ہے روحان کو، لگتا ہے چوٹ دماغ پہ اثر کر گئی ہے۔

''آج سے میرا وعدہ ہے کہ کبھی بھی اظہار کے معاملے میں کنجوسی سے کام نہیں لوں گا اور جو تم کہو گی وہی کروں گا۔'' وہ مکمل تابعداری اور فرمانبرداری سے کہہ رہا تھا اور سامہ سوچ رہی تھی کہ گھر میں موجود وہ تمام پود کے ان شرارتی میسج کا کیا جواب دینے ہیں جنہوں نے سیل پہ میسج بھیج بھیج کر اس کا سر کھایا ہوا ہے۔

''پھر ٹھیک ہے تیار ہو تم۔'' شریر لہجہ میں روحان نے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آج رات تم میرے ساتھ کمرے میں گزارو گی ناں۔''

''توبہ ہے روحان۔'' کانوں تک بلش ہو کر وہ مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگی اور وہ ڈھیر سے ہنستا ہوا سارے ماحول کو خوشگوار کر گیا تھا۔

☆☆☆

سمیرا گل عثمان

روشن روپہلی معطر سی صبح کا آغاز ہو چکا تھا وہ بھی دروازے کی ٹھک ٹھک اور دھم دھم کرتے میوزک کے بغیر ہی، کہ یہ کھلی کھلی سی سحر رعنائیوں بھری شب کا آغاز تھا، اس نے اپنا آنچل اٹھا کر اوڑھا تو کلائیوں میں کھنکتی چوڑیاں بج اٹھیں، شہریار کو بیڈ ٹی کی عادت تھی اور اس کے آنے سے قبل وہ یہ کام خود سرانجام دیتا تھا ان کے گھر کی مانند یہاں بھی کل وقتی ملازمہ کی کمی تھی جو دو تین تھیں وہ بھی اپنے ٹائم پر آتیں اور کام نمٹا کر چلی جاتی تھیں اور جو آج کل میرج ہال میں شادی کا رواج تھا تو قریبی احباب بھی وہیں سے اپنے اپنے گھروں کو سدھار جاتے تھے اور جس طرح شہریار نے اس کے حضور درخواست پیش کی تھی۔

''اگر زحمت نہ ہو تو ایک ایک چائے مل سکتی ہے۔'' وہ شریگیں مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی کچن تک رہنمائی

ناولٹ

شہریار نے کر دی تھی اور خود واش روم میں جا گھسا تھا۔

اور وہ کچن کے بیچ و بیچ کھڑی خوب دماغ لڑاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ چائے کیسے بنتی ہے اس نے تو آج تک کبھی باورچی خانے میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا عمر اکثر جب اپنے لئے چائے بناتا تو ایک کپ اسے بھی عنایت کر دیا کرتا تھا کچھ خیال آنے پر اس نے عمر کا نمبر ڈائل کر دیا، بیل جا رہی تھی۔

''اٹھا لو عمر۔'' وہ بے چینی سے اتنے میں نیند سے بوجھل آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

''تم کیسے اٹھ گئی اتنی سویرے۔'' اس کی ہیلو کے جواب میں وہ بولا۔

''عمر چائے کیسے بناتے ہیں۔''

''کیا؟'' وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' وہ دور سے بھی اس

کی حرکت نوٹ کر چکی تھی۔

''تم اپنی ویڈنگ نائٹ کی پہلی صبح اتنی سویرے اٹھ کر چائے بنا رہی ہو۔'' اس کی حیرت قابل دید تھی۔

''بنا نہیں رہی پوچھ رہی ہوں۔'' وہ اصل مسئلے کی جانب آئی، مگر وہ بھی خوب تنگ کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ چائے بنانے کے تین طریقے ہوتے ہیں اب تمہیں کون سا بتاؤں۔''

''جو سب سے آسان ہے۔'' اس نے تحمل سے کہا اور مختلف کیبنٹ کھنگال کر مطلوبہ اشیاء برآمد کرنے لگی اور پھر اس کے کہنے کے مطابق دودھ میں چینی پتی ڈال کر چولہا جلا دیا تھا اور جب تک چیزیں سمیٹ کر واپس کیبنٹ میں رکھیں چائے کو ابال آنے لگے تھے۔

''عمر یہ تو ابل رہی ہے چھلک جائے گی، کیا کروں؟'' وہ حواس باختہ ہونے لگی تھی۔

''آنچ ہلکی کر دو پاگل۔'' وہ چلایا۔

''آنچ کیا ہوتی ہے۔'' چائے کناروں تک آچکی تھی کچھ سمجھ نہ آنے پر ساس پین کو پکڑنا چاہا تو انگلیاں جل گئی وہ اچھل کر پیچھے ہٹی اور کسی نے فوراً آگے بڑھ کر برنر بند کر دیا پھر الٹے قدموں واپس بھاگا۔

تب تک شہریار بھی کچن میں جھانک چکا تھا، وہ اپنی جلی ہوئی انگلیوں کو دیکھتے ہوئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی چلن سے برا حال تھا۔

''بھائی یہ پیسٹ لگا دیں۔'' سالار نے عجلت میں ٹیوب پکڑائی اور چلا گیا۔

''یہ کیسے ہوا؟'' وہ اس کی انگلیوں پر پیسٹ لگاتے ہوئے تاسف سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے چائے بنانی نہیں آتی۔'' وہ لب کاٹتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''او گاڈ۔'' شہریار نے اپنا سر تھام لیا۔

''تو جان پہلے بتا دیتی۔''

''آپ کو انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔'' ایک اور جواز اب سر کی بجائے دل تھامنے کی باری تھی۔

''بس انہی اداؤں سے مات کھا گئے۔''

☆☆☆

''لو بھلا یہ کوئی بات ہوئی پہلی صبح ہی بہو کو کچن میں گھسا دیا۔'' عائشہ آنٹی عنبرین کی انگلیوں پر برنال لگاتے ہوئے شہریار کو ڈپٹ رہی تھیں جبکہ وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

''اب ناشتہ کیسے کرے گی وہ۔'' انہوں نے تمام لوازمات میز پر منتقل کرتے ہوئے اسے گھورا تو اس نے بھی جھٹ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

''میں کروا دیتا ہوں۔'' گرم گرم پوریاں، حلوہ، چنے اور چائے کے علاوہ بریڈ، مارجرین بوائل انڈے بھی تھے، شہریار نے نوالہ اس کی سمت بڑھایا تو عنبرین کی نظریں بے ساختہ سالار کی جانب اٹھ گئیں جو اس کے سامنے والی کرسی سنبھالے یوں بیزار سا بیٹھا تھا جیسے کسی نے زبردستی وہاں بٹھایا ہو، رات بھی اسے مختلف آوازیں آتی رہی تھیں، ہر کوئی سالار کو ڈھونڈ رہا تھا کہ رسم کے لیے وہ بھابھی کے پاس آکر بیٹھے، لیکن اس نے دوٹوک انکار کر دیا تھا۔

''مجھے ایسی فضول رسمیں نہیں پسند۔'' سب خواتین پکارتی ہی رہ گئی تھیں مگر وہ اس پھولوں کا گلدستہ اور منہ دکھائی میں گولڈ کا بریسلیٹ تھما کر جا چکا تھا۔

عائشہ آنٹی ملازمہ سے کچن کی صفائی کروا رہی تھیں انکل ابھی تیار نہیں ہوئے تھے۔

سالار نے اسے یوں اپنی جانب دیکھتا پایا تو

اورنج کا گلاس ایک ہی گھونٹ میں چڑھا کر اٹھ کھڑا ہوا پیچھے اب وہ دونوں رہ گئے تھے۔
''سالار کافی ریزرو ڈ ہے۔'' اس نے خیال آرائی کی شہریار نے جاتے ہوئے سالار کو دیکھا اور آزردگی سے بولا۔
''میرا بھائی تو بہت شوخ اور شرارتی ہوا کرتا تھا بس دل کے معاملے میں قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔''
''کون تھی وہ لڑکی؟'' عنبرین نے دلچسپی سے پوچھا۔
''بس تھی کوئی تم چھوڑو اس بات کو ناشتہ جلدی کرو پھر میں نے تمہیں پارلر چھوڑ کر خود بھی کہیں جانا ہے۔'' وہ عجلت میں بات بدل گیا ولیمے کا فنکشن ڈے تھا کچھ اسے کاموں کی بھی جلدی تھی ابھی اس بوتیک سے اپنے ولیمے کا سوٹ بھی لانا تھا وہ بھی سب بھول کر اپنی باتیں کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

ولیمے کے بعد دوست احباب کے ہاں دعوتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا وہ ختم ہوا تو دونوں ہنی مون کے لئے پیرس چلے گئے وہاں سے دو ہفتوں کے بعد واپسی ہوئی تھی کل صبح سے شہریار کو باقاعدہ اپنا آفس جوائن کرنا تھا، اس کے دفتر جانے کے بعد اکیلے لاؤنج میں بیٹھی وہ کافی بوریت محسوس کر رہی تھی جب عائشہ آنٹی تصویروں کا البم اٹھائے چلی آئیں۔
''یہ کب آئیں۔'' وہ خوشدلی سے اٹھ بیٹھی۔
''دو چار روز قبل ہی آئی تھیں۔'' انہوں نے جواب دینے کے ساتھ البم اسے تھمایا اور خود فون ریسیو کرنے چلی گئیں وہ تصویریں دیکھنے میں مگن تھی جب سالار چائے کا کپ اٹھائے اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔
''ٹھہریں پلیز۔'' وہ پیج ٹرن کرنے والی تھی جب اچانک اس نے ٹوک دیا وہ رک کر سر اٹھائے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی لیکن وہ اس کی بجائے تصویر میں اس کے ساتھ کھڑی سندس کو دیکھ رہا تھا۔
''یہ کون ہے؟'' نیچے جھکتے ہوئے اس نے سندس کی تصویر پہ ہاتھ رکھ دیا۔
''میری دوست ہے۔''
''میں نے تو اسے شادی میں نہیں دیکھا۔''
''ہاں اس کی امی بیمار تھیں تو یہ بس تھوڑی دیر کے لئے آئی تھی۔''
''کس کے ساتھ آئی تھی؟''
''اپنے بھائی کے ساتھ۔'' اس کے پے در پے سوالات پہ عنبرین کو کوفت ہونے لگی تھی آخر وہ اتنی انوسٹی گیشن کیوں کر رہا تھا جبکہ ''بھائی'' کے نام پر وہ ٹھٹک سا گیا تھا۔
''کیوں اس کا ہزبینڈ نہیں آیا۔''
''ہزبینڈ؟'' اب کی بار عنبرین چونکی۔
''اس کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔''
''آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ اس کی شادی نہیں ہوئی۔''
''ہاں دوست ہے میری فرسٹ ائیر سے بی ایس سی تک ہم ساتھ ہی تھے۔''
''ہوسکتا ہے کہیں بات چل رہی ہو۔''
''نہیں بھئی ابھی تو اس ایک بڑی بہن موجود ہے۔''
''اچھا!'' عنبرین نے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا جیسے کچھ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو کچھ دیر وہ اس کے بولنے کی منتظر رہی پھر دوبارہ سے تصویروں کی سمت متوجہ ہوگئی، سالار کو اس کی آخری فون کال یاد آگئی تھی۔

''ڈیڈی میرا رشتہ طے کر چکے ہیں ایک ہفتے بعد میری شادی ہے۔''
''بھابھی!''
''ہوں۔'' وہ پھر سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی جواب کی بار اس کے سامنے آن بیٹھا تھا۔
''میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''
اس کی فرمائش پر عنبرین نے قدرے ٹپٹا کر اسے دیکھا۔
''یوں اچانک شادی کا خیال کیسے آ گیا۔''
''ممی اور ڈیڈی سے میں بات کرلوں گا آپ بس جانے کی تیاری کریں۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر چلا گیا تو وہ سارا دن الجھتی رہی اور جب رات کو شہر یار سے بات ہوئی تو وہ سن کر بہت خوش ہوا۔
''ارے تو خوشی کی بات ہے ہم کل ہی چلیں گے پرپوزل لے کر۔'' وہ سالار سے بھی زیادہ جلد باز تھا، پھر باقی کے مراحل کافی خوش اسلوبی سے طے ہوئے تھے اور بارات کا دن آن پہنچا تھا۔

☆☆☆

''عنبرین جلدی چلو بھئی دیر ہو رہی ہے۔'' شہر یار اسے پکارتا ہوا اندر آیا تھا اور پھر دروازے پر ہی مبہوت سا کھڑا رہ گیا، نیوی بلیو ساڑھی میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔
''اتنی سجاوٹ۔'' اس کا اشارہ پھولوں کے کنگن اور چمکتی ہوئی بندیا کی جانب تھا۔
''اتار دوں۔'' وہ معصومیت میں بولی۔
''ارے نہیں یار بس ایک کاجل کا ٹیکا لگا لو بہت سی نظروں کی بچت ہو جائے گی۔''
''آپ اپنی نظر کی فکر کریں بہت خراب ہے یہ۔'' وہ ہنستے ہوئے پرفیوم اسپرے کرنے لگی تھی شہر یار نے اس کے گلے میں بازو ڈال دیا۔
''وہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہو، کاش کہ تمہارے جیسی تین اور ہوتیں۔''
''میرے جیسی کی اگر شرط ہے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کریں۔'' اب وہ ناخنوں پر کیوٹیکس لگا رہی تھی اور شہر یار فل شرارت کے موڈ میں تھی۔
''کوشش میں کیا حرج ہے۔''
''میں ہیلپ کروا دوں۔'' وہ اطمینان سے بولی۔
''تم جیلس کیوں نہیں ہوتی۔'' شہر یار نے اس کی لٹ کھینچی۔
''آپ فرمائش بھی تو میرے جیسی کی کرتے ہیں تو اس پر مغرور تو ہوا جا سکتا ہے جیلس نہیں۔'' وہ اس کی گرفت سے نکل کر دروازے کی سمت بڑی۔
''بات تو سنو۔'' اس نے پھر پکارا۔
''اب بھلا دیر نہیں ہو رہی۔'' وہ یاد کرواتے ہوئے باہر نکل گئی، شہر یار بھی اس کا ہینڈ بیگ اٹھائے پیچھے لپکا لاؤنج میں کھڑی بے ساختہ ہنستی ہوئی لڑکیوں کو ایک اور بہانہ مل گیا تھا۔
''شہر یار بھائی شادی کے بعد یہی کام ہوتا ہے۔'' ایک لڑکی نے ہنستے ہوئے جملہ کسا تو خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا۔
''خبردار جو میرے میاں کو تنگ کیا ہو تو۔'' سالار کو ہار پہناتے ہوئے اس نے دور سے آنکھیں دکھائیں۔
''اوئے ہوئے۔'' ایک اور زبردست معنی خیز سا قہقہہ پڑا تھا۔
بارات میں چند قریبی دوست احباب ہی شامل تھے زیادہ گیدرنگ اس لئے نہیں تھی کہ سندس کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔
انہوں نے شادی کا ارینج بھی گھر میں ہی کیا تھا بارات گئی نکاح ہوا اور کھانا کھا کر وہ لوگ

دولہن گھر لے آئے۔
ولیمے کا فنکشن ایک ہفتے بعد تھا سو مہمان شام کے بعد رخصت ہو چکے تھے، وہ بھی مختلف رسموں کے بعد سندس کو بیڈ روم میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی خوب تھکن کے باعث اب تو برا حال ہو رہا تھا، وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد اپنی سائیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔
''یار تھوڑا سر ہی دبا دو۔'' یہ بھی قریب بلانے کا ایک انداز تھا۔
''کیوں میں آپ کی نوکرانی ہوں۔'' وہ زیر لب ہنسی۔
''اچھا تو پھر کیا ہو۔'' وہ مصنوعی رعب سے بولا۔
''رانی!'' اس نے کروٹ بدلے بدلے ہی جواب دیا۔
''کہاں کی۔'' وہ اس کے اوپر جھک آیا تھا۔
''شہر دل کی۔'' وہ شوخی سے بولی۔
''شہر میں دل تو کئی ہیں۔'' وہ مشکوک ہوا۔
''ہاں لیکن دل کا شہر تو ایک ہی ہوتا ہے نا۔''
''اچھا جی۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا رخ اپنی سمت موڑ لیا۔
''میں ہمیشہ سے یہی چاہتا تھا کہ میری بیوی کا کردار شفاف آئینے کی مانند ہو۔'' وہ اس کے بالوں کی لٹ کو اپنی انگلی پہ لپیٹتے ہوئے بتا رہا تھا اور عنبرین کی رنگت متغیر ہو گئی تھی اس کی بات پر۔

☆☆☆

''سندس کیا ہوا؟'' اگلے روز وہی سب سے پہلے اٹھ کر سالار کے بیڈ روم میں آئی تھی اور بیڈ پر بیٹھی سندس کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔ شادی کی پہلی صبح اس نے کسی دولہن کو اتنی اجڑی ہوئی حالت میں نہیں دیکھا تھا بکھرے ہوئے بال، شکن آلود لباس اور متورم آنکھیں، ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے کانچ اس کی کلائیوں میں کھبے ہوئے تھے۔
وہ بھی ایک بیاہتا لڑکی تھی شہریار نے تو کبھی اس کے ساتھ یوں وحشیوں جیسا سلوک نہیں کیا تھا اس کی حالت دیکھ کر یک لخت ہی اس کا دل غم و غصے سے بھر گیا۔
''جاؤ پلیز شاور لے لو اور اپنی حالت درست کرو۔'' وہ اس کی ٹوٹی بکھری حالت سے نظریں چراتے ہوئے بولی اور بہت پیار سے اسے اٹھا کر واش روم بھیجا اور خود اس کا ناشتہ بنوا کر کمرے میں ہی لے آئی لیکن سندس سے کچھ کھایا نہیں جا رہا تھا، نوالے اس کے حلق میں اٹک رہے تھے۔
''ایم سوری سندس۔'' وہ اس کے سامنے شرمندہ ہو رہی تھی کہ رشتہ تو اس کے توسط سے ہوا تھا۔
''میں نہیں جانتی تھی کہ سالار......'' لب کاٹتے ہوئے اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''تم فکر مت کرو میں آنٹی سے بات کروں گی وہ اچھی طرح پوچھ لیں گی کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔''
''وہ مجھے چھوڑ دے گا عنبرین اس نے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
''ارے کیسے کیسے چھوڑ دے گا اپنی پسند سے اس نے یہ شادی کی ہے میں انکل، آنٹی اور شہریار سب تمہارے ساتھ ہیں تم اکیلی نہیں ہو۔'' وہ اسے تسلی سے نوازنے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر شہریار سے الجھ پڑی تھی۔
''میری دوست کیا لاوارث تھی جو آپ کے

بھائی نے اس کے ساتھ شادی کی ایک رات گزاری اور اب گھر سے نکل جانے کا حکم سنا دیا ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔" اس کی پیشانی پر ایک ساتھ کئی بل نمودار ہوئے۔

"یہ اس سے جا کر پوچھیں۔" وہ غصے سے کہتی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"عجیب تماشا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گیا لیکن سالار کا سارے گھر میں کہیں کچھ پتہ نہیں تھا فی الحال اس نے ممی اور ڈیڈی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا وہ پہلے سالار سے خود بات کرنا چاہتا تھا اور جب تک اس کی واپسی ہوئی اسے نیند آ چکی تھی۔

☆☆☆

"تم گئی نہیں ابھی تک۔" اسے اپنے کمرے میں موجود دیکھ کر سالار کا طیش عود کر آیا تھا سندس کا دل سینے میں سکڑ کر پھیلا۔

"اتنی بڑی سزا اگر سنا ہی رہے ہو تو جرم بھی بتا دو۔"

"کیا کہا تھا تم نے کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے تم ایک مجبور لڑکی ہو جس نے ماں باپ کی عزت کی خاطر اپنی محبت کو قربان کر دیا ہے بیوقوف بنا رہی تھی مجھے۔" وہ اس کا بازو جھٹکتے ہوئے غرایا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا شاید کوئی بہت بڑی مس انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی تھی۔

"یہ تصویر سمجھ میں آ رہی ہے تمہیں۔" اس نے اپنا سیل فون نکال کر اس کے سامنے رکھا جس کی ایل سی ڈی پر اس کی تصویر چمک رہی تھی اور کچھ مزید انکشافات کے بعد سارے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے دوڑنے لگے تھے، وہ اپنی جگہ سن سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"کل تک تم مجھے اس گھر میں نظر نہ آؤ، ڈرائیورس پیپر تمہیں وہیں مل جائیں گے۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر جا چکا تھا اور وہ عنبرین سے کہہ رہی تھی۔

"عنبرین تم جانتی ہو نا کہ وہ میں نہیں تھی۔"

اور عنبرین کی آنکھوں کے گرد اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"ٹھک...... ٹھک...... ٹھک۔" گہری پر سکون نیند پر یہ آواز کسی ہتھوڑے کی مانند اس کی سماعتوں پر برس رہی تھی نیند سے بوجھل لمبی پلکوں کو کسلمندی سے کھولتے ہوئے اس نے خاص ناگواری سے دروازے کی سمت دیکھا تھا گویا وہ آواز کی سمت کا تعین کر چکی تھی اگلے ہی پل اس کی سنہری آنکھوں نے وال کلاک کا رخ کیا، سات بج کر دس منٹ ہو چکے تھے آٹھ بجے اس کا کالج تھا، دستک لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی کمبل ایک سمت اچھالتے ہوئے وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اتری اور سی ڈی پلیئر آن کرنے کے بعد خود واش روم میں جا گھسی۔

بیڈ روم بوفر کی تیز دھمک سے گونج اٹھا تھا اور اب کمرے کی ساکت فضا میں میڈونا کے سر بکھر رہے تھے، باہر کھڑے عمر کو اشارہ مل چکا تھا کہ محترمہ بیدار ہو چکی ہیں وہ الٹے قدموں سے سیڑھیاں اترتے ہوئے ناشتے کی میز پر آن بیٹھا تھا، جہاں اس کے ڈیڈی مصروف بزنس مین گوہر رحمان اخبار بینی میں مشغول تھے اور مما کچن میں کھڑی ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔

"عینا اٹھ گئی۔" حسب معمول انہوں نے عمر سے استفسار کیا۔

"جی!" اس نے تابعداری سے سر ہلایا اور

پھر اٹھ کر مما کی مدد کے خیال سے میز پر ان کے ساتھ مختلف لوازمات سیٹ کرنے لگا تھا مما اس کے احساس ذمہ داری پر نہال ہو کر رہ گئی تھیں۔

عینا اور عمران کے دو ہی بچے تھے عمر جتنا مودب مہذب اور سلجھا ہوا تھا عینا اس کے برعکس اتنی ہی ضدی، نٹ کھٹ اور ٹام بوائے قسم کی لڑکی تھی ابھی بھی گیلے بالوں میں ٹاول لپیٹے اس نے سیڑھیاں اترنے کی بجائے ریلنگ سے سلائیڈ لگائی تھی نائلہ بیگم کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

''عینا آخر تم کب سدھرو گی۔''

''گڈ مارننگ ڈیڈ۔'' حسب معمول اس نے گوہر رحمان کے گلے میں بازو ڈال کر اپنا گال ان کے رخسار کے ساتھ مس کیا اور کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔

قیمہ بھرے پراٹھوں کے ساتھ مکمل طور پہ انصاف کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اک نظر اخبار پر بھی ڈالے جا رہی تھی۔

''عینا جلدی کرو۔'' عمر نے ریسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے زچ ہو کر کہا مگر مجال ہے جو اس کی سست روی میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو۔

اب وہ دودھ میں اوولٹین ملا کر گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار رہی تھی۔

''ایک منٹ میں اگر تم نہ آئی تو میں چلا جاؤں گا۔'' اپنا بیگ اور فولڈر اٹھا کر دھمکی آمیز لہجے میں کہتا وہ تن فن کرتا لاؤنج کی سیڑھیاں اتر گیا تھا، عینا نے معصومیت بھری شکایتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔

''دیکھا آپ نے ڈیڈی۔''

''ہاں تو ٹھیک کہتا ہے، وہ بھی روز تمہاری وجہ سے اسے بھی دیر ہو جاتی ہے۔'' نائمہ بیگم نے بروقت مداخلت کر کے عمر کا دفاع کیا تھا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ گوہر رحمان اسے نئی گاڑی لے کر دیں ایک تو انہیں عینا کی ڈرائیونگ کا کوئی بھروسہ نہیں تھا دوسرا وہ اس کی موڈی اور من موجی ٹائپ فطرت سے خوب اچھی طرح آگاہ تھیں، گاڑی لے کر دینے کا مطلب تھا کہ وہ جو دن میں دو چار بار اس کی شکل دیکھ لیتی تھیں اس سے بھی محروم ہو جاتیں، باہر وہ ہارن پہ ہاتھ رکھ چکا تھا۔

''گویا یہ آخری وارننگ تھی۔'' مما کی بے جا حمایت پر وہ منہ پھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یوں شکل کے زاویے بگاڑ کر میرے ساتھ نہ جایا کرو۔'' عمر نے جان کر اسے چڑایا تو وہ بھڑک کر بولی۔

''مائینڈ یور لینگویج بڑی ہوں میں تم سے۔''

''سات منٹ بڑے ہونے کا اعزاز اگر آپ کو حاصل ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ مجھ پر خوامخواہ کا رعب بگاڑیں۔'' یوٹرن لیتے ہوئے اس نے عینا کے سرخ چہرے کو دیکھا تو وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''گاڑی روکو۔''

''پھر تم نے پن لینا ہو گا مجھے سمجھ میں نہیں آتا یہ ہر روز تم ایک نیا پن کیوں لیتی ہو، شاید مجھے پریشان کرنے کے لئے لیکن آج میں بھی ٹائم پر کالج جاؤں گا اور یہ گاڑی اب تمہارے کالج گیٹ پر ہی رکے گی۔'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی جبکہ ''کالج گیٹ'' نے عینا کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اس نے چپکے سے ڈیش بورڈ پہ رکھا عمر کا قیمتی پن اٹھا لیا۔

یہ پن اسے انگلش کی ٹیچر ثانیہ کے جوڑے میں ٹکا نا تھا ان کا جوڑا اسے اتنا پسند تھا کہ اس میں لگانے کے لئے وہ روز ایک نیا پن لے کر جاتی تھی۔

سیکنڈری سکول کی مخصوص سرخ بلڈنگ کو دیکھ کر ہی اس کا موڈ بگڑ جاتا تھا، مما نے اسے

یونیورسٹی میں ایڈمیشن کی پرمیشن ہی نہیں دی تھی ان کا خیال تھا کہ کالج کا آزادانہ ماحول اسے مزید بگاڑ دے گا۔

سکول گیٹ سے اندر داخل ہونے تک اسمبلی ہو چکی تھی، وہ تاخیر سے آنے والے طلبہ میں بیگ کاندھے پر ڈالے اک ادا سے کھڑی چیونگم چبا رہی تھی اور کھڑکی سے جھانکتی سندس، مہرین اور رومانہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کا حلیہ ملاحظہ کرنے میں مشغول تھیں۔

ہاف سلیولیس لانگ شرٹ کے ساتھ چست کیپری تلے سرخ و سفید پنڈلیاں اپنی جھلک دکھا رہی تھیں نازک پیر ہائی ہیل والی بلیک سینڈل میں مقید تھے گھنگھریالے بال شانوں پہ بکھرے ہوئے تھے جس کی لٹیں رخساروں سے بوسہ کناں تھیں، لیٹ فائن ادا کرنے کے بعد وہ کلاس میں آئی تو پوری کلاس منہ کھولے دم بخود تھی، ایک لڑکی جو پچھلے ایک ہفتے سے عبایا پہن کر آ رہی تھی اس کا یہ گیٹ اپ شاکنگ ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل فہم بھی تھا۔

''عینا یہ تم ہو؟'' سب سے پہلے سندس کو ہوش آیا تا۔

''کیوں میرے سر پہ کیا سینگ نکل آئے ہیں۔'' وہ اطمینان سے کہتی اپنی سیٹ سنبھال چکی لیکن کلاس میں موجود لڑکیاں ہنوز گردن گھمائے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تمہارا عبایا کہاں ہے اور یہ کیا پہن رکھا ہے کیپری۔'' مہرین کی نظریں اس کی برہنہ پنڈلیوں پر جمی تھیں، وہ ان کی آنکھوں سے جھلکتے حیرت آمیز تاثرات کو انجوائے کرتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔

''اب فیشن بدل چکا ہے۔''

''تو تم عبایا فیشن کے طور پر پہنتی تھی۔''

''ییس مائی ڈیئر۔'' اس نے رومانہ کے سر پہ پنسل ماری اور جھک کر بیگ سے نوٹ بک نکالنے لگی ٹیچر کلاس میں آ چکی تھی۔

☆☆☆

بیڈ پر نیم دراز میوزک سننے کے ساتھ ساتھ وہ ایک فیشن میگزین کی ورق گردانی کرنے میں مشغول تھی جب اچانک موبائل کی رنگ ٹیون بجنے لگی کوئی اجنبی نمبر تھا اس نے یس کا بٹن پریس کر کے موبائل کان سے لگالیا۔

''ہیلو!'' گمبھیر مردانہ آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''کس سے بات کرنی ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے استفسار کیا۔

''تم سے۔'' وہ بے دھڑک بولا۔

''اچھا تو کرو بات۔''

''تمہارا نام۔''

''عینا!''

''عینا کیا میں تم سے دوستی کر سکتا ہوں۔''

''وائے ناٹ۔'' وہ فراخدلی سے بولی۔

''اور یئلی۔'' اسے جیسے دھچکا لگا تھا۔

''اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔'' اس کا ہونق چہرہ تصور میں لا کر حظ اٹھا رہی تھی۔

''بس یقین نہیں آ رہا کہ کوئی لڑکی اتنی آسانی سے بھی ایک انجان شخص کی فرینڈ شپ آفر کو قبول کر سکتی ہے۔''

''ہاں میں تو ایسی ہی ہوں۔'' گویا کہ اسے اپنے ایسے ہونے پر بھی فخر تھا۔

''کیا کر رہی تھی؟''

''میوزک سن رہی تھی۔''

''کون سا سنگر پسند ہے؟''

''کوئی بھی نہیں۔''

''کیوں؟''

''سنگیت کا تعلق آواز سے ہوتا ہے۔'' وہ ہنسی۔
''اچھا۔'' وہ جیسے لاجواب سا ہو گیا اس کا انداز بتا رہا تھا کہ جیسے وہ فرسٹ ٹائم کسی رانگ کالر سے بات کر رہا ہو خصوصاً کسی لڑکی سے۔
''ہونہہ ڈنر کا ٹائم ہو چکا ہے میں جا رہی ہوں۔''
''کیا آئٹم ہے آج کھانے میں۔'' وہ بات بڑھانے کو بولا۔
''یہ تو ڈائننگ روم میں جا کر دیکھوں گی۔''
''تم کھانا نہیں بناتی؟''
''ہمارا شیف بناتا ہے۔''
''تم مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گی؟''
''میرا نمبر کہاں سے ملا؟''
''ارجنٹ موبائل دوستی۔''
''او کے پھر بات ہو گی۔'' اس نے کہہ کر کال ڈس کنیکٹ کر دی رانگ نمبرز پر بات کرنا اس کا دلچسپ مشغلہ تھا لیکن خود کو پراسرار شو کرنے کے لئے وہ کسی سے بھی لمبی بات نہیں کرتی تھی۔
''ڈیڈی اس سے پوچھیں کہ میرا پن کیا ہے؟'' وہ جیسے ہی ڈرائننگ روم میں آئی عمر اس کو دیکھتے ہی بولا۔
''مجھے کیا پتہ تمہارا ہے تو ڈیڈی مجھ سے کیوں پوچھیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔
''چھوڑو عمر ایک پن ہی تو ہے۔'' وہ بیزاری سے بولے تو عینا نے ہنستے ہوئے شوشہ چھوڑا۔
''کیا پتہ اس کی کسی گرل فرینڈ نے دیا ہو۔'' اور عمر کا نوالہ اس سنگین الزام پر حلق میں اٹکنے لگا تھا گوہر رحمان نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔
''ڈیڈی بہت بڑی جھوٹی ہے یہ۔'' وہ بس یہ کہہ کر سر جھکا کر رہ گیا۔

☆☆☆

لان کے چھ چکر وہ لگا چکی تھی لیکن ابھی ساتواں چکر باقی تھا۔
کھڑکیوں سے جھانکتی ریلنگ پہ جھکی اور آتی جاتی لڑکیاں ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ سب کو ہاتھ ہلا ہلا کر اپنا ساتواں چکر لگا رہی تھی، اس کے چہرے پر نہ کوئی شرمندگی تھی نہ ندامت کے آثار۔
یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پنشمنٹ کی بجائے آؤٹنگ پر نکلی ہو آج ایک ہفتہ ہو چکا تھا اسے میتھ کے ٹیسٹ میں زیرو لیتے ہوئے جس کی سزا لان میں سات چکر لگانے کی ملتی تھی۔
''عینا اب تو شرم کر لو سارے سکول میں بدنام ہو چکی ہو کوئی سزا کو بھی کوئی اتنا انجوائے کر سکتا ہے۔'' سندس نے منرل واٹر کی بوتل اس کی سمت بڑھاتے ہوئے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''اصل میں بات یہ ہے کہ مارننگ واک کے لئے مجھ سے اٹھا نہیں جاتا تو ویٹ لوز کرنے کے لئے یہ واک اچھی ہے۔''
''اپنے ٹائپ کا ایک ہی کردار ہو تم۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے مسکرا دی۔
کلاس روم کے آخری کارنر پر لڑکیوں کا جمگھٹا سر جوڑے کچھ دیکھنے میں مگن تھا۔
''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' وہ ان کے سر پہ آن کھڑی ہوئی۔
''ثمرہ کی انگیج منٹ پکچرز۔'' سندس نے اس کے کان میں گھستے ہوئے اطلاع دی۔
''بڑا ہینڈسم ہے ثمرہ کا فیانسی۔'' رومانہ اسی جمگھٹے سے باہر نکلی تھی۔
''ثمرہ بھی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔'' مہرین نے اسے تپانے کی خاطر خوامخواہ میں ثمرہ کو

سراہا وہ جانتی تھی عینا کی اور اس کی ایک پل کے لئے بھی نہیں بنتی ٹیچرز تک عاجز تھیں، دونوں کی نوک جھونک پر۔

ثمرہ نے انہیں سینئر سمجھ کر کلاس روم کا پتہ پوچھا تھا حالانکہ یہ کوئی یونیورسٹی تو نہیں تھا جہاں کلاسز ڈھونڈنے میں کوئی دقت ہوتی پھر بھی عینا نے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے اسے سیڑھیوں کے دائیں جانب بنے ٹیچرز واش کا راستہ بتا دیا تھا۔

وہاں سے اچھی خاصی جھاڑ سننے کے بعد جب وہ واپس آئی تو اس سے معذرت کرتے ہوئے اپنے خلوص، دوستی اور تعاون کا بھرپور یقین دلاتے ہوئے پٹاخوں کی ایک لڑی تھما کر کہا تھا۔

''بس تمہیں انہیں چلا کر روسٹرم کے نیچے رکھنا ہے بعد میں میرا نام لگا دینا باقی میں سنبھال لوں گی۔'' ٹیچر الوینہ کا اس روز کلاس میں پہلا پیریڈ تھا اپنا تعارف کروانے کے لئے انہوں نے جیسے ہی لب کھولے پوری کلاس پٹاخ، پٹاخ کی آواز سے گونج رہی تھی۔

ٹیچر الوینہ اس اچانک افتاد پر اپنی ساڑھی سنبھالتے ہوئے جونہی اچھلیں ہائی ہیل پر ان کا پاؤں رپٹا اور وہ دھڑام سے نیچے۔

قہقہوں کی آوازیں ایک دم گہرے سکوت میں ڈھل چکی تھیں ثمرہ کی رنگت فق، کچھ دیر بعد پرنسپل کے آفس دونوں کی طلبی ہوئی تو عینا نے صاف مکرتے ہوئے کہا۔

''آپ کلاس سے آ کر پوچھ لیں ساری کلاس نے اسے روسٹرم کے نیچے پٹاخے رکھتے دیکھا تھا میں تو دوسری رو کے فرنٹ پر بیٹھتی ہوں۔'' اور ثمرہ اس دروغ گوئی پر حق دق سی کھڑی منمناتے ہوئے پرنسپل کی ڈانٹ سنتی رہی تھی۔

مس الوینہ سے ایکسکیوز کرنے کے بعد جب وہ کلاس میں آئی تو ہر کوئی استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے زیرلب مسکرا رہا تھا، بس وہی دن تھا دونوں کی دشمنی کے آغاز کا۔

☆☆☆

لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھی بظاہر وہ ٹی وی میں گم تھی لیکن اس کا خیال ثمرہ کی تصویروں میں الجھا ہوا تھا سب لڑکیاں کیسے اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں جیسے انگیج منٹ کی بجائے ہفت اقلیم کی دولت اس کے ہاتھ آ لگ گئی ہو اور وہ سب کے کمنٹس پر کیسے گردن اکڑائے بیٹھی بلش ہو رہی تھی۔

اس کا سیل بج رہا تھا لیکن اس کا آج اس رانگ کالرز سے بھی بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا اس نے پاورڈ آف کر کے قالین پر اچھال دیا۔

''کیا بات ہے عینا؟'' نائمہ بیگم اس کی خاموشی سے زیادہ بیزاری اور اکتاہٹ بھرے انداز کو نوٹ کیا تھا ورنہ وہ ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھی، ابھی کچھ دیر قبل عمر نے ریکٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے بیڈ منٹن کھیلنے کی آفر کروائی تو اس نے ''موڈ نہیں ہے'' کہہ کر منع کر دیا تھا۔

''مما میں چاہتی ہوں آپ میری شادی کر دیں۔''

''کیا؟'' وہ یوں اچھلیں جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''اتنا اوور ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ ان کے ماتھے کی شکنیں کو دیکھتے ہوئے خفگی سے بولی تو وہ اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے چلائیں۔

''دماغ درست ہے تمہارا؟''

''کیوں شادی کیا پاگل لوگ کرتے ہیں؟''
''کون ہے وہ؟'' اگلے ہی پل انہوں نے کڑے تیوروں سے دریافت کیا۔
''کون وہ؟'' وہ اچنبھے سے بولی۔
''جس نے تمہارے سر پہ شادی کا بھوت سوار کیا ہے۔''
''ایسی کوئی بات نہیں بس میں اس لائف سے فیڈ اپ ہو چکی ہوں کوئی بگ اینڈ گڈ چینج ہونا چاہیے۔''
''پہلے اپنی اسٹڈی تو کمپلیٹ کر لو۔'' وہ رسانیت سے بولیں۔
''مجھے اسٹڈی میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے آپ اس بات پر غور کریں جو میں نے آپ سے کہی ہے۔'' وہ فیصلہ صادر کرتی اٹھ کر اوپر چلی آئی، جبکہ پیچھے وہ سر پکڑ کر رہ گئی تھیں بھلا یہ کوئی کپڑوں جوتوں کی فرمائش تو نہیں تھی جو جھٹ پھٹ پوری کر دی جاتی۔

☆☆☆

''عینا یہ ایئر رنگز ڈائمنڈ کے ہیں۔'' آج پھر کلاس کی تمام تر توجہ اس کی جانب مبذول تھی لڑکیاں اس کے ڈائمنڈ ایئر رنگز لاکٹ اور سرخ یاقوت احمر سے مزین بریسلیٹ کو کافی پرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
Pendent میں چمکتا ہیرا سب کی نظروں کو خیرہ کیے دے رہا تھا۔
''عینا یہ زیور اتار کر بیگ میں رکھو کالج میں اس کی پرمیشن نہیں ہے۔'' ٹیچر انعم نے ڈپٹتے ہوئے کہا تو اس نے بیگ سے اسکارف اور گلویز نکال کر پہن لیے۔
''اب تو نظر نہیں آ رہا نا۔'' وہ ایسے ہی ہر کسی کو زچ کر کے رکھ دیتی تھی، کالج والے اسے ریسٹریکٹ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس کے فادر گوہر رحمان کالج کے سب سے بڑے ٹرسٹی تھے اپنی حیثیت کا اسے اچھی طرح سے ادارک تھا اور سب کی توجہ خود پر مرکوز رکھنے کی خاطر وہ ہمیشہ سے ایسی ہی اوٹ پٹانگ قسم کی حرکتیں کیا کرتی تھی۔
''تم بہت بدتمیزی لڑکی ہو۔'' سر جھٹکتے ہوئے انہوں نے ناگواری سے کہا تو وہ یوں مسکرائی جیسے مس ورلڈ کا خطاب مل گیا ہو۔
''تھینک یو میم۔''
''میں تمہاری تعریف نہیں کر رہی۔'' اس کا انداز مس انعم کو سرتاپا سلگا گیا تھا۔
''ہاں تو اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے جس طرح اچھے نمبرز خوبصورت ذہین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ویسے بدتمیز بھی ہوتے ہیں ان کے لئے ہی تو یہ لفظ بنا ہے ورنہ پھر آپ بدتمیز کس کو کہتی۔'' وہ باقاعدہ جرح پر اتر آئی تھی مس انعم لب بھینچے ہوئے روسٹرم پر رکھی کتاب کھول کر لیکچر کی سمت متوجہ ہو گئیں اور اس کے نیم وا لب سندس کی زوردار چٹکی پر باہم پیوست ہو کر رہ گئے تھے۔
''تم کیسے اتنا نڈر ہو کر بول لیتی ہو؟'' مہرین نے متاثر کن انداز میں پوچھا تو سندس نے اسے بھی زوردار دھپ رسید کی۔
''اسے بگاڑنے میں سب سے زیادہ تم دونوں کا ہاتھ ہے سرزنش کرنے کی بجائے یوں متاثر ہو رہی ہو جیسے وہ ٹیچر سے بدتمیزی کرنے کی بجائے ماؤنٹ ایورسٹ فتح کر کے آئی ہو۔'' وہ خاصی جلی بیٹھی تھی۔
''میں نے کیا کہا ہے۔'' خاموش بیٹھی رومانہ اس الزام پر تڑپ اٹھی، اس دوران عینا کا سیل فون بجنے لگا تھا۔
''ہش۔'' اس نے سب کو خاموش کروانے

کے بعد لیس کا بٹن پریس کرنے کے ساتھ ساتھ اسپیکر بھی آن کر دیا تھا۔

''عینا کہاں ہو تم، کل سے تمہارا سیل آف تھا اتنی ٹینشن ہو رہی تھی مجھے، ساری رات تمہیں کال کرتا رہا ہوں اب بھی ساری کلاسز بنک کر کے پھر سے تمہیں فون کر رہا ہوں۔'' وہ جو کوئی بھی تھا نان اسٹاپ شروع ہو چکا تھا۔

''اچھا میں تم سے کچھ دیر میں بات کرتی ہوں۔'' کال اینڈ کرنے کے بعد وہ اس کے جذباتی پن پر ہنستے ہوئے پیچھے گھاس پر لڑھک گئی تھی۔

''کون تھا یہ؟'' سندس نے گھورا تو وہ بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کرتے ہوئے بے نیازی سے شانے اچکا کر بولی۔

''ہوگا کوئی فرسٹ ائیر فول۔''

''اور تم اسے بیوقوف بنا رہی ہو، دیکھو عینا لڑکیوں کو ایسے مذاق نہیں کرنے چاہیے۔''

''بورنگ باتیں مت کرو، یہی تو عمر ہوتی ہے انجوائے منٹ کی پھر کل کو شادی، بچے، گھریلو مصروفیات کچھ تو ایسے ایڈونچرز ہونے چاہیے، جنہیں یاد کر کے ہم ڈھیر سارا خوش ہو سکیں۔''

''عورت کا کردار شفاف آئینے کی مانند ہوتا ہے مرد کو اگر اس آئینے پر ہلکی سی دھول بھی نظر آ جائے تو عورت اس کے دل سے اتر جاتی ہے، رہی خوشی کی بات تو وہ کسی کا دل توڑنے سے کبھی نہیں ملتی۔'' سندس اس کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

''میں نے کس کا دل توڑ دیا ہے۔'' وہ اتنے لمبے لیکچر پر بھڑک اٹھی تھی۔

''یہ لڑکا جو تمہاری وجہ سے رات بھر جاگتا رہا ہے صبح سے کالج میں کلاسز بنک کر کے بیٹھا ہے کچھ تو امیدیں دلائی ہوں گی نا تم نے اسے۔''

''پاگل تو نہیں ہوئی، تمہیں لگتا ہے وہ سچ بول رہا تھا ارے یار اس کچھ سمجھاؤ پتہ نہیں کس سیارے سے اتر کر اس دنیا میں آ گئی ہے یا پھر پوز کر رہی ہے۔'' اپنا سیل فون اور نوٹ بکس اٹھا کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی تھی مہرین اور رومانہ نے تاسف بھری نظروں سے سندس کو دیکھا تو وہ بے بس سے بڑبڑائی۔

''اس کا لہجہ جھوٹ نہیں لگتا۔''

☆☆☆

''عینا!'' وہ ٹیرس پہ کھڑی واک مین کان میں لگائے آئسکریم کھا رہی تھی جب عمر تن فن کر کے اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

''یہ کیا سن رہا ہوں میں؟'' اس کے تیور اچھے خاصے جارحانہ تھے۔

''کیا؟'' وہ متاثر ہوئے بغیر ابرو اچکا کر بولی۔

''تم شادی کرنا چاہتی ہو؟'' اس نے دانت پیستے ہوئے باور کروایا نائمہ بیگم نے گوہر رحمان سے بات کی تھی لیکن انہوں نے اس موضوع کو کچھ خاص درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔

''ابھی وہ کم عمر اور ناسمجھ ہے کم از کم چار سال تک تو میں ابھی اس متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اور وہ ان کے جواب پر گہری سوچ میں متفرق ہو چکی تھیں عینا نے واشگاف الفاظ میں دھمکی دی تھی کہ اگر جلد از جلد اس کی شادی نہیں ہوئی تو گھر چھوڑ کر چلی جائے گی اور وہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی سے اچھی طرح واقف تھیں پھر بھی آخری کوشش کے طور پر عمر کو اس کے پاس بھیجا تھا جس کے استفسار پر وہ سپاٹ نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''تو؟''

''عمر دیکھی ہے اپنی یو آر جسٹ سویٹین۔'' وہ بھنا اٹھا۔

''اٹس ناٹ یور پرابلم۔''

''عینا سمجھنے کی کوشش کرو مما بہت ڈسٹرب ہیں تمہاری اس بے تکی ضد پر۔''

''یہ میری ضد نہیں میرا شوق ہے اور ویسے بھی کبھی نہ کبھی تو مجھے شادی کرنی ہی ہے تو پھر جب اب میرا دل چاہ رہا ہے تو ابھی کیوں نہیں کر سکتی۔''

''تمہاری ضد ہو تمہارا شوق یا تمہارا دل چاہے پہلے تم اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرو گی پھر تمہاری شادی ہوگی کم از کم گریجویشن تو شرط ہے۔'' نائمہ بیگم کا ضبط جواب دے چکا تھا انہوں نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

☆☆☆

کچھ دن بعد ایگزیم تھے۔

اور وہ وصی شاہ کی پوئٹری، نور جہاں کے گیت اور ابن انشاء کے کالم پڑھتی رہی تھی۔

''عینا تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔'' سندس نے کئی بار ٹوکا مگر اسے پروا ہی کب تھی اسے تو فیل ہونا تھا وہ بھی انتہائی شاندار انڈوں کے ساتھ۔

اور اس کی مارکس شیٹ دیکھ کر گوہر رحمان پر سکتہ طاری ہو چکا تھا کولمبیا کے گولڈ میڈلسٹ کی اکلوتی بیٹی گیارہ سو میں سے ایک مارکس بھی حاصل نہیں کر سکی تھی انہوں نے بورڈ سے اس کے پیپر نکلوائے اور آنسر شیٹ پر درج۔

جے میں ہوندی ڈھولنا
سونے دی تو تیڑی

پڑھ کر ان کا صدمے دکھ اور طیش سے برا حال ہو چکا تھا گھر آ کر انہوں نے سارے پیپر اس کے منہ پر دے مارے تھے۔

''کیا ہے یہ سب؟'' عینا نے پہلی بار انہیں اتنے جلال میں دیکھا تھا، وہ تو خود بورڈ والوں کی بدذوقی اور کمینگی پر حیران تھی کیمسٹری کے پیپر میں آخر بغیر کسی ویزے اور ٹکٹ کے لندن، پیرس، نیویارک کی سیر کروائی تھی، اردو میں وصی شاہ کی نظمیں اور میتھ میں ملکہ ترنم کے گیت، آخر کوئی تو نمبر دیا ہوتا۔

''ڈیڈی وہ......'' اس نے ابھی لب کھولے ہی تھے کہ ایک زناٹے دار تھپڑ اسے دن میں تارے دکھا گیا تھا وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گری تھی، نائمہ بیگم اور عمر اپنی اپنی جگہ ششدر سے رہ گئے تھے۔

''کل سے تم دوبارہ فرسٹ ایئر کلاس میں بیٹھو گی۔'' فیصلہ سنا کر وہ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

رات بھر اس نے کچھ نہیں کھایا تھا صبح ناشتے کی میز پر بھی نہیں آئی تھی۔

''عینا کہاں ہے؟'' گوہر رحمان کو اپنے فرنٹ کی چیئر خالی نظر آئی تو سرسری سے انداز میں نائمہ بیگم سے استفسار کیا جبکہ اس کے رزلٹ کی وجہ سے وہ رات بھر ڈسٹرب رہے تھے، زندگی میں پہلی بار انہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی پر ہاتھ اٹھایا تھا اس کا دکھ تو تھا ہی۔

''اپنے بیڈ روم میں ہی ہوگی۔'' انہوں نے بھی اتنا ہی سرسری جواب دیا۔

''عمر جاؤ اسے بلا کر لاؤ۔'' ریسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے انہوں نے عمر کو اوپر بھیجا اور خود کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر انتظار کرنے لگے پانچ منٹ بعد فق چہرے کے ساتھ عمر سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک سفید لہراتا ہوا کاغذ تھا۔

''ڈیڈی وہ تو گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' عمر کے حواس اڑے ہوئے تھے۔

گوہر رحمان کو لگا جیسے ان کے سر پر کسی نے بم بلاسٹ کر دیا ہو ذہن انہیں اپنے مرکز سے ہٹتی

محسوس ہو رہی تھی، نائمہ بیگم سپاٹ نظروں سے باپ بیٹے کے متغیر چہرے دیکھ رہی تھیں اور آنکھوں سے آنسو گرتے جا رہے تھے۔

''اتنی صبح کہاں جا سکتی ہے وہ۔'' وہ لاؤنج کی سیڑھیاں اتر کر تقریباً بھاگتے ہوئے مین گیٹ تک آئے تھے گیٹ کیپر اپنی ڈیوٹی پر مستعد کھڑا تھا۔

نو بجے ان کی ایک اہم میٹنگ تھی لیکن اس وقت تو انہیں جیسے سب کچھ بھولا ہوا تھا پروا تھی تو صرف اپنی عزت کی کہ کس طرح اسے داؤ پر لگنے سے بچالیں۔

''تم نے عینا کو باہر جاتے دیکھا ہے؟''

''نہیں صاحب میں نے بی بی کو باہر جاتے نہیں دیکھا ہم صبح سے یہیں کھڑا ہے۔'' وہ ان کا پرانا وفادار ملازم تھا کم از کم ان سے تو جھوٹ نہیں بول سکتا تھا، پورچ میں گاڑیاں بھی دونوں کھڑی تھیں۔

''رات میں باہر گئی تھی تم نے دیکھا ہو۔'' اپنے ہی ملازم سے بات کرتے ہوئے ان کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا خان نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''اچھا بس زیادہ رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اپنے بیڈروم کی الماری کے پیچھے گھس کر بیٹھی وہ اسی ارجنٹ موبائل دوستی والے سے بات کر رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

''عینا دیکھو باہر کا موسم کتنا حسین اور دلفریب ہو رہا ہے اس برستی بارش میں سڑک کے کنارے کسی شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر کاش تم میرے ساتھ پانی پوری کھا رہی ہوتی۔''

☆☆☆

جیسے جیسے شام کے سائے ڈھل رہے تھے ان کی فکر و تشویش اور غم میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اس کی ساری فرینڈز کے گھر اسکول اور بہانے بہانے سے قریبی عزیزوں کے گھر بھی معلوم کر چکے تھے مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

عمر تو لاہور کے سارے پارک، لائبریریاں تک چھان آیا تھا اور اب وہ چھت، اسٹور روم اور عینا کے بیڈروم کا تفصیلی جائزہ کر رہا تھا۔

''کیا اس نے میرے تھپڑ کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے۔'' وہ کافی ملول اور دلگرفتہ لہجے میں بول رہے تھے نائمہ بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا اور بھیگے لہجے میں بولیں۔

''نہیں آج کل اس نے ایک نئی ضد پکڑی ہوئی ہے۔''

''کیسی ضد؟'' وہ یکدم ٹھٹکے۔

''شادی کی ضد، کچھ روز قبل کہہ رہی تھی کہ اگر ہم نے اس کی شادی نہیں کی تو وہ گھر سے بھاگ جائے گی۔''

''اور یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو؟'' ان کے ابرو تن گئے۔

''آپ سے ذکر تو کیا تھا۔'' وہ گھبرائیں کہ اب سارا الزام انہی کے کھاتے میں درج ہوگا۔

''احمق عورت۔''

''ڈیڈی، مما اوپر آئیں۔'' عمر ریلنگ پہ جھکا انہیں بلا رہا تھا وہ بات ادھوری چھوڑ کر اوپر عینا کے بیڈروم میں آئے تو عمر ان کا ہاتھ پکڑ کر سیف الماری کے پیچھے لے آیا، جہاں وہ سکڑی سمٹی سی دیوار سے ٹیک لگائے بے خبر پڑی سو رہی تھی انہوں نے اسے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور اس پہ کمبل اوڑھا کر ایک فیصلہ کرتے ہوئے اٹھ گئے۔

☆☆☆

اس کے لئے جو چند ایک پرپوزل موجود تھے انہی میں سے انہوں نے سیف علی کا انتخاب کر لیا تھا فی الحال صرف نکاح ہونا تھا، رخصتی دو سال بعد وہ نام سن کر ہی خوش تھی۔

''سیف علی خان جیسا ہی ڈیشنگ ہوگا اسے دیکھ کر کلاس کی لڑکیاں ثمرہ کے فیانسی کے گن گانا بھول جائیں گی۔'' دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے اس نے کلاس میں جب اپنے نکاح کی خبر نشر کی تو لڑکیوں کا جم غفیر اس کے گرد امنڈ آیا تھا، سب اصرار کر رہی تھیں کہ اپنے فیانسی کی فوٹو دکھاؤ اس نے کہہ دیا تھا کہ اب نکاح پکچرز میں ہی دیکھنا۔

''شادی کے بعد تم پیرس چلی جاؤ گی۔'' رومانہ نے حسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ظاہر ہے۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

''پیرس تو بہت خوبصورت ہے یار، تم بہت لکی ہو۔'' یہ مہرین تھی خوابوں کی دنیا میں رہنے والی، جو پیرس کو فلموں میں دیکھ کر ہی آہیں بھرا کرتی تھیں۔

''سیف علی خان کا تو اپنا بوتیک ہے ہر روز نیا سوٹ مزے آجائیں گے تمہارے۔'' رخشندہ نے آہ بھری۔

''اتنی بورنگ پڑھائی سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔'' سوینا نے منہ پھلاتے ہوئے کہا کیمسٹری کے فارمولے رٹنے سے جان جاتی تھی اس کی۔

''کاش یہ پڑھائی بھی پیار کی طرح ہوتی یارو، خود بخود ہو جاتی۔'' ہانیہ نے دونوں بازو پھیلا کر پیچھے گرنے کی ایکٹنگ کی تو ایک زبردست قہقہہ پڑا۔

کلاس نے مل کر اسے فیئر ویل پارٹی دی تھی اور تو اور ثمرہ نے بھی اپنی خود ساختہ ناراضگی کو ختم کرتے ہوئے اسے مبارکباد دی مس ثانیہ نے اپنے جوڑے پر لگائے جانے والے سارے پن واپس کیے تو وہ جی بھر کر حیران ہوئی، حالانکہ یہ کام وہ بڑے خفیہ طریقے سے کرتی رہی تھیں، اس میں عمر کا وہ قیمتی پن بھی تھا جس کے لیے وہ اس سے کتنا لڑا تھا۔

شام کو وہ مما کے ساتھ جا کر اپنا ویڈنگ ڈریس اور جیولری وغیرہ لے کر آئی تھی اور اب ڈنر کرنے کے بعد جب سو چکے تھے تو وہ اپنا لہنگا پہن کر سنگھار میز کے سامنے کھڑی خود کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی۔

جب سیل فون کی بیپ بجنے لگی دوسری جانب وہی تھا ارجنٹ موبائل دوستی، ایک بار اس نے یہ سروس یوز کی تھی اور اس کے بعد سے روز رانگ کالز آتی تھیں لیکن سوائے اس لڑکے کے اس نے کبھی کسی سے دو سے تین بار بات نہیں کی تھی۔

''ہیلو۔'' اس نے سیل فون کان سے لگایا۔

''آج میں بہت خوش ہوں عینا۔'' شوخ لہجے میں ہی گنگناہٹیں جھلک رہی تھیں۔

''کیوں؟'' وہ مترنم آواز میں بولی۔

''پانچ روز قبل تم سے چھ گھنٹے بات ہوئی تھی۔'' یہ اس روز کی بات تھی جب وہ الماری کے پیچھے چھپی ہوئی تھی اور اس نے وہ بے مقصد گھنٹے اس سے باتیں کرتے ہوئے گزارے تھے۔

''اور آج پانچ روز کی کشمکش کے بعد مجھ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے آئی لو یو۔'' وہ ایک جذبے کے عالم میں بول رہا تھا وہ کچھ پل سنتی رہی اور پھر اس کی کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے خفگی سے بولی۔

''اور میں کیا تم سے فلرٹ کر رہی ہوں۔''

''نہیں عینا مجھے یقین ہے تم ایسی لڑکی نہیں ہو یہ بھی سچ ہے کہ میں نے اس دوستی کی ابتداء محض یونہی دل لگی کی خاطر کی تھی لیکن اب میں بہت سیریس ہو چکا تھا۔'' اگلے پورے سترہ منٹ تک جب اس نے اپنا حال دل سنا کر فون بند کیا تو

ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی۔
''تم جیسے فلرٹ بازوں کو مجھے اچھی طرح سے ہینڈل کرنا آتا ہے۔''

☆☆☆

مصروفیت بھرے دن یوں پلک جھپکتے میں گزرے تھے نکاح کا دن اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت جلوہ گر ہوا دن کا فنکشن تھا ناشتے کے بعد وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر پارلر چلی گئی تھی وہاں سے جب واپس میرج ہال آئی تو کافی مہمان آچکے تھے، برائیڈل روم میں سندس اور مہرین اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔

''عینا تم نے تو کرینہ کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔'' ریڈ عروسی لہنگے میں اس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا، سب نے ہی انتہائی والہانہ انداز میں سراہا وہ خود بھی آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مبہوت سی کھڑی تھی فوٹوگرافر مختلف پوز میں اس کی تصویریں لے رہا تھا جب بارات کا شور اٹھا سب لوگ انٹرس کی جانب لپکے۔

''اللہ کرے دولہا بھائی بھی سیف جیسے ہی ہو۔'' مہرین نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تو سندس ہنسی۔

''کیوں تم نے دونوں کی فلم بنانی ہے۔''

لیکن عینا کا دھیان تو شیشے کے اس پار انٹرس پہ کھڑے دولہا کی جانب تھا، کریم کلر کی شیروانی میں اس کی سانولی رنگت بے حد واضح تھی، درمیانہ قد، واجبی سا نقشہ، ہیر اسٹائل بھی کچھ خاص نہیں تھا، رومانہ اور مہرین کی ساری شوخی بھک سے اڑگئی تھی اور اب دونوں خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے گم صم سی کھڑی تھیں، عینا نے اڑے اڑے حواسوں کے ساتھ انہیں دیکھا۔

''میں یہ شادی نہیں کروں گی۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔

''کیا؟'' تینوں کی چیخیں نکل گئیں، اتنے میں عمر اندر چلا آیا تھا۔

''کمرہ خالی کردو نکاح خواں آنے والے ہیں۔'' عینا کا حلق خشک ہو چکا تھا، ڈیڈ پر بھروسہ کرکے اس نے کتنی بڑی غلطی کردی تھی۔

''عمر پلیز کچھ کرو مجھے یہ شادی نہیں کرنی۔'' وہ اس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولی تو وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''علاج ہے تمہارا کتنا سمجھایا تھا لیکن تمہیں اپنے سوا بھلا کس کی پروا کیا ہوتی ہے۔''

''عمر کے بچے۔'' اس نے دانت پیسے۔

''یہ حساب کتاب کے کھاتے پھر کبھی کھول لینا فی الحال یہ سوچو کہ اس شادی کو کیسے ملتوی کیا جائے۔''

''اب کیا مسئلہ ہے؟'' وہ زچ ہوا تھا۔

''اس سڑے ہوئے بینگن سے شادی کرنے سے اچھا ہے کہ میں خودکشی کرلوں۔''

''تو پھر خودکشی ہی کرلو کیونکہ انکار کی صورت میں تو ڈیڈی ویسے ہی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' وہ مزے سے اسٹول پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

''اگر میں بےہوش ہونے کی ایکٹنگ کروں تو۔''

''تو میں تمہیں گدگدی کروں گا۔'' اس نے جملہ مکمل کردیا۔

''رومانہ کوئی ایسی چیز تلاش کرو جس کی ہلکی سی ضرب سر پر لگنے سے میں فی الحال سینس لیس ہوسکوں۔'' وہ خود بھی چاروں جانب نظریں گھما رہی تھی اور پھر اسے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا کرسٹل کا گلدان نظر آہی گیا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔''

''سوچ لو ضرب ذرا سی بھی کاری پڑ گئی تو

ویز اوپر کا بھی لگ سکتا ہے اور پھر دماغ کا معاملہ تو بہت نازک ہوتا ہے تم کومہ میں بھی جا سکتی ہو یا ہو سکتا ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد تمہاری یاداشت چلی جائے یا پھر تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھو۔'' عمر نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اتنے منفی پہلو دکھائے تھے کہ گھبراہٹ میں وہ اس کے ہاتھ سے ہی چھوٹ گیا تھا۔

''اب کیا کروں کلاس میں جو ڈینگیں مارنی تھی مار چکی ثمرہ کو جیلس کروانا تھا کروالیا لیکن اس بندے سے شادی کر کے میری تو زندگی کا کباڑا ہو جائے گا، ڈیڈی کو اس سے رشتہ جوڑتے ہوئے بھلا میں نظر نہیں آئی تھی۔'' وہ روہانسی ہو چکی تھی ویسے بھی اس کے ڈیڈی ایک آئیڈیل پرسنالٹی کے مالک تھے گریس فل، باوقار اور ویل ڈریسڈ۔

اس نے فطری طور پر سوچ لیا تھا کہ انہوں نے اپنے جیسا ہی کوئی شخص سلیکٹ کیا ہوگا۔

''اب دو ہفتوں کے ڈیمانڈ پر تو گوہر نایاب دریافت کرنے سے رہے ہم۔''

''مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھی اور پوری قوت کے ساتھ اپنا ماتھا شیشے سے ٹکرا دیا کانچ کی کرچیاں چیخ کر اس کے سر میں گھسی تھیں اور اب وہاں سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا، اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اگلے ہی پل وہ تیورا کر زمین پر گر گئی، یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ چاروں اپنی جگہ اچھل کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

دو دن ہاسپٹل میں گزارنے کے بعد وہ گھر آ چکی تھی لیکن عمر کے سوا کوئی بھی اس سے بات نہیں کر رہا تھا شام کے کھانے پر وہ ڈائننگ ہال میں آئی تو ڈیڈی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے

''نائمہ میرا کھانا کمرے میں بھجوا دینا۔''

''آپ کو کمرے میں جا کر کھانے کی ضرورت نہیں ہے میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہ کھٹ کھٹ سیڑھیاں چڑھتی اوپر ٹیرس پہ آن کھڑی ہوئی تھی۔

گوہر رحمان پہلے بھی اس سے خفا ہوتے تھے لیکن اتنی سنگدلی اور کٹھور پن اسے سوچ کر ہی رونا آنے لگا تھا عمر نے اس کے شانوں کے گرد بازو لپیٹ کر ساتھ لگا لیا۔

''اچھا پلیز اب رونا تو بند کرو دیکھو میں تمہارے لئے چاکلیٹ لایا ہوں۔'' لیکن وہ مزید زور و شور سے رونے لگی تھی۔

''چلو کہیں لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں تمہیں بوٹنگ کا بہت شوق ہے نا آج میں تمہارے ساتھ کشتی میں چلاؤں گا اگرچہ کافی احمق لگوں گا لیکن پھر بھی تمہاری خاطر یہ پاگل پن بھی کر کے دیکھیں گے اور تم سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس کے بعد میں تمہیں کہاں لے کر جانے والا ہوں فائیو اسٹار میں کینڈل لائٹ ڈنر اور یہ دیکھو میرے پاس عاطف اسلم کے کنسرٹ کے دو پاس بھی ہیں۔''

''آئی ایم ناٹ یور گرل فرینڈ۔'' وہ اپنی سرخ ناک سکیڑتے ہوئے بولی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''میں کچھ دیر کے لئے تصور کرلوں گا۔''

''عمر!'' وہ رونا بھول کر اب اسے گھورنے لگی تھی۔

''سوری۔'' اس نے جھٹ سے کان پکڑ لئے۔

''ڈیڈی مجھ سے خفا ہیں اور ممی بھی مجھ سے بات نہیں کرتی۔''

''جو تم نے کیا ہے اس کے بعد تو حق بنتا

ہے ان کا برتھ ڈے ہے ڈونٹ وری ہم انہیں منالیں گے دو روز بعد ان کی برتھ ڈے ہے میں تمہیں کالج سے پک کرنے آؤں گا تو کچھ سرپرائزنگ سا اہتمام کریں گے۔'' تجویز اچھی تھی وہ فوراً متفق ہوگئی، لیکن جب دو روز کے بعد پرنسپل کے آفس ہاف لیو لینے گئی تو انہوں نے صاف معذرت کرلی۔

''سوری بیٹا آپ کے ڈیڈ کی جانب سے پرمیشن نہیں ہے۔'' لیکن وہ بھی عینا تھی چھٹی ملے نہ ملے اسے گھر تو جانا ہی تھا اگلے دس منٹ میں تمام اسٹوڈنٹس، ٹیچرز، پرنسپل سمیت روڈ پر کھڑے تھے بس ان میں وہ واحد تھی جو بیگ کے ساتھ بھاگی تھی۔

''یہ سکول کے باہر رش کیسا ہے؟'' عمر نے حیرت سے پوچھا۔

''پہلے گاڑی اسٹارٹ کرو پھر بتاتی ہوں۔'' اس کا سانس پھولا ہوا تھا عمر نے جلدی سے وائٹ ہینڈا سوک اسٹارٹ کی اور یوٹرن لینے کے بعد ایک بار پھر سے سوالیہ نظروں کے ساتھ اسے دیکھا، جو منرل واٹر کی بوتل منہ سے لگائے اب کافی ریلیکس ہوکر بیٹھی تھی۔

''چھٹی نہیں مل رہی تھی میں نے کلاس کا پنکھا ہلا کر شور مچا دیا کہ زلزلہ آگیا ہے بس کسی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔'' بات کے اختتام تک اس کی مسکراہٹ قہقہے میں ڈھل چکی تھی عمر جو اس سے بوتل لے کر پانی پی رہا تھا ایسا اچھو لگا بیچارے کی ساری شرٹ گیلی ہو گئی۔

''عینا تم نے سچ میں ایسا کیا ہے۔''

''ہاں۔'' وہ ٹشو سے اب اس کی شرٹ صاف کررہی تھی۔

''او مائی گاڈ۔'' کالج کے احمقانہ پن پر اب اسے بھی ہنسی آرہی تھی۔

راستے میں رک کر دونوں نے بوہر. کینڈل، پھول اور دوسرا ڈیکوریشن کا سامان خریدا تھا می آج گھر میں نہیں تھیں ڈیڈ اپنے آفس میں تھے ان دونوں کے پاس اپنی تیاری کے لئے کافی وقت تھا۔

☆☆☆

گوہر رحمان صاحب کافی خراب موڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے لیکن جونہی لاؤنج میں قدم رکھا سماں ہی بدل گیا۔

پھولوں کی بارش بلونز، سنہری لڑیوں اور کاغذی پھولوں سے سجا لاؤنج بڑی بڑی کینڈلز، سینٹرل ٹیبل پر رکھا کیک، پیانوں کی مترنم دھن اور سماعتوں سے ٹکراتی عینا کی آواز۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیر سویٹ ڈیڈ۔'' وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی تھی اتنے خوشگوار ماحول میں انہیں اپنا غصہ سائیڈ پر رکھنا پڑ گیا تھا نائمہ بیگم بھی آج ان کی فیورٹ ساڑھی زیب تن کیے کافی دل سے تیار ہوئی تھیں، کھانے کے میز پر آج ساری ان کی فیورٹ ڈشز تھیں اور وہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے اپنی فیملی کے بیچ کھڑے بچوں کی مانند کیک کاٹ رہے تھے عینا نے برتھ ڈے کیپ بھی ان کے سر پہ رکھی ہوئی تھی۔

''ایم سوری ڈیڈ۔'' کیک کھانے کے بعد متوقع غنیمت جانتے ہوئے اس نے معذرت بھی کرلی تھی لیکن ان کے آبرو تن گئے۔

''معذرت اس بات پر کی جاتی ہے جسے ہم ریپٹ نہیں کرتے آج کالج میں جو کیا آپ نے مجھے اس کی اطلاع مل چکی ہے۔''

''ایک تو ڈیڈ کے باوثوق ذرائع اتنی جلدی تو جیو والے بھی خبر نشر نہیں کرتے ہونگے۔'' وہ دل میں جل کر رہ گئی تھی لیکن ڈیڈی کے سامنے معصوم بننا بھی ضروری تھا۔

"سوری ڈیڈ۔"

"عینا اب میں مزید تمہاری کسی حماقت کا متحمل نہیں ہوسکتا تم کوئی بچی نہیں رہی اپنے اندر تھوڑی سی میچورٹی لاؤ اور یہ فضول حرکتیں چھوڑ دو کل کو اپنے سسرال جاؤ گی وہاں کون برداشت کرے گا یہ سب، یا پھر تم تمام عمر ہمارا سر جھکائے ہی رکھو گی۔"

"ڈیڈ پلیز ایسا تو مت کہیں آئی پرامس اب کبھی آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔" ان کی آخری بات پر اس نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا اور پھر ان کے گلے سے لگ گئی تھی انہوں نے بھی فوراً معاف کردیا تھا۔

☆☆☆

"عینا کہاں تھی تم، اتنے دن تمہارا نمبر آف رہا میں کتنا اداس ہو گیا تھا۔" فری پیریڈ تھا اس نے لان میں آکر سیل فون آن کیا تو فوراً اس کی کال آگئی۔

"ہاں بس میں بیمار تھی۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"کیا ہوا تھا؟" وہ بے چین ہوا تھا۔

"ٹمپریچر تھا۔"

"ضرور تم نے ٹھنڈ میں آئسکریم کھائی ہوگی یا پھر بارش میں بھیگی ہوگی۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا۔" حالانکہ ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا تھا پھر بھی اس نے مزے سے اس کے اندازے کی تعریف کر دی تھی۔

"بس میں جانتا ہوں تمہیں۔" وہ خفگی سے بولا۔

"اچھا کتنا جانتے ہو مجھے؟" اس نے ایک آنکھ بند کرتے ہوئے پاس بیٹھی سندس کو دیکھا جو اشارے سے فون بند کرنے پر اصرار کر رہی تھی۔

ایف ایس سی میں خلاف توقع اس نے سیکنڈ ڈویژن لی تھی رومانہ نے پڑھائی چھوڑ دی تھی اور مہرین شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ دبئی جاچکی تھی۔

"بس اتنا جانتا ہوں کہ تم میری ہو۔" وہ اتنے وثوق سے بولا کہ عینا نے سٹپٹا کر کال ڈس کنیکٹ کردی۔

"تم ابھی بھی اس سے بات کرتی ہو۔" حسب معمول اس نے گھورا تھا۔

"تم نے کیمسٹری کے نوٹس بنا لیے۔" اس نے جواباً بات بدل دی۔

"ہاں اور تم نے۔" اس نے الٹا سوال پوچھا۔

"میں تم سے کاپی کروالوں گی فی الحال تو آڈیٹوریم جارہی ہوں مجھے انارکلی کی ریہرسل بھی کرنی ہے۔" ایک ہفتے بعد کالج میں یوتھ فیسٹول تھا، جس کی تیاریاں چل رہی تھیں اور ایک ہفتے بعد اسٹیج پر بیٹھے چیف گیسٹ کو دیکھ کر لڑکیوں نے انگلیاں منہ میں ڈال لی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے اپالو دیکھ لیا ہو، عینا کو اتنی ریہرسل کے باوجود اپنے ڈائیلاگ بھول رہے تھے، گھر آکر بھی وہ بہت ڈسٹرب رہی تھی، عجیب جادوگر تھا ایک نظر میں ہی سحر طاری کر گیا تھا، کتنے دنوں وہ یونہی بیزار بیزار سی رہی تھی عمر کہہ رہا تھا۔

"میں نے تم سے زیادہ موڈی لڑکی نہیں دیکھی ڈیڈی مجھے مجبور کر رہے ہیں میں اکیلا جاکر بور ہو جاؤں گا۔" ڈیڈی کے کسی بزنس فرینڈ کی گھریلو تقریب تھی وہ عمر کو لے جانا چاہتے تھے کہ آگے چل کر عمر کو ہی سارا بزنس سنبھالنا تھا لیکن عمر کی ضد تھی کہ عینا بھی ساتھ چلے، اس کا موڈ نہیں تھا لیکن جب وہ ایموشنل بلیک میلنگ پر اتر آیا تو اسے اٹھنا ہی پڑا تھا۔

☆☆☆

باتھ لینے کے بعد وہ اپنی وارڈ روب کے سامنے کھڑی تھی مختلف ملبوسات کا جائزہ لے رہی تھی ممی نے سارے اوٹ پٹانگ فیشن والے ڈریسز نکال کر کام والی کو دے دیئے تھے، تھک ہار کر اس نے لائیٹ فیروزی رنگ کا شلوار سوٹ جس پر سلور گرے کڑھائی اور موتیوں کا کام بنا ہوا تھا نکال لیا۔

جب سے نکاح کے روز والا حادثہ پیش آیا تھا اور وہ ڈیڈ کے سامنے شرمندہ ہوئی تھی مما کو بھی گویا اس پہ رعب جمانے کا موقع مل گیا تھا، اٹھتے بیٹھتے ہی بڑبڑائے جاتیں۔

''مجھے تو اب عینا تمہاری فکر رہنے لگی ہے جس لڑکی کی بارات واپس جا چکی ہو کون کرے گا اس سے شادی، ایک عیب تو لگ گیا نا۔'' اور اب شلوار سوٹ کے ساتھ دوپٹہ اوڑھنے کی بھی سختی سے ہدایت تھی، تیار ہو کر نیچے آئی تو عمر اور ڈیڈ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

''چلیں۔'' وہ پاس آ کر بولی تو دونوں اٹھ کھڑے ہوئے، مما راستہ بھر اسے نصیحت کرتے ہوئے آئی تھیں۔

''دوپٹہ اچھی طرح سے اوڑھنا۔''

''زیادہ پٹر پٹر مت بولنا۔''

''سلیقے سے رہنا اور زیادہ مت ہنسنا۔''

''مما آپ کی پرابلم کیا ہے۔'' وہ جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔

''ایسی ہی تقریبات میں خواتین اپنی بہوئیں پسند کرتی ہیں اللہ کرے کوئی اچھا سا پرپوزل تمہارے لئے بھی آ جائے۔''

''اونہوں۔'' وہ سر جھٹک کر باہر جھانکنے لگی۔

تقریب کا اہتمام لان میں تھا ویسے کا فنکشن تھا اس لئے زیادہ گیدرنگ نہیں تھی یا پھر شاید ابھی دولہن والوں کے مہمان نہیں آئے تھے پھولوں سے سجے اسٹیج پر دولہا، دلہن اپنی فیملی کے ساتھ فوٹو شوٹ کروا رہے تھے۔

مما اور ڈیڈ ملنے ملانے میں مصروف ہو چکے تھے وہ اور عمر ایک ٹیبل پر آ بیٹھے۔

''عینا پرسوں ہمارا ٹرپ مری جا رہا ہے۔'' عمر نے یاد آنے پر اطلاع دی، ویسے بھی وہ اسے کالج کی ساری باتیں سنایا کرتا تھا۔

''چھوڑو یار، تمہیں کیا کرنا ہے وہاں جا کر ابھی لاسٹ چھٹیوں میں مری، کاغان، ناران اور شوگران تک گھوم کر آئے ہو۔''

''ہاں لیکن تب سنو فال نہیں ہو رہا تھا ویسے بھی فرینڈ کے ساتھ جانے کا اپنا ہی مزہ ہے میں تو کہتا ہوں تم بھی چلو بہت انجوائے منٹ ہو گی حرمت اور ردا بھی تمہیں مس کر رہی تھیں۔'' اضافے کے طور پر اس نے اپنی کلاس میٹ کے نام بھی لے دیئے۔

''اچھا دیکھوں گی۔'' ممی ایک خاتون کے ساتھ اسی جانب آ رہی تھیں۔

''یہ میری بیٹی ہے عنبرین اور یہ عمر۔'' مما ان کا تعارف کروا رہی تھیں دونوں نے اٹھ کر مصافحہ کیا تو اس کی نظر دور کھڑے اس اپالو سے جا ٹکرائی، دھڑکنوں کا شور یک لخت ہی بڑھ گیا تھا، وہ خاتون ان کی ٹیبل پر ہی بیٹھ چکی تھیں اور عینا کی نظریں اس کی تلاش میں سرگراں جانے ایک لمحے میں کہاں غائب ہو گیا تھا۔

''شہریار کو بھی ادھر ہی بلا لیں۔'' مما ان خاتون سے کہہ رہی تھیں انہوں نے سر ہلا کر سیل فون سے میسج کیا تو کچھ دیر میں ہی وہ ان کی ٹیبل کی سمت چلا آیا تھا۔

''جی مما۔'' خاتون نے دونوں کا تعارف

کروایا رسمی علیک سلیک ہوئی اور وہ ان کی ٹیبل پر ہی بیٹھ گیا عمر اور وہ بزنس کی باتوں میں مشغول ہو چکے تھے۔

اپنی دیو مالائی شخصیت کی طرح اس کا ہجر بھی کس قدر سحر انگیز تھا، نظریں بھٹک بھٹک کہ اس کا طواف چاہتی تھیں لیکن وہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دل پہ جبر کیے بیٹھی رہی۔

وہ جتنا ڈیشنٹ، مہذب اور تہذیب یافتہ تھا یقیناً اس کا تصوراتی پیکر بھی اتنا ہی باوقار، خوش رو اور آئیڈیل لڑکی کی ڈیمانڈ کرتا ہوگا۔

''آپ کیوں اتنی خاموش ہیں۔'' اچانک ہی وہ اس سے مخاطب ہوا تھا، وہ گھبرا اٹھی یوں لگا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو یا پھر اس کا رعب حسن تھا کہ اس جیسی اوور کانفیڈینٹ لڑکی کو بھی اپنا سارا اعتماد بھک سے اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

''یہ تو بالکل سوشل نہیں ہے اور عمر کے سوا تو آج تک اس نے کبھی کسی لڑکے سے بات چیت وغیرہ نہیں کی تعلیم کے سلسلے میں بھی ہم نے اس کے لئے گرلز کالج کا ہی انتخاب کیا تھا۔'' مما فوراً بیچ میں کود ی تھیں۔

اس کی نظر ایسے ہی شہریار کی جانب اٹھی وہ بڑی گہرائی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، عینا کی پلکیں لرز کر عارضوں پہ آن گری، البتہ شہریار کی ممی نے کافی توصیفی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اچھی بات ہے ورنہ ماڈرن ازم کے نام پر آج کل کی لڑکیاں جس قدر بے راہ روی کا شکار ہیں مجھے تو یہ سب نہیں پسند ہمارا مذہب بھی یوں آزادانہ میل جول کی اجازت نہیں دیتا۔'' گفتگو کا رخ اب کسی اور طرف مڑ چکا تھا۔

کچھ دیر میں ڈیڈی بھی ایک سوبر اور گریس فل شخصیت کے ہمراہ آ گئے جو کہ شہریار کے ڈیڈی تھے اس کے بعد ڈنر کافی خوشگوار ماحول میں کیا گیا تھا، جانے سے قبل فون نمبرز کے تبادلے بھی ہو گئے، ان خاتون کے ساتھ مما کی اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

ایک ہفتے بعد اس کے لئے شہریار کا پرپوزل آ گیا مما کی تو خواہش پوری ہوئی تھی عمر بھی بہت خوش تھا ڈیڈی کو بھی کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا سو کچھ دن گھر میں یہ معاملہ زیر بحث رہا اور پھر ڈیڈی نے اس کی رضامندی جان کر باقاعدہ طور پر ہاں کر دی تھی۔

☆☆☆

ایگزیم سے فارغ ہوتے ہی گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، ابھی بھی وہ شاپنگ کر کے لوٹی تھی جب عمر کو لان میں بیٹھا دیکھ کر اس جانب چلی آئی، وہ فون پر شہریار سے بات کر رہا تھا۔

''بات کرو گی؟'' اس نے اشارے سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر اورنج جوس کے سپ لینے لگی اس کا خیال تھا وہ جتنا ریزروڈ رہے گی شہریار اتنی ہی اس کی ریسپکٹ کرے گا۔

''لگتا ہے ڈیڈی کو کنگال کر کے تم اس گھر سے جاؤ گی۔'' فون بند کرنے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا اشارہ ڈھیر سارے شاپنگ بیگز کی جانب تھا۔

''ہاں تم تمہیں اکیلے اکیلے سب ہڑپ کرنے تھوڑی دوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے اپنی شاپنگ دکھانے لگی تھی اور اس کے جانے کے بعد وہ دوبارہ سے سب سمیٹ کر بیگز میں ٹھونس رہی تھی جب سیل فون بج اٹھا۔

''ارجنٹ موبائل دوستی۔'' نمبر پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

''آج اس سے تو جان چھڑانی پڑے گی۔''

کچھ سوچتے ہوئے اس نے سیل فون کان سے لگا لیا تھا۔
''کیسی ہو عینا؟'' اس کا خوبصورت گمبھیر لہجہ سماعتوں سے ٹکرایا۔
''بہت خوبصورت ہوں۔'' وہ بیزاری سے بولی۔
''ہاں وہ تو تم ہو ہی۔'' اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
''تم نے کہاں دیکھا؟'' وہ ٹھٹکی۔
''کتاب دل میں ڈھیر سارے ورق ہیں اور ہر صفحے پر محبت نے اپنے تخیل سے تمہارے نقوش تراش رکھے ہیں کبھی سوچتا ہوں عینا ایسی ہوگی کبھی سوچتا ہو ویسی ہوگی۔''
''اچھا۔'' اس نے بے اختیار گہرا سانس بھرا۔
''میرے ایم بی اے کے ایگزیم ہو چکے ہیں اور میں نے ڈیڈ کا آفس بھی جوائن کرلیا ہے مجھے لگتا ہے اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس محبت کو کسی مقدس رشتے میں باندھ لیں تم مجھے اپنا ایڈریس دو مما اور ڈیڈی سے بات کر چکا ہوں وہ ایک دو روز میں آئیں گے تمہیں مانگنے۔'' اس کے سنجیدہ لیکن شوخ لہجے میں کہی بات پھر وہ ایک پل کے لئے ساکت سی رہ گئی تھی۔
''فکر مت کرو لڑکیاں کہتی ہیں میں بہت ہینڈسم ہوں تمہیں ضرور پسند آجاؤں گا۔'' وہ اس کی خاموشی کو حیا سمجھ کر چھیڑنے لگا۔
''مجھے تمہیں یہی بتانا تھا کہ میرے والدین میرا رشتہ طے کر چکے ہیں ایک ہفتے بعد میری شادی ہے۔'' زیرلب مسکراتے ہوئے اس نے دوسری جانب گزرنے والی قیامت کا بھرپور حظ اٹھایا لیکن لہجہ یوں تھا جیسے بہت دکھ سے بول رہی ہو۔
''عینا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' اس کی آواز جیسے پاتال سے آئی تھی۔
''میں نے بہت کوشش کی کافی عرصے سے سب کو منا رہی ہوں، لیکن کوئی میری بات نہیں مان رہا الٹا جب مما نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو مجھے اپنی محبت کی قربانی دینی پڑی، تم تو جانتے ہو ہم لڑکیاں کتنی مجبور ہوتی ہیں ورنہ تمہارے بغیر میں بھی کبھی خوش نہیں رہ پاؤں گی۔''
''عینا مجھے ایک کوشش تو کرنے دو۔'' اس کا لہجہ بھیگ چکا تھا۔
''اب کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ دلگرفتی سے بولی۔
''ایک آخری بات مانو گی۔'' وہ بڑی یاس سے پوچھ رہا تھا اور شاید رو بھی رہا تھا، عینا نے لب کاٹتے ہوئے ہاں کردی۔
پہلی بار اسے اس پر بے پناہ ترس آیا تھا اس کی دلگرفتگی کسی کے لئے دل کا روگ بن گئی تھی۔
وہ اس سے اس کی تصویر مانگ رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کتاب دل کے سارے نقش ادھورے ہیں اور کچھ نہیں تو محبت کی یہ ادھوری تصویر مکمل کر دو اور اس نے جلدی میں اسے سندس کی تصویر سینڈ کردی تھی یہ سوچے بنا کہ اس کی یہ حرکت کسی کے لئے اذیت کا باعث بنے گی اور اب سندس اسے کہہ رہی تھی۔
''تم جانتی ہو وہ میں نہیں تھی اور یہ بھی تمہیں پتہ ہے کہ وہ کون تھی اب تم گواہی دو عنبرین میرے کردار کی گواہی دو۔'' سندس اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔
''اگر اس نے مجھ پہ طلاق کا داغ لگا دیا تو میری بیمار ماں اس صدمے سے مرجائے گی میری ماں کو بچالو عنبرین، میرے گھر کو ٹوٹنے سے بچالو

میرے کردار پہ لگے یہ چھینٹے تمہیں دھونے ہی پڑیں گے تمہیں گواہی دینی ہوگی۔" سندس اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی اور اسے اپنا وجود گہرے پاتال میں اترتا محسوس ہو رہا تھا، ایک ذرا سی وقتی انجوائے منٹ اسے کس ذلت آمیز مقام پہ لے آئی تھی، اگر وہ لب کھولتی تھی تو اس کا اپنا آشیانہ بکھر جاتا تھا اور اگر مہر بہ لب رہتی تو اس کی دوست اجڑ جاتی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی دونوں نے چونک کر سر اٹھایا، سالار اندر داخل ہو رہا تھا سندس کو دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو چکی تھی وہ آنسو بھری ملتجی نظروں سے عنبرین کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر باہر چلی گئی تھی اور وہ جیسے پل صراط پر آن کھڑی ہوئی۔

آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ لڑکیوں کو کس قدر محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے لب کانپ رہے تھے۔

شہریار سے دستبرداری کا کٹھن مرحلہ جیسے اس کی رگوں سے خون نچوڑ رہا تھا۔

"یا خدا کچھ ایسا کر دے کہ ہم دونوں کا بھرم رہ جائے۔" وہ دل میں دعا گو تھی۔

"اگر آپ سندس کی حمایت میں کچھ کہنا چاہتی ہیں تو میں اس معاملے میں ایک لفظ نہیں سنوں گا آپ نہیں جانتی اس نے میرے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا ہے۔" سالار نے اس کے نیم وا لبوں کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔

"وہ سندس ہے اور عینا میں ہوں۔" بالآخر اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سچ بولے گی چاہے اس میں اس کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے، جبکہ اس انکشاف پر سالار پورے کا پورا اس کی سمت گھوم گیا تھا اور پھر اپنے اور اس کے مابین رشتے کی نوعیت کے باعث وہ اپنی نظریں جھکا گیا۔

"پھر وہ تصویر؟" اس نے یونہی نظریں جھکائے جھکائے ہی استفسار کیا تھا۔

"جلدی میں غلطی سے سینڈ ہو گئی تھی اور اس کے بعد میں نے سم نکال کر پھینک دی تھی۔" وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"بہر حال جو بھی ہوا اب شہریار کی نسبت سے آپ میرے لئے قابل احترام ہیں، بھول جائیں کہ کبھی آپ مجھے جانتی تھیں۔" وہ کہہ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

"اور سندس۔" وہ اس کے عقب میں آ کر بولی۔

"وہ میرا مسئلہ ہے میں اسے میں منا لوں گا۔" وہ لب کاٹتے ہوئے پشیمانی سے بولا تو وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر آنسو ضبط کرتی کمرے سے باہر نکل آئی اور مشکور نظروں سے اوپر آسمان کی جانب دیکھا سندس کی عزت کی خاطر اس نے سچی گواہی دی تھی اور اللہ نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا سالار یہی سمجھ رہا تھا کہ اس نے گھر والوں کی مرضی سے شہریار سے شادی کی تھی اور اسے کوئی دھوکہ نہیں دیا تھا، ورنہ سندس ٹھیک کہتی تھی۔

کہ عورت کا کردار شفاف آئینے کی مانند ہوتا ہے مرد کو اگر اس آئینے پہ ہلکی سی بھی دھول نظر آ جائے تو وہ اس کے دل سے اتر جاتی ہے اور دل سے اتری ہوئی عورت سے مرد کبھی محبت نہیں کرتا۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

انیسویں قسط کا خلاصہ

علی گوہر کا باپ میلے میں تلاشنے نکل جاتا ہے۔
علی گوہر کو ایک عورت ملتی ہے جو اپنے خدشے کے تحت اسے فوری طور پہ رش سے نکل جانے کا مشورہ دیتی ہے۔
امر کلہ بستی کی بچیوں کے لئے پڑھائی کا سلسلہ شروع کرتی ہے، وہ سادھنا کی حساسیت کو لے کر بہت پریشان ہے۔
امرت بورڈ کی نوکری چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔
واپسی پر حنان کی فیملی کی صورت ایک تماشہ اس کے گھر پہ لگا ہوا ہوتا ہے، عمارہ اس کے ساتھ نکلتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بیسویں قسط
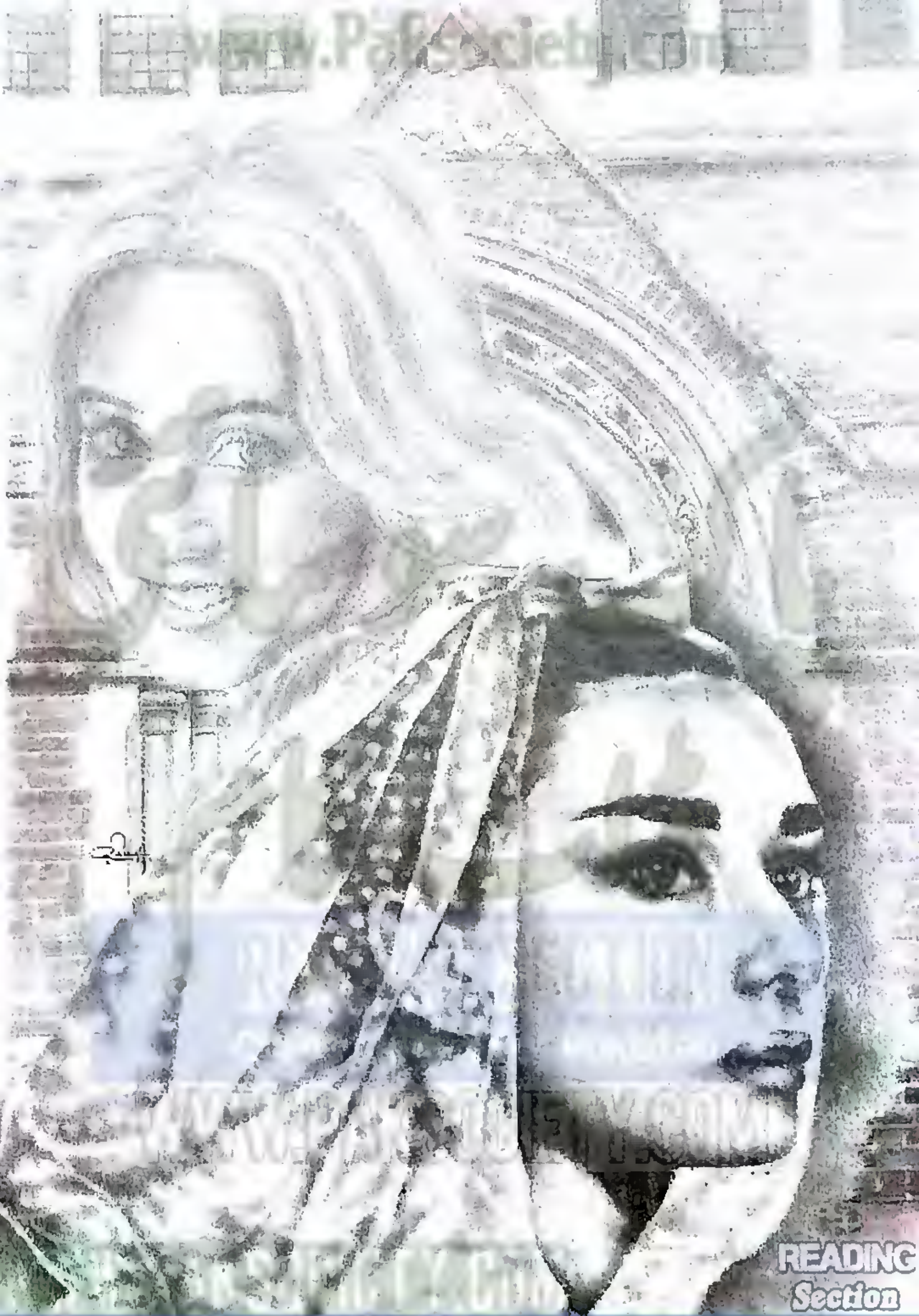
اس نے اپنی آنکھوں کے پانی کو بے بسی سے بہنے دیا، اسے خود پر رحم آیا، جب اس نے ادھڑے پلستر والی اکھڑی ناراض کھڑی دیوار پہ پھٹا پوسٹر دیکھا، اسے خود پر رحم آیا، ایک سیاہ تختہ جو اس نے اپنے چار دن کی کمائی سے خریدا تھا، اسے فرش پر اوندھے منہ گرتے ناراض بچے کی طرح بلکتے ہوئے پایا تو اسے خود پر رحم آیا، ویسے ہی اس نے تختے کی پشت پر ہاتھ پھیرا جیسے ماں ناراض بچے کی پشت سہلاتی ہے اور بچہ قرار محسوس کرتے ہوئے بھی کروٹ نہیں بدلتا، ماں سے لپٹتا نہیں، سویا رہتا ہے، سیاہ تختہ اسی طرح الٹا تھا، جیسے تختہ نہیں تخت الٹایا جاتا ہے، کسی کو تخت سے گرا دیا جاتا ہے۔

اس نے تختے کو پورے قد کے ساتھ اٹھا کر ساتھ لگا لیا، جیسے جوان ہوتے بچے کو ماں ساتھ لپٹاتی ہے، اس کی صورت کے بدلتے نقوش کے تاثر کو جانچتی ہے اور جانچ کر ڈر جاتی ہے اس نے بلیک بورڈ پر لکھے حروفوں سے ایسے آنکھیں چرائی تھیں، جیسے ماں بچے کی خواہش پوری نہ کر سکے پر چراتی ہے اس نے تختے کو دیوار سے لگایا۔

کچھ دیر پہلے اس کی ماں نے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے تختے پر پاؤں مارے تھے، مار کر گزر گئی تھی، غصے سے بڑبڑاتی اور پھر چیخنی، دنیا کے ہر اس کام میں اس کی ماں نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، جس کام سے امرکلہ کی شخصیت کے دل کے دماغ کے، امیدوں کے پرنچے اڑ جاتے تھے۔

وہ چار دن اس کلاس کو چلا سکی، چار دن، ابھی جا کہ بچیوں کو یقین آنا شروع ہوا تھا، ابھی جا کہ وہ ان کو کچھ کر دکھانے کے جذبے کے احساس سے ملا رہی تھی، ابھی تو ملاقات باقی تھی۔

چار دن بچیاں کھیت اور فیکٹری میں کام کرنے نہ جا سکیں اور بچیوں کے ماں باپ نے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔

اکلوتے کمرے جس کا کرایہ اس نے کتنی مشکلوں سے دیا تھا سیاہ تختہ خریدنے کی پاداش میں اس نے پورا دن کچھ نہ کھایا ایک سفید کاغذ جس کو کچھ رنگین پھٹے پرانے کاغذوں کے ساتھ جوڑ کر انہوں نے رنگین پوسٹر بنایا تھا۔

وہ ادھڑا، اسی دیوار کا کاغذی نقشہ معلوم ہو رہا تھا اور کچھ توڑنے کو نہ تھا، چار چھ سلیٹیں تو تین تختیاں، چار کاپیاں، دو کتابیں، اٹھا اٹھا کر پھاڑ کر پورے کمرے میں پھیلا دیں تھیں۔

سیاہ تختے کو زمین پر گرایا اور پھٹے ہوئے قالین کو اٹھا کر ایک کونے میں پھینک دیا جواب سہا ہوا خود چھپائے ڈر سے منہ چھپائے تھا۔

اس کا احساس ہر اک چیز پر چڑھ کر بولنے لگا، وہ زمین پر بیٹھی اور گھٹنوں پر سر رکھ لیا، دھوپ کی گرمی میں کام کرنے کی وجہ سے جو پہلے سے شل تھا، ماؤف تھا، تھکا ہوا اور بجھا ہوا تھا۔

مزید کارروائی ملاحظہ کر کے ڈھے گیا، جیسے تھک گیا، دو لمحے کے لئے طاقت کسی پرندے کی طرح اڑی تھی اور اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''امرت کام کرنا بہت مشکل ہے، بہت مشکل۔'' اسے وہی یاد آئی جس کا یاد کرنا بنتا تھا۔

''امرت! مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے، مجھے تم بہت یاد آتی ہو، انسان مصیبت میں اسی کو یاد کرتا ہے جو مصیبت میں کام آچکا ہوتا ہے، جو آپ کی مصیبت کو خوشی خوشی کسی تاج کی طرح سر پہ اٹھا لیتا ہے، امرت میں نے کیا کھویا، تمہیں کھویا، ہیرے جیسی ساتھی کو، سونے جیسی دوست کو، امرت میں نے کیا کھویا، سب کھو دیا۔'' ھالار کا خفا چہرہ اور علی گوہر کے چہرے پر سجا روگ، امرت کی شکایت، فنکار کی شفقت۔

پروفیسر غفور کی محبت پیار، اعتبار جسے چھوڑ کر وہ نکلی تھی، اس نے سوچا، وہ بھول بھلیوں کے رستوں سے بھاگ رہی ہے جگہ سے جگہ سے فرار اور ہر بار وہ وہیں پہ آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔

وہ ٹرائی اینگل میں چکر کاٹ رہی تھی، یا مستطیل کا چکر لگا رہی تھی، یا گولائی میں گھوم رہی تھی وہ بار بار آکر ٹھہر جاتی تھی، وہ پھر سے صفر پہ کھڑی تھی، ایک دفعہ پھر اسے سفر صفر سے شروع کرنا تھا۔

☆☆☆

زندگی عجیب پگڈنڈی تھی، اوپر نیچے، نیچے سے نیچے، اوپر سے اوپر، چڑھتی ڈھلوان، رکتی ٹھہرتی، کبھی دوڑتی بھاگتی، اس نے اونچائی سے نیچے دیکھا تو سر چکرانے لگا، وہ آکر بیٹھ گئے، ھالار کرسی پہ عجیب سوچوں میں گھرا بیٹھا تھا، وہ آکر اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

''کیا سوچتے ہو ابا کی جان۔''

''سوچتا ہوں واپس، باہر چلا جاؤں، جوذی کا فون آیا تھا مجھے، اب یہاں دل نہیں لگتا، لگتا ہے جس کے لئے آیا تھا، وہ سب ہو گیا، دیکھ لیا، سوچ لیا، اپنی لاپرواہی میں لوٹنا چاہتا ہوں۔''

''ھالی! مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ، میں خود اکتا گیا ہوں سمجھ نہیں آتا ابھی زندگی میں کیا رہتا ہے، نواز حسین ابھی تک سو رہا ہے دیکھو شاید تھک گیا ہے میرے ساتھ گھوم پھر کر۔'' ان کی نظر کمرے کے کھلے دروازے سے ہوتی بیڈ پر اوندھے لیٹے نواز حسین پر گئی تھی۔

''ہاں تھک گیا ہے۔'' ھالار اٹھ کر کمرے کی طرف جانے لگا۔

''میں بھی تھک گیا ہوں، سوچ رہا ہوں، سو جاؤں۔'' اسے پتہ تھا اس کا یوں اٹھ کر جانا انہیں پریشان کرے گا سو وضاحت کر دے۔

''ھالی! جو دل میں ہے وہ کہہ دو۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔

''سونا چاہتا ہوں، رات بھر کا جاگا ہوں، کل گھر چلتے ہیں، کام بھی کرنا ہے، بہت ہو گیا۔''

''ھالی بات سنو، شادی کرو گے؟'' جو دل میں آتا تھا وہ کہہ دیتے تھے۔

''جب کرنے کو کچھ نہیں رہے گا تب سوچ لوں گا، ابھی کچھ رہتا ہے۔''

''بات سنو ھالی، اس لڑکی کا کچھ پتہ ہے امرت کا وہ میری ڈائری لے گئی تھی۔''

''میں اس سلسلے میں بے خبر ہوں، لڑکیوں کی خبریں رکھنا چھوڑ دی ہیں میں نے۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے کی طرف چلا گیا۔

ان کا دل ڈوب گیا، وہ جس دن لوٹے تھے ھالی کتنا خوش تھا اور اب ھالی کتنا اداس ہے، اسے پتہ تھا وہ کسی لڑکی سے ملنا گیا تھا اور اس دن واقعی وہ امرت سے ملنے گیا تھا، امرت گاؤں

جانے سے پہلے اس سے ملی تھی، اس کے سیل فون نے امرت کا میسج تک انہوں نے دیکھا تھا" کہ تم سے ایک تفصیلی ملاقات کرنی ہے۔" اس کے بعد سے ھالار چپ چپ، تلخ سا اور گم صم سا تھا، وہ پوچھنا چاہ رہے تھے۔

بہت بار بار باتوں ہی باتوں میں پوچھا بھی تھا، مگر وہ چپ رہا، وہ کھلنا نہیں چاہتا تھا، کبھی کبھار کھلنے کے لئے آپ کو بہت ساری ہمت درکار ہوتی ہے اور وہ اپنے اندر شاید یہی ہمت جمع کر رہا تھا جب تک وہ ہمت جمع کرتا تب تک شاید ان کی ہمت نے جواب دے دینا تھا۔

نوجوانی اور بڑھاپے کے درمیان ایک باریک سی لکیر تھی، ان کو لگا اپنے اندر ساری ہمتیں جمع کرتے ہوئے نوجوانی کی طرف پلٹتے ہوئے بھی وہ بار بار بڑھاپے کی آخری سیڑھی پر آ کھڑے ہوتے تھے۔

"ھالی! ابا کی جان، ابا نے بہت کچھ کھویا ہے، پر تجھے کھونے کا قطعی حوصلہ نہیں ہے۔"

وہ ان ترکیبوں کو سوچ رہے تھے جن کی وجہ سے وہ کسی طور ھالار کو یہاں سے جانے سے روک پاتے، سوچوں کو ہر بار ایک نیا رخ ملتا تھا، مگر زندگی عمل کا سکہ مانگتی ہے، کھوٹہ نہیں، جو کھرا ہو۔

عمارہ کا میسج تھا، وہ موبائل فون لے کر چوکھٹ کے پاس آ کر بیٹھ گئی، اس کے پیچھے ہی لاھوت آ بیٹھا تھا۔

"عمارہ کا میسج ہے۔" اسے پتہ تھا وہ سگنلز کے لئے یہاں آ کر بیٹھتی ہے۔

"ہاں اسی کا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہے، تمہیں یاد کر رہی ہوگی۔"

"یاد تو کر رہی ہے مگر اداس ہے، بہت علی گوہر کی وجہ سے اداس ہے، کہہ رہی ہے اس کے اندر سناٹا بڑھ گیا ہے۔"

"نا زیادہ بات کرتا ہے، نہ گھر سے نکلتا ہے، بس کام کے لئے جاتا ہے، وقت پر جاتا ہے، وقت پر واپس جاتا ہے۔"

"اتنا ست ہو گیا ہے کہ کتاب تک نہیں پڑھ رہا، باہر تک نہیں جاتا شام میں، مسجد جاتا ہے نماز پڑھ کر لوٹ آتا ہے، اس کے اندر اتنا ٹھہراؤ کبھی آیا نہیں ہے اس کے ٹھہراؤ اور سنجیدگی نے گھر کو اک چپ لگا دی ہے، بہت پریشان رہی ہے وہ ہمیشہ ہی اس کے لئے، علی گوہر کے اندر کی چپ بہت تکلیف دے رہی ہے اسے۔"

"اس کی چپ ٹوٹ جائے گی، جب کوئی چیز ایکسٹریم کو پہنچتی ہے تب وہ یا تو ٹوٹتی ہے یا امر ہو جاتی ہے، اگر گفتگو ہے تو امر ہو جائے گی، اگر چپ ہے تو ٹوٹ جائے گی، وہ اپنی زندگی بنانے کی کوشش کر رہا ہوگا۔"

اس کی ماں سامنے آتے ہوئے وہیں رک گئیں تھیں، انہیں لگا آگے جا کے ان کے سامنے آنے کا مطلب ان کو ڈسٹرب کرنا ہوگا، وہ اپنے بیٹے اور دیور کی بیٹی کا رویہ تاثر نوٹ کر رہی تھی، وہ وہ ڈھونڈنا چاہ رہی تھی جو انہیں نظر نہیں آ رہا تھا مگر اپنی آنکھوں سے وہ سب خود کو دکھا رہی تھیں۔

ان کی سوچ اور سمت جا رہی تھی، کبھی کبھار انسان اپنے دیکھے ہوئے کو اپنی پسند کا مفہوم بڑی آسانی سے پہنا لیتا ہے اور پھر اس کی ساری سوچیں اسی نظریے کی سمت سفر کرتی ہیں۔
وہ برآمدے سے لوٹ گئیں، ان کو پہلی فرصت میں لاھوت سے بات کرنی تھی، اگر یہ وہی لڑکی تھی جو اسے یہاں کھینچ کر لائی تھی تو وہی لڑکی ان کو نظر میں ان کے بیٹے کو وہاں ہمیشہ کے لئے روک بھی سکتی تھی۔
یہ لڑکی اور طرح سے بھی ان کے لئے اہم تھی، اپنی عمر کے تین چار سال سے لے کر چودہ پندرہ سال تک یہاں، اس گھر میں رہی تھی۔
ان کی گود میں جوان ہوئی تھی، انہوں نے بیٹی سمجھ کر اسے بہت اچھے سے پالا تھا، اس کے جانے کے بعد کتنے روز وہ اسے یاد کر کے روتی رہی تھیں۔
ان کا خیال تھا وہ اپنے باپ کی طرح احسان فراموش نکلی، چھوڑ جانے کے بعد پلٹ کر نہ دیکھا، اب تو بھول گئی ہو گی، یاد تک نہ کرتی ہو گی۔
مگر ایسا نہیں تھا، ان کے سارے اندازے غلط تھے، وہ ان کو یاد کرتی رہی تھی، اسے ہر اک بات یاد تھی، وہ اپنے باپ جیسی نہیں تھی، ہو اس سے ہٹ کر تھی اور یہی چیز باور کرانے کی کوشش وہ اپنے بیمار شوہر کے سامنے کئی بار کر چکی تھیں۔
وہ اب بھی امرت کے لئے سراپا شفقت نہ تھے، نہ شاید ہوتے مگر اب ان کی پوزیشن زیادہ مضبوط تھی اگر لاھوت ان کے ساتھ ہے، ان کا اپنا اکلوتا بیٹا، تو پوری دنیا ایک طرف، ان کا فیصلہ ایک طرف۔

☆☆☆

اگست کی ایک حبس زدہ شام تھی جس کے حبس نے ماحول کو گھٹن زدہ بنائے رکھا تھا، بازاروں میں چلتے پھرتے لوگوں سڑکوں پر دوڑتی گاڑیوں کے اندر مصنوعی ٹھنڈک سے سانس بحال کرتے افراد کی پھیکی مسکراہٹ اور حبس میں گھٹی ہوئی کھلی کھڑکیوں سے جھانکتے بیزار چہروں والے مردوں عورتوں کے چہروں پہ سلوٹیں واضح تھیں۔
بچے نڈھال تھے اور بس میں بیٹھا ہوا ہر فرد زبردستی کھینچ کھانچ کر سانس بحال کرنے کی کوشش میں کھڑکیوں سے جھانکتے، روڈ پہ چلتے بڑبڑاتے ٹھیلوں کے پاس کھڑے پسینہ پونچھتے ہوئے آدم بیزاری کا تاثر لئے آسمان کی طرف بارش کی امید میں دیکھ رہا تھا اور تب آسمان کے نیچے رینگتے ہوئے بادلوں کا رقص دیکھنے کے لئے اس نے آس سے نظر اوپر اٹھائی، وہ فٹ پاتھ کے کنارے کنارے چل رہی تھی۔
آگے پندرہ منٹ کے فاصلے پر اس نے ماں کو خریداری کے لئے چھوڑا تھا اور اب اسے فکر ہو رہی تھی کہ بادل برسے گا تو رستے نالے بھر جاتے ہیں، واپسی مشکل ہو جائے گی۔
اپنے چھوٹے موٹے کام نبٹانے وہ باہر آئی تھی اور آسمان پر اک نگاہ کی آسمان پر بادل رقص کرتے ہوئے آ رہے تھے کچھ کورے چٹے سفید، کچھ آسمانی ہی رنگ اور کچھ کالے کتنے رنگ ایک آسمان پر اور رنگ تو اور نکھرے جب قوس و قزح نمایاں ہوئی، ہلکی ہلکی دھوپ والی برسات، وہ

مارکیٹ کی بلڈنگ کے سائے میں آگئی۔
حبس چھٹنے لگا تھا، اسے یاد آیا یہ بارش اسے بچپن سے کتنی پسند تھی، یہ بھی یاد تھا کہ وہ امرت کے ساتھ اس طرح کی بارشوں میں کیسے جھوم جھوم جاتی تھی۔
ایک شام جب وہ دونوں کالج سے لوٹتے ہوئے عیدگاہ کی طرف چلی گئیں تھیں، اس کے بعد گھر میں جو بے عزتی ہوئی وہ اپنی جگہ مگر اچھی یاد ہمیشہ کے لئے رہ گئی تھی، امرت...... اور یاد...... کتنا گہرا تعلق تھا، اس کا اس سے اس کا اس سے، دونوں کا وقت سے، وقت کا یاد سے۔
دل کیا اڑ کر پہنچ جائے اسے لگا اس سے ضروری دنیا میں اب کوئی کام نہیں رہا، دنیا ایک ہی یاد میں سمٹ گئی ہے، آسمان کے نیچے تیرتے بادلوں کی آنکھیں گیلی تھیں اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔
وہ بادلوں کی طرح برسنے لگتی، اگر بادلوں جتنا حوصلہ ہوتا جسے خدا کا فرشتہ برسنے کو کہتا تو برستے تھے۔
اسے بھی کوئی فرشتہ درکار تھا، کوئی میکائیل اسرافیل درکار تھا، جبھی برستی اور پھر دھند چھٹ جاتی، دھند بھری ہوا نے ماحول کو مٹی مٹی کر دیا تھا اور اب بادل پانی برسا کر زمین دھونے لگے تھے۔
ماں بازار کے کسی کونے سے برآمد ہوگئی تھی۔
"ہائے امرکلہ میں کتنا ڈھونڈ رہی تھیں تمہیں، کہاں رہ گئیں تم اور یہ کیا لیا ہے، کون سی کتاب ہے یہ؟" ان کی نظر امرکلہ کے ہاتھ میں پکڑے لفافے پر پڑی تھی۔
یہ وہ کتاب تھی جسے خریدنے کے لئے امرت نے اپنی پاکٹ منی سے چار مہینے پیسے بچائے تھے اور اس کی طبیعت خراب ہونے پر اس کی دوائیوں پر خرچ دیئے تھے، تب اس نے یہ خود سے عہد کیا تھا کہ وہ پیسے بچا کر اس کے لئے خرید لے گی اور آج تک تقدیر وقت حالات اور اس کی منتشر سوچوں نے اسے یہ موقع نہیں دیا تھا آج یہ کتاب خریدتے ہوئے اسے نہیں پتہ تھا کہ امرت کے پاس اس کتاب کی ویلیو کتنی رہی ہوگی، یا پھر وہ اس طرح کی کئی کہانیوں کی کتابیں پڑھ چکی ہو گی۔
اور اسے یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ اس سے مل پائے گی، ملے گی تو کس منہ سے، کس حیثیت سے، وہ حیثیت جس کا اس کے سالوں سے پاس کھو دیا تھا۔
جس کی اہمیت کی اس کے پاس قدر نہ رہی یا قدر کی نہیں تھی، اس کی ماں نے لفافے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس نے لفافہ پیچھے کر لیا۔
"یہ کسی اور کے لئے ہے، اور یہ کوئی مسلمانوں کی مذہبی کتاب نہیں ہے، ڈریں مت۔"
"اگر تمہیں کتاب ہی خریدنی تھی تو کم از کم انجیل کا نسخہ لے لیتی۔" اس کے تاثرات سر تھام لینے والے ہوگئے۔
"گھر چلیں اب۔" بارش زور پکڑ رہی تھی، اس نے رکشہ روکا اور بیٹھ گئیں دونوں۔
"سکھی بس پہنچنے والی ہی ہوگی، وہاں پر۔"
"ہم صبح سویرے نواب شاہ کے لئے نکل جائیں گے نا امرکلہ؟" اسے یقین نہیں تھا، کئی بار پوچھ چکی تھیں۔

''ہاں نکل جائیں گے۔'' اس نے ایک آہ بھری، اس کا دل سادھنا کی طرف لگا ہوا تھا، اسے پتہ تھا کس اور کو نہیں مگر اسے ضرور فرق پڑتا ہے اس کے چلے جانے سے۔

''چلو شکر ہے، سکھی بتا رہی تھی نواب شاہ میں ان دنوں تقریباً موسم اچھا ٹھنڈا ہے۔''

اس کی ماں کتنی خوش تھی وہاں جانے کے خیال سے ہی، وہ بتا رہی تھی دو کمروں کے آگے برآمدہ بھی کھلا ہے اور صحن ہے، چار چھ چارپائیاں آسانی سے آجائیں گی اس کے اندر۔

''سنو امر کلہ! ہم اپنی ایک چارپائی لے جائیں۔'' امر کلہ نے حیرت اور ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔

''کیسی باتیں سوجھ رہی تھیں ان کو، چارپائی جو بوسیدہ لکڑی کی مڑی ہوئی جھول تھی۔''

''ہم اپنے سروں پر چارپائیاں باندھ کر لے جائیں گے کیا؟'' اسے غصہ ہی آ گیا، اتنے اچھے موسم میں غصہ۔

''ہاں...... یہ تو ہے، چلو کوئی نہیں، جب ہمیں گھر کے پیسے مل جائیں گے نا تو ہم ان پیسوں سے وہاں چارپائی خرید لیں گے۔'' ان کو حل سوجھا۔

اسے مزید غصہ آ گیا۔

''اب ایک گھر ہم صرف چارپائی خریدنے کے لئے بیچیں گے کیا، تف ہے ہم پر، نہیں مگر اس سے بہت ساری چیزیں لیں گے نا۔''

''چیزیں، اف۔'' اس نے پھر سے سر تھام لیا۔

''اچھا سنو امر، وہ شوکت بھائی سے بات کرنا ان کا گھر ساتھ میں پڑتا ہے۔'' وہ یہیں پر سارے معاملات ہینڈل کرنا چاہ رہی تھیں۔

ان کا بس چلتا تو یہیں بیٹھے بیٹھے وہ اپنے کباڑی سے گھر کا سودہ بھی کر لیتی اور پیسے لا کر رنگین غباروں جیسی چیزیں بھی خرید لیتیں۔

انسان جب بہت ترسی ہوئی زندگی گزارتا ہے تو اس کی زندگی کا واحد مقصد چھوٹی چھوٹی خواہشیں اور زندگی کا المیہ چھوٹی چھوٹی الجھنیں بن جاتی ہیں۔

گھر کے سودے کے خیال نے ذہن کی الجھنوں کو کچھ کم کیا تھا۔

''لوگ گھر بنانے کے لئے مزدوریاں کرتے ہیں اور ہم گزارا کرنے کے لئے گھر بیچیں گے۔'' امر کلہ کو کسی حد تک اعتراض تھا مگر اسے پتہ تھا کہ اب اس گھر کو آباد کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، ان کے لئے۔

وہ بس کسی طرح اس گھر سے جان چھڑانا چاہ رہی تھیں، رکشہ ان کے گھر کی طرف جاتی ہوئی گلی کی طرف مڑا تھا گلی پانی سے بھری ہوئی تھی، نالے کھلے تھے، جن سے بدبو کے بھبھکے سے سانس گھٹ جاتا تھا اور ٹائر سے ٹکرائے چھینٹے اڑ اڑ کر شلوار کے پائنچوں اور دوپٹے کے لٹکتے پلو کو گندہ کر گئے۔

اس نے پلو کا کونہ پکڑ لیا، دوسرے ہاتھ میں لفافہ مضبوطی سے تھام ہوا تھا، اس کی ماں نے اپنا تھیلہ سینے سے بھینچا ہوا تھا جس میں گنتی کے چار نئے جوڑے دو چادریں اور کچھ ضروری چیزیں

تھیں۔
رکشے والے کو کرایہ دیتے ہوئے اسے احساس ہوا، کرائے میں سے دس روپے کم تھے، وہ شرمندہ سی ہوگئی کہ اس کے عوض کیا کرسکتی ہے اس کی ماں کے پاس کل کے کرایے کے پیسے پورے تھے، اس نے ماں کو اشارہ کیا کہ وہ ان پیسوں سے دس روپے دے دے، مگر وہ نظر انداز کرتیں کیچڑ کیچڑ کرتیں بارش کے پانی میں پیر مارتیں آگے نکل گئیں اور ایک دس روپے کے لئے اسے معذرت کرنا پڑی تھی۔

☆☆☆

وہ لاھوت سے بہت ساری باتیں ڈسکس کرنا چاہتی تھی اسے بہت الجھاؤ تھے، مگر بہر حال وہ لاھوت کو ایک غیر سنجیدہ اور معصوم سا آدمی سمجھتی تھی، اسے لگتا تھا لاھوت اس سے چند سال نہیں بہت عرصہ چھوٹا ہے ان کے بیچ پورا جنریشن گیپ ہے۔

علی گوہر جیسے بات سمجھتا تھا، علی گوہر کی تو اور ہی بات تھی، مگر عمارہ، ھالار اور لاھوت پر وہ کسی قسم کا غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی، نہ ذہنی نہ دلی، نہ حالات کا، وہ اپنے مسائل خود نبٹانے کی عادی تھی، عرصہ ہوا کسی کی عادت چھوٹی ایک امر کلہ تھی دنیا بھر کے لوگوں سے الگ، بالکل الگ اسے ایک دم سے امر پر غصہ آیا، بے وفائی کی انتہاؤں کو چھوتی ہوئی ایک خود غرض لڑکی ”تمہارے لئے میں نے کیا نہیں کیا، کیا کوئی کی تھی امر کلہ۔“ وہ خود سے مخاطب تھی، خود میں اس سے شکوہ کر رہی تھی، لاھوت اس کی خاموشی کو کتنی دیر سے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ سوچوں میں گم کتنی دیر سے عمارہ کو کال ملاتی رہی تھی اور جب لاھوت کچھ کہنے کی ہمت کرنے ہی لگا تھا تو کال مل گئی اور وہ فون لے کر دوسری سمت کو ہوگئی، لاھوت کو کچھ عجیب سا لگا تھا، جیسے وہ بہت غیر اہم ہو اس صورتحال میں، ایسا کیوں تھا۔

وہ اسے اتنا لائٹ کیوں لیتی تھی، ہر وقت بڑی بہنوں کی طرح بس ڈانٹ ڈپٹ اور نصیحتیں۔

باپ کی بیماری کا سن کر جب لاھوت گاؤں لوٹنا نہیں چاہ رہا تھا حالانکہ اس وقت کوئی خاص پڑھائی نہیں ہو رہی تھی۔

اگست کے شروع میں کئی اسٹوڈنٹس مسنگ بھی تھے، وہ جا سکتا تھا، مگر اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا، اس دن امرت نے اس کی اچھی خاصی کلاس لی تھی، وہ گاؤں جانے کے لئے تب بھی نہ مانا۔

یہ نہیں کہ اسے باپ کی فکر نہ تھی، اس کا باپ جیسا بھی تھا، باپ تھا جس کی کمائی پر اس نے عیش کیا تھا وہ چاہتا تھا وہ رہیں اور خوش رہیں، مگر بس وہ جانا نہیں چاہتا تھا، اس کا لاشعور ڈرتا تھا کہ اس کے پر کاٹ دیئے جائیں گے، وہ پنجرے کا قیدی بن جائے گا۔

وہ دعائیں مانگ رہا تھا ان کے لئے، ان کی صحت کے لئے، مگر جانا نہیں چاہتا تھا۔

وہ امرت کے کہنے پر چپ رہا، اسے کچھ نہ کہا، کیونکہ وہ بھی سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی لاھوت تم کتنے کٹھور ہو، بالکل اپنے باپ پر گئے ہو، میرا باپ جیسا بھی ہوتا اگر وہ اس حالت میں ہوتا، اگر وہ مر رہا ہوتا تو میرا دل کانپ جاتا تھا، میں سارے شکوے بھلا کر اسے بصرف ایک نظر دیکھنے کے لئے چلی جاتی، میں بھلے اس کی خدمت نہ کر پاتی، بھلے اس کی دلجوئی نہ

کرتی مگر اس کے ساتھ کچھ رہ کر اسے اپنے ہونے کا احساس ضرور دلاتی، اس مرتے ہوئے آدمی کو آخری سہارا دینے ضرور جاتی اور یہ کہنا یا سننا بھی کتنا مشکل تھا کہ مرتا ہوا آدمی موت کو تسلیم کرنا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔

وہ سوچتے ہوئے بھی دکھ کی کیفیت سے گزر رہا تھا، اس نے کئی بار اپنے باپ کو تصور میں مرتے دیکھا تھا مگر اتنی بار وہ شدید تکلیف سے گزرا تھا۔

اس کے رشتے کا مسئلہ ٹھکانے لگا، حنان کی فیملی نے کچھ دن پریشان کیا مگر جب اس نے نوٹس نہ لیا تو وہ لوگ برا بھلا کہہ کر بیٹھ گئے، حنان کے شکوے اپنی جگہ، وہ ان کا جواب دیتی اگر حنان ذرا انسانیت سے کام لے لیتا، وہ اگر انسانیت سے کام لیتا تو شاید یہ رشتہ نہ ہی ٹوٹتا، یا پھر ابھی تک بہر حال لٹکتا ہی رہتا۔

عمارہ نے ان کی فیملی کو اچھا خاصا لاجواب کر دیا، پھر اگلے دن تک عدنان بھی آ گیا تھا، کچھ مسئلہ اس نے سنبھال لیا تھا۔

اس نے عدنان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے باپ کو اپنے ساتھ عمرے پہ لے جائے یا حج پہ، عمرے کے دن نکل گئے تھے، اس نے اپنی ماں کے لئے بھی درخواست دے دی، خوش نصیبی یہ ہے کہ درخواست قبول ہوئی اس کی ماں، وقار صاحب اور عدنان اس کی بیوی سب اکٹھے حج کے لئے روانہ ہوئے، اس کے اندر کی مچلتی ہوئی خواہش ایک جگہ، وسائل کی تنگی ایک جگہ، اسے پتہ تھا ابھی کچھ کام باقی ہیں۔

نوکری تو وہ چھوڑ چکی تھی، اس کے پاس کچھ مہینے کے اخراجات کی رقم ہی بچتی تھی، اس سے آگے کیا ہوگا، یہ معاملہ اس نے توکل پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ ڈائری لے کر گئی تھی، مگر وہاں کوئی نہ تھا، نہ ھالار، نہ فنکار، ھالار بھی کہیں گیا ہوا تھا، اپنے باپ کے ملنے کا پتہ اسے مل گیا تھا، وہ باپ کو لینے گیا تھا، یہ اسے عمارہ نے بتایا تھا، وہ کچھ دن فارغ تھی اور اس کے ذہن میں کئی منصوبے ادھورے تھے۔

اس نے لاھوت سے پھر طبیعت کا معلوم کیا اور اسی بہانے سے وہ لاھوت کو لے کر گاؤں کے لئے نکل گئی اس سے ایک شام پہلے وہ ھالار سے ملی تھی اور اپنے دل سے بہت بوجھ اتار لیا تھا۔

گاؤں کسی خاص ارادے کے تحت وہ نہ آئی تھی، وہ اس بیمار شخص کو ایک بار دیکھ لینا چاہتی تھی، جو رشتے کا چاچا تھا، لاکھ ظالم کٹھور سہی مگر وہ اس کی کمائی پر بہت سال پلی تھی، وہ اس کی قرض دار تھی اور وہ شخص اس کا قرض دار تھا۔

وہ کچھ بھی لینے یا دینے کی نیت سے نہیں گئی تھی، مرتے ہوئے آدمی سے لڑنا حماقت تھی، کمزور سے باز پرس بہادری نہیں تھی، اسے پتہ تھا سامنا بہت مشکل ہوگا، مگر زندگی مشکلوں کا بھرا ہوا مجموعہ تھی، وہ کئی کڑے وقت خود پر جھیل چکی تھی اور واقعی پہلا سامنا سب سے عجیب حیران کن اور مشکل تھا۔

اس کا چاچا کمزور تھا مگر انا پرست ابھی تک تھا، وہ کمزور نہیں پڑا تھا اس کے آگے اس نے دکھایا جتایا کہ اسے فرق نہیں پڑا، بلکہ اس کے چہرے پر کئی شکوے آ گئے تھے جن میں غصہ نمایاں تھا

کہ اب کیوں آئی ہو، کس لئے آئی ہو۔
وہ آگے بڑھ کر ملی بھی نہیں تھی، بس سلام کیا تھا، اس شخص کو چپ لگی ہوئی تھی، مٹھیاں بند تھیں، اس نے اک نظر غور سے دیکھا، بیوی نے بتایا کہ یہ امرت ہے، آپ کی بھتیجی ہے، ان کے چہرے پر اک سایہ آیا اور لہرا گیا۔
رخ دوسری جانب نہیں مگر نظر پھیر لی تھی، لاھوت نے جھک کر ان کے پاؤں چومے تھے، تب بھی وہ بے حس تھے، چپ تھے۔
خاموش تو تھے، مگر بے تاثر بھی، اس بیماری میں بھی اس شخص کو خود پر کیا قابو تھا وہ دنگ رہ گئی۔
آج اسے دوسرا ہفتہ تھا، اسے چند دن میں لوٹ جانا تھا، ماں کے آنے سے پہلے پہلے، ان کو اگر معلوم ہوتا کہ امرت گاؤں گئی ہے تو کیا حال کر لیتی وہ اپنا بھی اور اس کا بھی، اسے لوٹنا تھا، وہ کچھ دن بعد لوٹنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
مگر حویلی کی سربراہ اسے یہیں سے باندھنے کی تیاری میں مصروف تھیں۔
رات دس بجے انہوں نے لاھوت کو اپنے کمرے میں بات کرنے کے لئے بلایا تھا۔
☆☆☆
رات کو اس کی ماں نے پیکنگ کر دی تھی۔
بس پیکنگ کیا، چار نئے جوڑے، دو چادریں، دو بستر جس میں سے پھٹی پرانی رسی نکال کر یہیں رکھ لی گئی اور تکیے بھی، سفید چادریں، ایک رسی، چند گھر کے پہننے کے لئے جوڑے، چار چھ برتن سلور کے اور اسٹیل کے گلاس، چار پلیٹیں وغیرہ، کچھ چھوٹی سی ضرورت بلکہ اشد ضرورت کی چیزیں اور امر کلہ نے اپنے تھیلے میں دو تین جوڑے، ایک بال پوائنٹ، کچھ کاغذ لفافے والی کتاب میں ڈالے تھے، ایک پرانی گھڑی جس کا سیل خراب ہو گیا تھا۔
وہ سامان مختصر باندھ کر باہر آ گئی، اس کے ہاتھ میں کچھ خالی کاغذ اور ایک رنگین پنسلوں کی پیکٹ تھا۔
کل صبح سویرے نواب شاہ کے لئے نکل جانا تھا اور پھر اگلے یا اس سے اگلے دن اسے حیدر آباد کے لئے نکل جانا تھا۔
حیدر آباد اس کی جنم بھومی، اس کا پیدائشی شہر، اس کے بچپن کی پناہ گاہ، جوانی گزاری تھی، اس کی امرت کا شہر، پروفیسر غفور، فنکار کا حالار، علی گوہر کا شہر، دل ایک ساتھ دھڑکنا شروع ہو گیا تھا، دل کے دھڑکانے والے سارے نام تھے۔
☆☆☆
نیچے سے گزرتی سادھنا پر نگاہ پڑی، وہ اکیلی تھی، اس نے اسے اوپر آنے کا اشارہ نہیں کیا تھا، کیونکہ اس کی ماں نے دھمکی دی تھی کہ وہ اوپر گئی تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔
وہ نہیں چاہتی تھی کہ جاتے جاتے وہ اس کی ٹانگیں تڑوا جائے، اس نے اسے گلی میں آنے کا اشارہ کیا وہ ذرا سہمی پھر گلی کی طرف بھاگی تھی، امر کلہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی، وہ تیزی سے نیچے اتر گئی، سادھنا گلی کے نکڑ میں چھپی تھی، ذرا سہمی ہوئی تھی، امر کلہ نکڑ کے پاس آئی اور اسے

بانہوں میں بھرلیا، وہ اس سے لپٹ گئی۔
"آج ہم بہت ساری باتیں کریں گے آؤ کہیں دور جاتے ہیں؟ تمہاری ماں سوئی ہوئی ہے نا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا، مگر امرکلہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"چلو چلتے ہیں، آج آخری رات میں تمہارے لئے کٹ کھانے کے لئے تیار رہوں گی۔" وہ مسکرادی ہاتھ پکڑنے پر اور اسے اپنے ساتھ ساتھ لے کر آگے نکل آگئی، بارش کے بعد سب کچھ دھلا تھا، کپڑے ڈھیر دبے ہوئے تھے، بو ہلکی ہلکی تھی، مگر وہ بغیر پرواہ کئے بغیر اس کا ہاتھ پکڑے نکل آئی تھی۔
ساتھ قریب ہی ایک میدان تھا، سادھنا کو خدشہ تھا اس کی ماں یہاں تک آسکتی تھی، وہ نزدیکی علاقے میں باتیں کرتے کرتے نکل آئیں تھیں، سادھنا بہت خوش تھی۔
وہ اسے اپنے اور امرت کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتیں بتا رہی تھی، سادھنا کبھی ہنستی تو کبھی مسکراتی تھی اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی، سادھنا کی ماں نے طوفان کھڑا کیا ہوا تھا۔
"تمہاری بیٹی جاتے جاتے بھی ہماری تباہی کر جائے گی، نی دھی ہے یا خچری۔" وہ بغیر سوچے سمجھے بولتی تھی۔
"سونا زبان کاٹ دواپنی، خچری ہوگی تم خود تمہاری ماں، تمہاری اہل اولاد، بیڑا غرق ہو، ہو غرق تمہارا۔" سونا پھر سے چیخی اور پھر جو منہ میں آیا وہ کہتی گئی تھی۔
امرکلہ کی ماں لاچارسی ہوگئی اس مستقل بحث بازی اور شور سے، وہ بہت کم لاچار ہوتی تھی، وہ صاف مکر گئی کہ امرکلہ تو اپنے کام سے گئی ہے سادھنا کھیلنے کے لئے کہیں نکل گئی ہوگی، مگر سونا تو زمین آسمان ایک کیے ہوئے تھی۔
اگلے ہی لمحے وہ شرمندہ ہوگئی، جب امرکلہ بچی کا ہاتھ تھامے سامنے سے آتی دکھائی دی تھی، سونا کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کچا چبالے اور سادھنا امرکلہ سے لپٹ گئی تھی۔
سونا نے آگے بڑھ کر اسے ایک تھپڑ مارا تھا جو سیدھا امرکلہ کے بازو پہ وار کر گیا، دوبارہ اٹھتا ہوا ہاتھ رکا اور امرکلہ کی ماں آگے بڑھی جب امرکلہ نے تیزی سے اسے روک دیا تھا، سونا سادھنا کو کھینچتی ہوئی جارہی تھی۔
"چھوری مٹی مرلے، جان چھٹے میری۔" سادھنا نے بھائی میں پناہ لے لی تھی، کس قدر سونا بیٹے کا لحاظ کر لیتی تھی سو بیچ بچاؤ ہو ہی گیا تھا، مگر اب سونا کی کاٹ دار لمبی زبان کو بیچ بیچ چلنے سے آخر کون منع کرتا، کون روکتا۔
رات کا پہلا پہر تھا اور صبح صادق تک یہ تماشہ چلنا تھا، امرکلہ کو بس سادھنا کے بچ جانے کا اطمینان تھا اور اب ماں کی ڈپٹ سننے کی باری اس کی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح کے آخری پہر تک پہنچ گئی تھیں نواب شاہ، اسے لگا جیسے اس نے سرحد پار کا سفر کیا ہو، وہ بری طرح سے تھک گئی تھی، اس کی ماں کی دوست سکھی، ایک مسلمان عورت تھی، بہت نفیس شائستہ

اور دھیما لہجہ، لگتا تھا وہ صبر کی کوئی منزل عبور کر آئی ہے، بہت پیار سے ملیں، گلے لگیں، اپنائیت حد درجہ تھی، امرکلہ پر تھکن اتنی سوار تھی کہ بیٹھے بیٹھے اسے نیند کے جھونکے آنے لگے، اسی کی ہم عمر تقریباً ایک سانولی سادہ سی پرکشش لڑکی تھی جو ملنے کے نام پہ خاموشی سے ہاتھ ملا کر کمرے میں دوبارہ چلی گئی تھی، امرکلہ کو اندازہ ہوا وہ اس کی بیٹی ہوگی مگر اس کی ہاں نے جب ناسمجھی سے لڑکی کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ وہ سکھی کی بیٹی تو ہرگز نہیں ہے لڑکی بہت خاموش طبع مگر لاپرواہ سی لگ رہی تھی۔

وہ بغیر حال احوال پوچھے، کوئی بھی بات کیے، اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

امرکلہ کو نیند میں ڈوبا دیکھ کر سکھی نے اسے بھی اسی کمرے کا اشارہ کیا تھا، وہ جب اندر آئی تو لڑکی پلنگ پہ بیٹھی ایک کپڑے کے پیس پہ کچھ کاڑھ رہی تھی، اس نے جھک کر اک نظر ڈالی۔

''بہت خوبصورت دھاگہ ہے یہ۔'' اس نے فوراً کہا تھا۔

لڑکی نے بس اک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سے جھک گئی تھی، امرکلہ کو بہت عجیب لگا تھا، عجب بے مروتی ہے۔

خیر اسے تو سونا تھا اور صبح سویرے ہاں سے نکل ہی جانا تھا سو سوچ بچار کا کوئی مقصد نہیں بنتا تھا، وہ سونے کے لئے دوسری چارپائی پر لیٹ گئی تھی، اس لڑکی نے ایک مہربانی کی کہ اٹھ کر کونے میں پڑے اسٹینڈ فین کا تار لگا کر اسے چلا دیا تھا، ہوا کچھ ٹھنڈی تھی، امرکلہ کو گہری نیند آ گئی اور اسے اٹھتے اٹھتے شام کے چار بج گئے تھے۔

وہ نہا دھو کر باہر آئی، چھوٹے سے صحن میں دو چارپائیاں ایک اکلوتی کرسی پڑی تھی اور ایک منجی جس پہ وہ بیٹھی چاول صاف کر رہی تھی۔

امرکلہ کرسی پہ بیٹھ گئی، سکھی سب کے لئے چائے لا رہی تھی۔

''میں چائے بنا لیتی خالہ۔'' اسے کچھ برا لگا کہ آتے ہی ان لوگوں نے ان کو مہمان نوازی پہ لگا دیا ہے۔

انہوں نے چائے کے ساتھ باقرخانی کی چھوٹی ٹرے رکھی تھی، امرکلہ کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا یہ کہہ کر تم نے کھانا نہیں کھایا تھا، چائے پہ ہی کچھ لے لو۔

اس نے آخری دفعہ کب باقرخانی کھائی تھی، اسے یاد آیا، آخری بار کبیر بھائی کے ساتھ، گولڑہ شریف سے نکلتے ہوئے ہوٹل پر جو راستے میں آتا تھا۔

وہ نان خطائی کہتے تھے اسے، اسے اس نان خطائی اور اس نان خطائی کے ذائقے میں کوئی فرق نہ لگا، اس نے سوچتے سوچتے یکے بعد دیگرے چار کھا لیں تھیں، ابھی ایک پڑی تھی، جو اس نے اس لڑکی کی طرف بڑھائی لڑکی نے لے کر سائیڈ میں رکھ لی اور چاول دھونے چلی گئی نگار نے کہا، آج سالن میں پکاؤں گی، وہ لڑکی کے پیچھے کچن میں گئی اور امرکلہ، سکھی کو برآمدے کے ستون کے آگے جاء نماز بچھائے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھنے لگی، وہ بہت دل سے نماز پڑھ رہی تھیں۔

نماز اور دعا سے فارغ ہو کر انہوں نے امرکلہ کو دیکھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو اتنی دیر سے؟'' وہ جائے نماز رکھ کر ادھر آئی۔
''آپ تو نماز پڑھ رہی تھیں پھر آپ کو کیسے محسوس ہوا کہ میں آپ کو دیکھ رہی ہوں؟ جبکہ آپ بہت دل سے نماز پڑھ رہی تھیں۔''
''مجھے بتایا تھا تمہاری ماں نے کہ تم سوال بہت کرتی ہو، تم میں سوال کرنے کی بہت عادت ہے۔'' وہ کہتے ہوئے باہر صحن میں نکل کر تار سے سوکھے کپڑے اتارنے لگی تھیں، امرکلہ ان کے پیچھے آگئی۔
''کبھی چپ سے سوال بہتر ہوتا ہے۔'' اس کا اشارہ اس لڑکی کی طرف تھا۔
''فاطمہ جب بولنے پہ آتی ہے تو بولنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتی اور جب اسے چپ لگتی ہے تو چپ ہی ہو جاتی ہے۔''
''اس کی یہ حالت کب سے ہے؟'' اس اچھی خاصی تشویش ہونے لگی، کیونکہ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا، مگر چال ڈھال، خاموش اور آنکھوں سے تاثرات ٹپکتے تھے، تب سے جب سے میرا شیرو مرا تھا۔
''شیرو آپ کا بیٹا؟''
''ہاں شیرو، میرا بیٹا، میں اسے پیار سے شیرو کہتی تھی۔''
''اس کیا ہوا تھا، کیا عمر تھی اس کی؟'' یہ سوال مشکل تھا، امرکلہ نے ان کی آنکھوں میں کرب کی لہر کو دوڑتے دیکھ لیا تھا۔
''وہ ایک میلے میں مر گیا۔''
''میلے میں؟''
''ہاں میلے میں، جہاں لاکھ پہ ایک بندہ مر جاتا ہے، وہ لاکھوں میں ایک تھا اس لئے۔''
''کتنی سستی موت ہے یہ۔'' امرکلہ دکھ میں گھر گئی۔
''موت سستی نہیں ہوتی دھی رانی، چاہے بستی میں ہو یا کوچے میں، تنہائی میں یا میلے میں، موت...... موت ہوتی ہے، جو زندگی لے کر چلی جاتی ہے دھی رانی، وہ سستی کیسے ہوئی بھلا۔''
''دکھ دیتی ہے نا موت؟'' یہ کیسی بات تھی۔
''جو چیز سارے سکھ لے جائے، وہ دکھ تو دیتی ہی ہے۔''
''فاطمہ کی شادی نہیں ہوئی؟'' امرکلہ نے سکھی کی توجہ ہٹانے کے لئے پوچھا تھا، وہ اس کے ساتھ مل کر کپڑے تہہ کر رہی تھی۔
فاطمہ کی شادی نہ ہوتی تو بات یہاں تک کیسے پہنچتی، وہ کپڑے لے کر کمرے میں آگئی اور پیچھے کچھ جوڑے اٹھائے امرکلہ تھی۔
''جب تک میں نہ بتاؤں، تب تک تمہیں عجیب قسم کے سوال سوجھتے رہیں گے نا، امرکلہ بیٹی جب کوئی چیز معمہ بن جائے تو اسے کھول دو، اسے معمہ ہی بنائے رکھو گے تو، وہ چیز زندگی کو الجھا دے گی۔'' امرکلہ سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔
اس کے بعد کھیلنے کی باری شاید اس کی ہوگی مگر تب تک وہ یہاں سے نکل چکی ہوگی۔

"میرا شیرو فاطمہ کو پسند کرتا تھا۔" سکھی نے کپڑے سلیقے سے رکھتے ہوئے کہا، ان کے لہجے میں بھی اتنا ہی سلیقہ تھا، گھر میں بھی مزاج میں بھی۔

"سلیقہ، جو کبھی بہت بے ترتیبیوں کے بعد آتا ہے میرے شیرو نے بہت قدر کی، میں رشتہ ڈالنے گئی، انہوں نے کہا فاطمہ کسی اور کی منگ ہے، میرا شیرو پاگل بن گیا، مجھے دن رات منتیں کرنے لگا میں فاطمہ کے گھر کے چکر لگاتی رہی، وہ لوگ نہیں مانے، شیرو برے لوگوں کے جھانسے میں آ گیا، اسے دوست یار عاملوں کے پاس لے گئے، تعویذ کرانے، وہ کسی طرح سے فاطمہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا، فاطمہ اسے پسند کرتی تھی مگر شیرو تو عشق کرتا تھا، اسے نہیں پتہ تھا جب محبت عشق میں بدل جائے تو وہ رلا دیتی ہے، تڑپا دیتی ہے، عشق ہاتھ نہیں آتا، صحراؤں میں رلاتا ہے، عشق حاصل کا نام نہیں ہے، مگر اسے کون سمجھاتا، فاطمہ کی شادی ہو گئی، شیرو گھر سے باہر رہنے لگا، اکلوتا بیٹا میرا بکھر گیا۔"

"شیرو کو بچپن سے دورے تو پڑتے ہی تھے غش آ جاتے تھے، جب وہ بچپن میں کسی چیز کے لئے روتا تو آسمان سر پہ اٹھا لیتا اور پھر رو رو کر بے ہوش ہو جاتا، تب میں اسے ڈاکٹروں کے پاس پھر پھر کر جب مایوس ہوتی تو درگاہوں، فقیروں کے پاس جانے لگی، تب وہاں سے شفاء ہوئی خدا کے حکم سے، اب بھی شیرو کو دورے پڑنے لگے تھے امر کلہ بیٹی، میں اسے درویشوں کے مزاروں پہ لے کر جانے لگی، چار مہینے وہ پاگلوں کے ہسپتال میں رہا، مزید پاگل بن گیا، اوسان خطا ہو گئے، میں اسے گھر لے آئی، وہ چیزیں توڑتا تھا، شور کرتا، اپنے آپ کو مارتا، مجھے پیٹتا، روتا اور پھر غشی طاری ہو جاتی تو بے ہوش ہو جاتا، میں اسے در در پھرانے لگی، اس کا آخری ٹھکانہ قلندر کی دربار تھی، میلے کا موسم تھا، ستائیس روز ہو گئے اسے گھر سے گئے ہوئے، اٹھائیسویں روز اس کی لاش ملی مجھے، اس کے بعد میں نے سیون کا شہر چھوڑ دیا۔" وہ بہت رو چکی تھی مگر اس کے باوجود آواز میں نمی تھی، وہ ماں تھی، آنکھیں نہ روتیں تو اس کا دل روتا ہوگا۔

"فاطمہ جب تک علیحدگی لینے میں کامیاب ہو کر لوٹی، تب تک شیرو نہ رہا، وہ دن اور آج کا دن فاطمہ نے ٹھان لی کہ اب گھر نہ جائے گی، اس کا بھائی اسے رکھتا بھی کہاں، بس فاطمہ میرے ساتھ ساتھ ہوتی ہے، میں اس کے لئے شیرو کہاں سے لاؤں امر کلہ بیٹی، اس دن سے جب سے اس چپ لگی ہے، کبھی بولتی ہے تو گھر کے برتن خوف سے بجنے لگتے ہیں، چپ ہوتی ہے تو، اسے بھی دو مرتبہ شیرو والے دورے پڑے تھے، میں نہیں چاہتی وہ شیرو کی طرح چل بسے، شیرو تو گیا مگر فاطمہ اندر سے گئی، ماں اندر سے گئی، سکھی اسی دن مر گئی تھی۔"

"اس کے بعد آپ پھر قلندر سائیں کے مزار پہ گئیں؟"

"ہاں میں گئی امر کلہ، اس بار گئی، جو شعبان میں میلہ بجتا ہے، اس میں گئی تھی، پھر سے ایک بار پھر؟"

"ہاں امر کلہ ایک بار پھر، اب کون لاکھوں میں ایک تھا، قلندر سائیں کو سلام کرنے کی تڑپ اب بھی زندہ ہے تجھے بھی لے جاؤں گی، مگر میلے کے دنوں سے ہٹ کر، تو بھی لاکھوں میں ایک ہے، فاطمہ بھی تو لاکھوں میں ایک ہے نا، وہ بھی لاکھوں میں ایک تھا، اس کی عمر بھی ستائیس سال تھی

اور وہ بھی ستائیس روز سے درگاہ پر تھا۔"
"کون تھا؟" امر کلہ کو تجسس ہونا تو نہیں چاہیے تھا، مگر ہوا ضرور تھا۔
"ملنگ تھا، کہنے لگا دین اور دنیا کے بیچ کے راستے پہ کھڑا ہوں، ایک پاؤں ایک طرف، دوسرا دوسری طرف، پاگل کو یہ نہیں پتہ تھا کہ مسئلہ دین اور دنیا کا نہیں ہے عشق اور زندگی کا ہے، یا عشق بچے یا حیاتی، چار دن سے بخار میں پھنک رہا تھا، چوتھے دن جب میں گئی تو نظر اس پر پڑی، سمجھ گئی کہ اب تو ملنا ضروری تھا، بڑا بے چین تھا، آنکھوں میں سمندر تیرتا تھا اس کی، چوکھٹ پہ بیٹھا تھا۔" امر کلہ کی آنکھوں میں جانے کیوں علی گوہر کا چہرہ اتر آیا۔
"کہنے لگا، بھٹک گیا ہوں۔"
"میں نے کہا کس کی تلاش میں ہو؟"
"کہنے لگا خدا کی تلاش ایک پہیلی ہے، میں خدا جانے کہاں ہوں۔"
"میں نے کہا بچے پہلے خود کو تلاش کر لو۔"
"کہنے لگا امر کلہ کہ خود کو بہت سی جگہوں پہ کھویا ہے، کہاں سے خود کو ڈھونڈوں گا، جمع کروں گا، تلاش کروں گا، کتنی جگہوں پر خود کو کھو دیا ہے۔"
"ایک ملنگ وہاں بیٹھا تھا اس نے اسے کہا بھاؤ تلاش کرنا چھوڑ دو، جو پورا ہے وہ خدا ہے، انسان تو ادھورا ہے، چھوڑ دو یہ کھیل تماشہ، باری کھیلو اپنی باری، وہ آرہا ہے تجھے لینے کے لئے، سفید داڑھی والا تیرا باپ آرہا ہے، کل سے رویا ہے تیری ماں نے رو رو کر آنکھیں سمندر کر لی ہوں گی، تجھے اپنے دیس لوٹنا ہے۔" ملنگ کہہ کر اٹھ گیا۔
"لڑکا رونے لگا، کہنے لگا حاضری قبول نہ ہوئی میری، میں نے اسے ایسے چپ کرایا، جیسے شیرو ہو۔"
"میں نے کہا تو شیرو ہے نا؟ ماں شیرو کہتی ہے تجھے۔"
"کہنے لگا ماں مجھے علی گوہر کہتی ہے۔"

☆☆☆
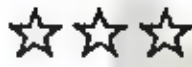
اس ساری بات سے ایک دن قبل، لاھوت سب کے سامنے باپ کے آگے زمین کی فائل لئے کھڑا تھا۔
"میں جانتا ہوں ابا سائیں آپ نے زمین پر محنت کی، زمین کو بڑھایا زمین کی دیکھ بھال کی، یہ زمین آپ ہی کی ہے، مگر بڑے ابا کی زمین میں چاچا کا حصہ شرعی طور پہ نکلتا ہے، انہوں نے زبانی عاق کیا تھا، غصے میں کہہ دیا تھا مگر اپنی وصیت میں وہ لکھ گئے تھے کہ اگر عبدالحادی واپس لوٹا اور اپنی زمین مانگی تو اسے زمین دے دی جائے، وہ نہیں لوٹے مگر ان کی بیٹی ہے ہمارے پاس۔"
امرت نے بہت حیرت اور اشتیاق سے اس کی طرف دیکھا تھا، اسے لاھوت سے اتنے بڑے اسٹیپ کی امید کہاں تھی۔
"آپ کا سب کچھ مجھے ہی سنبھالنا ہے اور چاچا کی ملکیت اس کی اکلوتی بیٹی کی ہی ہو گی، میں ان کو ان کا حق ضرور دوں گا۔" ماں نے لاھوت کو چپ ہونے کا اشارہ دیا مگر وہ کسی کی طرف بھی

نہیں دیکھ رہا تھا، وہ بیمار خود سر مغرور باپ کے سامنے تن کر کھڑا تھا، یہ اس کا وقت تھا
''میں چاہتا ہوں یہ حق آپ خود اپنے ہاتھوں سے دے جائیں تا کہ آپ سرخرو رہیں۔''
بوڑھی آنکھوں نے ٹھٹک کر دیکھا اور اس ایک جملے پہ جیسے یقین ہو گیا، اپنی موت کا، عنقریبی موت کا، ان کا سگا بیٹا ان کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا، حق دے جائیں، مطلب وہ ذہنی طور پر تیار تھا، ان کے اندر کرب کا ایک احساس ابھرا۔
''مجھے یا آپ کو، سب کو اپنے اصل دیس لوٹنا ہے ابا سائیں، میں نے بھی تو مرنا ہے۔''
لاھوت کی ماں اس جملے پر تڑپ اٹھی۔
''میں نہیں چاہوں گا کہ میں جانے سے پہلے بہت غلط فیصلے کر کے لوگوں کی زندگی مشکل بنا کے جاؤں، سب کچھ خاک ہے، زمین بھی خاک ہے، ہم بھی خاک ہیں، خاک کو خاک ہی ہونا ہے، پھر خاک پہ کیسا جھگڑا۔'' اس نے فائل ان کے سرہانے رکھ دی۔
''اس پہ دستخط کر لیں تو مجھے بلا لیجئے گا۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا، انہیں پتہ ہی نہ چلا کب لاھوت بچے سے بڑا اور بڑے سے مضبوط اور مضبوط سے پہاڑ بن گیا، امرت کی طرف سوالیہ نگاہیں اٹھی تھیں۔
وہ گڑبڑا گئی، کچھ سمجھ نہ آیا، کیا کہے، یہ سچ تھا کہ جو کام وہ نہ کر پائی وہ لاھوت نے کر دیا۔
اس بات کا مخالفت کا یہ مقصد تھا کہ اسے حصے سے دلچسپی نہیں اسے زمین نہیں چاہیے، وہ کیسے صفائی دیتی، اسے دلچسپی نہ سہی مگر ضرورت بہر حال تھی۔
مگر باپ کے ہوتے ہوئے وہ حصہ لے تو نہیں سکتی تھی، مگر ایک احساس تھا کہ زمین سے بے دخل کر کے نکال دینے والے شخص کو ایک بار پھر زمین کا آسرا ملے گا تو کتنا اچھا ہوگا، زندگی تبدیلی کا نام ہے، وہ پلٹتی ہے آپ کی طرف، وہ تائید بھی نہیں کر پائی، بس چپکے سے باہر آ گئی لاھوت کے پیچھے۔
''سنو رکو لاھوت۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، وہ رکا تو وہ اسے حیرت سے پھر اپنائیت کے احساس اور پھر احساس تشکر سے دیکھنے لگی، سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔
''میں یہاں لڑنے نہیں آئی تھی، یہاں آتے ہوئے میرے ذہن میں زمین بھی نہیں تھی، میں ایک بیمار کی عیادت کے لئے آئی تھی، یا پھر کوئی خونی کشش مجھے یہاں کھینچ لائی، بہر حال......
بہر حال یہ کہ مجھے وضاحت دینے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ جس لئے بھی آئی ہوں، مگر یہ آپ کا حق ہے یہ اس شخص کا حق ہے جس نے اپنے سارے حق خود ہی گنوا دیئے اور آپ نے مجھے بتایا کہ اپنا حق نہیں چھوڑا جاتا نہ ہی اپنوں کو چھوڑا جاتا ہے، میں تاریخ دہرانے لگا تھا۔'' لاھوت کھڑکی کے پاس کھڑا کھیتوں کے تاحد نگاہ سبزے کو دیکھنے لگا۔
''میں عبد الحادی بننے لگا تھا، مگر مجھے احساس ہوا کہ عبد الحادی بننے سے کچھ نہیں ہوگا، فنکار بننے سے کیا حاصل، مجھے اپنی چیزیں خود سنبھالنی ہیں، دیکھنی ہیں، میں خالی بغاوت کو چن بیٹھا، حالانکہ مجھے بغاوت کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا، میرے پاس زندگی بنانے کے لئے سہولیات ہیں، کام ہیں، وقت ہے۔''

''مگر آپ کو دیکھا تو احساس ہوا آپ نے کتنا کچھ کھویا ہے، کتنا کھو رہی ہیں، آپ نے اپنے فیوچر کو ذرا محفوظ نہیں کیا، نوکری چھوڑ کر آ گئیں، کچھ نہیں سوچا، منگنی ٹوٹ گئی، معاملات تیزی سے بگڑتے گئے، خالی کشتی میں کھڑی ہیں، پھر بھی کشتی کو مضبوطی سے تھامے کھڑی ہیں، کشتی کی رسی کو تھامے۔'' امرت اس کی آنکھوں میں جھانکتے مسکرائی۔

''اور پھر تم نے سوچا کہ مجھے زمین ہی سہارا دے سکتی ہے، ہاں دے سکتی ہے، اپنے باپ سے میں لینے میں کامیاب ہوا تو آپ کو اپنے باپ سے خود لینا ہوگی۔''

''میں نے اپنے حصے کے کام کا آغاز کر دیا ہے، میرا باپ۔'' امرت ایک لمحے کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔

''لاھوت ایک کام کرنا، جب کاغذ پر سائن ہو جائے تو کاغذات لے کر اپنے چاچا کو دے آنا۔''

''میں اب ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی، اپنی کشتی کو نئے رخ پہ مجھے خود موڑنا ہے، زندگی کے تلخ تجربات سے گزرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ باپ میرے لئے صرف ایک ماضی کی تختی ہی رہا، نام تک محدود حوالہ، مجھے اب کوئی ضرورت نہیں نئے رشتے بنانے کی۔'' اس کے لہجے میں کیا کچھ تھا، شکایت دکھ مایوسی۔

''نئے رشتے امرت۔'' وہ چونکا، پھر مسکرایا تھا۔

''باپ کا رشتہ نیا ہے۔''

''نہیں لاھوت مگر احساس نیا ہے، مجھے عادت نہیں رہی شفقت کی میں کڑے وقت سے نکل آئی ہوں، مجھے اب ان کی ضرورت نہیں رہی، مجھے زندگی کو ہموار کرنے کے لئے محنت کرنی پڑے گی، ماں کے آنے سے پہلے مجھے یہاں سے جانا ہے، اس کے بعد میرے خدا نے میرے لئے کیا ٹاسک رکھا ہے اسے کھیلنا ہے، زندگی میں ہار دیا جیتو، مگر کھیلو ضرور جو کھیلتا نہیں ہے لاھوت، وہ صرف تماشائی بن کر رہ جاتا ہے اور مجھے تماشائیوں جیسی بے بسی اور کھوکھلی زندگی نہیں گزارنی، ہر انسان اپنے لئے بقاء کی جنگ لڑتا ہے، تم بھی لڑ رہے ہو، میں بھی لڑ رہی ہوں، جب کوئی میدان سے بھاگنے کی سوچتا ہے تو وہ موت مانگتا ہے، موت مانگنا بزدلی ہے، تسلیم کرنے اور ماننے میں بڑا فرق ہے، ہمیں پتہ ہے یہ ہماری تلاش میں ہے جب ہاتھ لگے دبوچ لے گی۔''

''مگر ہم جتنا بھی جی سکتے ہیں، اتنا بے بسی سے کیوں جئیں، زندگی کی آخری سانس تک کیوں نہ لڑا جائے، مجھے زندگی گزارنے کے لئے یہی حوصلہ درکار تھا، جو آپ سے ملا۔'' اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اور مجھے یہ حوصلہ زندگی سے ملا، حالات سے ملا، میں نے بھی زندگی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔''

ادھ کھلے دروازے کے کچھ فاصلے پہ کھڑی لاھوت کی ماں کی آنکھوں میں شک کے سوال نے یقین کا سکہ پھینکا، وہ ادھ کھلے دروازے سے ہٹ کر شوہر تک آ گئیں۔

''لکھ دیں سائیں، یہ سب آپ کے بیٹے کا ہی ہے، آج یا کل، وہ بھی تو ہمارا خون ہے، ہم اسے کہیں جانے تھوڑا ہی دیں گے، لکھ دیں سائیں، لاھوت کو بچا لیں، وہ باغی نہ ہو جائے ہم سے،

وہ لاھوت کو کھینچ کر لائی ہے، وہ اسے یہاں بسا بھی سکتی ہے، لکھ دیں سائیں، اسی میں عافیت ہے، ان کا کم ہمارا فائدہ زیادہ ہے۔'' اس مضبوط اصول کے ضدی شخص نے زندگی میں پہلا یہ کام تھا جو بیوی کی مرضی سے کیا تھا، مگر اس کو کرانے کی مجبوری اولاد تھی۔

☆☆☆

کتنے دن بعد وہ اپنے شہر میں آئی تھی، اپنی گلیوں میں، جہاں ایک بار چوروں کی طرح داخل ہوئی تھی، گھر کے دروازے کا تالا ٹوٹا ہوا تھا۔

''کتوں نے گھات لگائی ہو گی یہاں پر، وہ تو شکر ہے کوئی قبضہ کر کے نہیں بیٹھ گیا، اس کے کچھ رشتہ دار یہاں رہتے ہیں انہوں نے اس گھر کی اتنی رکھوالی ضرور کی تھی کہ بس یہاں کسی کا قبضہ نہیں ہونے دیا، نہ خود کیا، وہ گھر جیسے صدیوں کا ویرانہ لگتا تھا۔''

وہ رشتے کے ماموں سے ملی، بات کی، ابھی کچھ اور لوگوں کو یہ کباڑ خانہ دکھانا تھا، اسے یہ کباڑ خانہ ہی لگا۔

جب وہ یہاں رہتی تھی تب سوچتی تھی اس کے گھر جتنا برا کسی کا بھی گھر نہیں ہوگا، مگر ابھی حقیقی معنوں میں اسے یہی لگا، اسے دکھ سا ہوا، لوگ بدلتے ہیں، اچھائی کی طرف سفر کرتے ہیں، دیواروں پہ رنگ و روغن چڑھتا ہے لوگ خود پتھریلے ہو جاتے ہیں، وقت آگے لے کر جاتا ہے، مگر اسے لگا وقت نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہے، وہ بہت ابتر حالات میں تھی اور اس کا گھر بھی۔

درحقیقت انسان خود اپنی ابتری کا ذمہ دار ہوتا ہے مگر وقت پر ڈال کر مطمئن ہونا اس کی عادت ہے۔

اس نے ایک کمرے کی صفائی کر کے اس قابل بنا دیا کہ ایک دو دن گزارا کیا جا سکے، رشتے کے ماموں نے اسے کھانا کھلایا پانی پلایا، وہ ان کے گھر میں کچھ دیر آرام کے لئے بھی لیٹ گئی، شام ہونے لگی تھی، اسے ماں کو فون بھی کرنا تھا اور رات کے وقت اسے دوسروں کے گھروں سے ڈر لگتا تھا، اس نے سوچا یہاں بھی اگر کوئی مسافر خانہ یا مزار مل جائے تو رات بڑے مزے سے وہاں بسر کی جا سکتی ہے، مگر اسے فوری طور پر امرت کی یاد آئی۔

تو بہتر تھا اب وہ اس کا سامنا کر ہی لے، اس نے کپڑے تبدیل کیے فریش ہوئی، شام کی چائے پی کر ان کا شکریہ ادا کر کے گھر سے نکل آئی، امرت کے پرانے گھر کا رستہ، اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا، مگر اندازہ تھا، وہ اندازے سے گئی، ایک دو لوگوں سے رک رک کر پتہ بھی پوچھا گھر مل گیا۔

مگر گھر کا دروازہ بند تھا، اسے پتہ لگا کہ وہ بورڈ میں ملازم ہے، اسے ادبی بورڈ کے دفتر کا پتہ یاد تھا وہاں ملازم نہیں تھے، مگر دفتر کھلا تھا۔

سیکرٹری عجیب سر پھرا تلخ آدمی تھا، اس کا نام سن کر ہی ابل پڑا، اسے برا بھلا کہنے لگا، وہ الجھ گئی، بری طرح سے، دفتر سے نکلی، کلرک نے بتایا کہ وہ پچھلے مہینے نوکری چھوڑ کر جا چکی ہیں۔

اس نے اسے مس یاسمین کا نمبر دیا تھا کہ ان سے پوچھے، وہ پی سی او تک آئی، نمبر کئی بار ملانے کے بعد کال اٹھائی تھی۔

اس نے بتایا کہ امرت کا پتہ چاہیے اس کی کالج کی دوست ہے ملنا ہے، وہ پہلے بوکھلا گئیں کہ یہ اچانک کون سی دوست ہے جو اتنے عرصے بعد نکل آئیں۔

پھر انہوں نے سوچا ہو سکتا ہے کوئی فراڈ ہو، امرت کے منگیتر کی کوئی سازش ہو، فون بند کر دیا اس نے کئی بار ملایا، ملاتی رہی، آخر کار بیل جاتے جاتے پھر ریسو کیا فون، ان کا بس نہیں چل رہا تھا، فون میں سے اسے کاٹ ڈالیں۔

''آپ نے کبھی امر کلہ کا نام سنا ہو گا اس کے منہ سے، میں وہی ہوں، بہت عرصے بعد اپنے شہر آئی ہوں، ملنا چاہتی ہوں اس سے، مجھے اس کا ایڈریس دے دیں، آپ کو آپ کے خدا کا واسطہ ہے۔'' جذباتی بلیک میلنگ پر وہ خود ذرا جذباتی ہو کر پھر سوچنے لگیں کہ میں نے تو کبھی تمہارا نام نہیں سنا۔

''ہاں مگر اتنا بتا دوں کہ ماں باپ اس کے حج پہ گئے ہیں وہ کہاں ہے یہ نہیں پتہ، عمارہ کا نمبر دیتی ہوں، اس سے پوچھ لو، اس کا انداز تھا کہ میری جان چھوڑو۔'' اس نے عمارہ کا نمبر نوٹ کیا۔

''عمارہ۔'' سنا سنا سا نام تھا، امرت کو کوئی کھڑوس بدمزاج کزن اس نام کی تھی تو سہی اور کہاں سے سنا۔

وہ سوچنے کی تکلیف میں زیادہ پڑنا نہیں چاہتی تھی اس نے نمبر ملایا، ایک دو تین، چوتھی بیل پر کال ریسو کی گئی۔

''جی ہاں عمارہ بول رہی ہوں، آپ کون؟ امرت کا پتہ چاہیے؟''

''مگر آپ اپنا تعارف تو کرا دیں۔''

''کیا؟ امر کلہ۔'' عمارہ نے بلند آواز میں نام لیا تھا، کسی کو جاء نماز پہ کھڑے کھڑے جھٹکا لگا تھا۔

(جاری ہے)

مریم ماہ منیر

''موتیا ہوتی تو دیکھتی خود اپنی نظروں سے کتنی اچھی سبزی کاٹتی تھی۔'' دادی نے آنکھوں پر لگا چشمہ اتار کر خود پر اوڑھی چادر کے کونے سے صاف کیا۔

ان کے اس بات پر مومو پوری جان سے جل اٹھی اور تو کچھ نہ بن پڑا تو سامنے ٹرے پر دھری سبزی پر ہی چھری کی مدد سے غصہ نکالا۔

''اے باولی ہوئی ہے، اب کیوں تڑپ پڑی ہے، موتیا کے نام پر۔'' قریب ہی پیاز چھیلتی اماں نے دادی سے نظر بچا کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''اماں! میرا بس چلے نا، تو اس چھری کی تیز نوک سے موتیا کا کچومر بنا دوں۔'' موموں نے ٹرے پر دھرے درمیانی سائز کے آلو میں چھری کی نوک گھسیڑ کر دانت کچکچا کر بولی۔

''پھر بھی درگت تیری ہی بنے گی، موتیا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔'' پیاز کی تیزی نے اماں کی آنکھوں میں پانی بھر دیا تھا۔

''اماں!'' وہ جھنجلائی۔

''ہوں، لگتا ہے لگی ہے تیرے دل پہ۔'' اماں نے اوڑھی چادر کے پلو سے آنکھیں مسلیں۔

''لگتی ہے میرے پیر کی جوتی اس موتیا کے منہ پر۔'' موموں کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

''چل اب بس کر، سچ میں اپنی درگت بنوائے گی دادی کے ہاتھوں۔'' اس کے غصے کا گراف دیکھ کر اماں نے لہجے میں نرمی سموئی۔

''لا کے دکھا موموں، کیسی کاٹی ہے سبزی۔'' صحن میں بچھی چارپائی پر دراز دادی کی آواز کچن تک آئی۔

''میں نہیں جا رہی۔'' وہ انکاری ہوئی۔

''موموں!'' اماں نے گھرکا۔

''سچ اماں! پھر نقص نکالیں گیں دادی میری کٹی سبزی میں، الٹا موتیا کے طعنے الگ، موتیا ہوتی تو ایسی ہوتی، موتیا ہوتی تو ویسی ہوتی۔'' موموں نے ناگواری سے اپنے دل کا خدشہ بیان کیا۔

''نہیں کہتیں، دادی ہیں تیری، اگر کہتی ہیں تو تیرے بھلے کو۔'' اماں نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

''اپنے اس بھلے کو رکھیں اپنے پاس میری بلا سے بھاڑ میں جائے موتیا اور موتیا کی کٹی سبزی۔'' اماں کی بات پر موموں جھنجلائی۔

''جانا موموں، دادی بلا رہی ہیں۔''

''اماں!'' اس نے منہ بسورا۔

''تو نہیں جائے گی تو وہ آ جائیں گیں۔''

''دادی کو آخر تکلیف کیا ہے؟''

''تکلیف تیری دادی کو نہیں تجھے ہے موتیا سے۔'' اب کی بار دادی واقعی کچن کے دروازے پر موجود تھیں۔

''دادی! آپ کے بھی کان کتنے تیز ہیں نا۔'' لہجے کی ناگواری ہنوز قائم تھی، اس نے چھری سے آخری چھلے آلو کے چھوٹے ٹکڑے کیے۔

''اور نظر اس سے بھی تیز۔'' دادی نے

دوبدو جواب دیا۔

''چشمہ اتار دیں تو نظر کی تیزی بھی کم پڑ جائے گی۔'' مومو کے اس بیان پر اماں کے ہونٹوں کے کونے پھیلے، وہ مسکراہٹ چھپانے کو سر جھکا کر تیزی سے پیاز کاٹنے پر زور دینے لگیں، دادی نے اماں کو گھورا اور پلٹ گئیں۔

''اب بتائیں دادی کیسی کٹی سبزی۔'' کچھ دیر بعد ہی مومو اس کے قریب چارپائی پر بیٹھی، کٹے آلوؤں کی ٹرے پاس میں رکھے بولی۔

''ہوں، ٹھیک ہے لیکن اگر۔'' دادی جانچتی

نظر کٹے ہوئے آلوؤں پر ڈالی، ٹرے میں آلوؤں میں ہاتھ مار کر جائزہ لیا اور کہنے کو لب کھولے۔

''بس دادی اس اگر کے آگے ایک لفظ بھی مزید نہیں کہنا آپ نے نہیں تو۔'' مومو نے دادی کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے فقرے کے اگلے الفاظ کا اندازہ کرتے ہوئے ٹوکا۔

''نہیں تو......؟'' دادی کا انداز سوالیہ تھا۔

''نہیں تو سالن میں مرچ تیز کر دونگی، پھر کھاتے وقت سوسو کریں گیں۔'' موموں نے صاف کھلے الفاظ میں دھمکی دے ڈالی۔

اس کے دھمکی آمیز جملے کو سن کر دادی کے جوش میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی تھی جو مومو کے لئے کسی بڑی کامیابی سے کم نہیں تھی، دل ہی دل میں اس نے اپنے فرضی کالر جھاڑے۔

''ہوں، مومو سبزی کاٹ لی ہے تو یہ پیاز بھی پکڑو اور جلدی سے ہنڈیا چڑھاؤ۔'' اماں نے قریب آ کر اس کے ہاتھ میں کٹی پیاز والی ٹوکری پکڑائی۔

وہ اپنے سامنے پڑی ٹرے اٹھائے کچن کی جانب بڑھی کہ دادی کی آواز اسے پشت سے سنائی دی۔

''موتیا کو سالن میں مصالحوں کے استعمال کا صحیح اندازہ ہوتا تھا، نہ کم نہ زیادہ، مناسب اندازہ، مجال ہے جو ایک چٹکی بھی مصالحے میں کمی بیشی ہو جائے۔''

مومو کے پیر پر لگی اور سر پر بجھی تھی، دل چاہا سالن میں پورے کا پورا مرچ کا ڈبہ ڈال دے لیکن صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گئی، اپنی انقلابی سوچ کو عملی جامہ نہ پہنا سکی تھی کیوں کہ کچھ بھی ہو موتیا سے چاہے لاکھ درجے کا بیر ہو، لیکن اس سے مقابلہ بازی الگ تھی۔

موتیا کون تھی؟ کہاں رہتی تھی؟ کیا کرتی تھی؟ یہ وہ چند سوال تھے جن کا جواب آج تک سومو کو نہ مل سکا تھا، کتنے سال ہو گئے تھے ان سوالوں کے جواب ڈھونڈتے ہوئے، اس نے انگلیوں کی پوروں پر گنتے سالوں کی گنتی شمار کرنی چاہی۔

ایک...... دو...... تین...... چار پانچ......

چھ...... سات...... سات سال، سات سال پہلے اس کا اور موتیا کا تعارف ہوا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس سے پہلے وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی، پورے چودہ سال اماں ابا، دادی پھوپھی، اماں ابا کے رشتہ داروں کے دلوں پر راج کیا تھا گھر بھر کی لاڈلی رہی تھی، اماں کی نظر کی ٹھنڈک تو ابا کی کوکتی کوئل، دادی کی جان تو پھوپھی کی منظور نظر۔

''جو کہہ دیا، وہ گھر بھر کے لئے فرض، جس چیز پر ہاتھ رکھ دیا، وہ گھر بھر کے لئے اس کے سامنے لانا فرض، چاہے وہ نیلی آنکھوں والی گڑیا ہو یا پھر محلے کی ڈرائی فروٹ کی دکان سے آدھی رات کو مونگ پھلی لانا، خواہش اس کی زبان سے بعد میں ادا ہوتی تھی، اس خواہش کا پورا ہونا، کیسے کس طرح، گھر کے باقی افراد کی دردسری تھی، اس لاڈ پیار میں کبھی کبھار اماں کی روح میں بستی سگھڑ اپے کی عورت جاگ اٹھتی تو اماں کا دل کچھ پل کو ہول جاتا۔''

''ہائے لڑکی ذات ہے۔''

''کیوں پریشان ہوتی ہے، فضول کی باتیں سوچ کر۔''

''اماں بڑی ہو رہی ہے، کل کو ہاتھ پیلے کرنے ہیں، اگلے گھر بھی بھیجنا ہے۔''

''تو اماں، کچھ تو گھر داری سیکھ لے۔''

''سیکھ لے گی ابھی بچی ہے۔''

''اماں بارہ سال کی ہو رہی ہے اگلے ماہ۔''

"ساری زندگی گھر داری ہی کرنی ہے، سر پر پڑے گی تو آ جائے گی۔" دادی کی لاپرواہی ہنوز تھی۔

"پھر اماں ساری دوپہر محلے کے بچوں کو اکٹھا کیے کرکٹ کھیلتی ہے گلی میں۔" انہوں نے شکایتوں کی پٹاری کھولنی شروع کی۔

"کھیلنے کی عمر ہے تو کھیلے گی نا۔" جواب آیا۔

"اماں ضدی بھی ہو گئی ہے۔" اگلی شکایت بیان کی۔

"بچپنا ہے، تھوڑی بڑی ہوئی تو سمجھداری بھی آجائے گی۔" دادی کا لہجہ پرسکون تھا۔

"اماں بدتمیز بھی ہو گئی ہے۔" ایک اور شکایت۔

"بس بہو، خبردار جواب ایک لفظ بھی بولا مومو کے بارے میں، اے ہے، تم تو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو، جانے کون سے جنم کی دشمنی پال رکھی ہے مومو سے۔"

"اماں ماں ہوں اس کی، دنیا کے طور طریقے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں، بہت سیدھی ہے مومو۔" دادی کا انداز دیکھ کر اماں نے شکایتوں کی پٹاری بند کی۔

"مومو سیدھی ہے وہ تو میں بھی جانتی ہوں، دنیا کی طرح چالاکیاں اس کی فطرت میں نہیں، اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اسے ضدی اور بدتمیز بھی کہنا شروع کر دو، ماں نہ ہو گئی دشمن ہو گئی۔" انہوں نے ایسے لتے لئے کہ آئندہ کے لئے مومو کے خلاف کوئی بات بھی نہ کرنے کا تہیہ کرلیا، لیکن ماں ہونے کے ناطے خود مومو کو روک ٹوک کرنے کی ٹھان لی اور ابھی اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتے ایک ہفتہ بھی نہ گزرا کہ دادی کے ہاتھوں ان کی زبردست کلاس ہوئی کہ پھر انہوں نے اپنے اس ارادے کو بھی رد کر دیا کہ مومو کو اماں کی ٹوکا ٹوکی ذرا بھی پسند نہیں آئی، سیدھی دادی سے مدد مانگنے جا پہنچی، اماں کو اگر کوئی چپ کرا سکتا تھا تو دادی کی ڈانٹ کرا سکتی تھی، یہ بات مومو کو اچھی طرح معلوم تھی کہ دادی کی بات کو اماں کبھی انکار نہیں کر سکتیں، اس سلسلے میں دادی کی ہفتے میں ایک دو بار چاپلوسی کو اس نے اپنی زندگی کی عام روٹین میں شامل کرلیا تھا۔

اور پھر اگلے دو سال میں ہی دادی کو بھی اماں کی کہی بات میں سچائی نظر آنے لگی تھی۔

"مومو کے بارے میں سوچ رہی ہوں، کچھ زیادہ ہی بچپنا ہے۔" دادی نے ایک دن اماں سے کہا۔

"اماں تو آپ کو بھی احساس ہو گیا۔" اماں، دادی کی بات پر چونکیں۔

"لگاؤ اپنے ساتھ اسے گھر داری میں۔" دادی کے لہجے میں پریشانی کا عنصر غالب تھا۔

"اماں میرے بس کی بات نہیں ہے، میری تو بات پر ذرا جو کان پر جوں تک رینگ جائے، میں ذرا ٹوکوں تو فٹ سے شکایت لے کر آپ کے پاس آ جاتی ہے۔" اماں نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔

"کسی سلائی کڑھائی کے سکول میں ڈالو، دو تین ماہ لگائے گی تو ہنر سیکھ جائے گی۔" دادی نے اپنی اگلی سوچ کو الفاظ کا روپ دیا۔

"کرکٹ سے فرصت ملے گی تو کڑھائی کی طرف نظر کرے گی۔" اماں نے جواب دیا۔

"صبح تو سکول جاتی ہے، دوپہر یا شام کے کسی سلائی سکول میں ڈال دے، کپڑوں کی کانٹ چھانٹ بھی سیکھ لے، اگلے گھر جانا ہے، ہاتھ میں ہنر ہو تو سو طرح سے کام آتا ہے، برے وقت میں ہنر ہی تو ساتھ دیتا ہے۔" دادی نے

ان کی بات سنی ان سنی کر کے اگلی سوچ کو بھی الفاظ کا روپ دے ڈالا۔
''اماں! آپ کو پتہ ہے محلے کے بچے اکٹھے کر کے کرکٹ ٹیم بنا رکھی ہے، پاکستان میچ کھیلے نا کھیلے لیکن مومو کی کپتانی میں محلے کی کرکٹ ٹیم کا روز شام کو کرکٹ کھیلنا فرض ہے۔'' اماں کے اس جواب میں بھی پچھلے جواب کی طرح بے بسی کا عنصر غالب تھا۔
''میری ہر بات کے جواب میں تمہیں بہانہ سوجھ رہا ہے آخر ماں ہو اس کی، کچھ خبر بھی ہے بیٹی کی۔'' اپنی ہر بات کے جواب میں اماں کی بے بسی کی گردان پر دادی نے ایک نظر اماں کو گھورا۔
''یہی بات دو سال پہلے کی تھی میں نے آپ سے، مومو کی انہی حرکتوں اور شرارتوں کی طرف آپ کی توجہ دلائی تھی جواب میں مجھے بیٹی کی دشمن کہہ کر میری زبان چپ کرا دی تھی، آپ ہی کے لاڈ پیار نے بگاڑا ہے، اب آپ جانیں اور آپ کی پوتی۔'' اماں نے صاف ٹکا سا جواب دے کر ذمہ داری کا ملبہ دادی کے ناتواں کندھوں پر لاد دیا اور دادی بنا کچھ کہے سر جھکائے سوچ میں گم ہو گئیں۔
اگلے دو دن کے لیے دادی کو ایسی چپ لگی کہ اماں بھی پریشان ہو کر سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ آخر انہوں نے انجانے میں کوئی غلط بات تو نہیں کہہ دی لیکن سوچنے پر بھی انہیں دادی کی سوچ کا کوئی سرا ہاتھ نہ لگا۔
بالآخر دادی کی چپ ٹوٹ گئی اور انہوں نے غور و خوض میں جھکا سر اٹھایا۔
''تمہیں موتیا یاد ہے۔''
''موتیا!'' اماں نے ہنڈیا میں دھنیا ڈالتے ہوئے زیر لب کہا۔
''ہاں، موتیا، میری دور پرے کی رشتہ دار، تمہیں تو یاد ہوگا، کتنی سگھڑ تھی پورے خاندان اور آس پڑوس برادری میں اس کے سگھڑاپے کے قصے مشہور تھے۔'' دادی چند لمحے کو رکیں پھر بولنا شروع ہو گئیں۔
''گھر کے جھاڑو برتن سے لے کر سلائی کڑھائی سینا پرونا کوئی ایسا گھر داری کا کام نہیں تھا جو اسے آتا نہ ہو، صرف گھر داری نہیں پڑھائی میں بھی بہت قابل تھی پوری بارہ جماعتیں پاس کی تھیں۔'' نجانے دادی انہیں موتیا کے بارے میں بتا رہی تھیں یا سنا رہی تھیں۔
''اماں بڑا عرصہ بیت گیا، آپ کو موتیا کا خیال کیسے آیا؟'' وہ دادی کے قریب چلی آئیں۔
''جب موتیا کی ماں مری تو چند ہی ماہ میں اس نے پورے گھر کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر سنبھال لی تھی۔'' دادی نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا، جیسے کہ ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔
''تمہیں تو یاد ہوگی نا موتیا۔'' اب کی بار دادی نے ان سے تائید چاہی۔
''اماں چھوڑیں آپ بھی کہاں گڑھے مردے اکھیڑنے چلی ہیں۔'' ایک گہری سانس لیے اماں بولیں جیسے ماضی کے جھروکوں میں سے جھانک رہی تھیں۔
''سوچتی ہوں، اپنی مومو میں بھی موتیا جیسے گن آ جائیں تو اسے اگلے گھر جا کر ذرا بھی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔'' دادی نے پر سوچ انداز میں کہا۔
''آپ مومو کو لے کر اتنا پریشان نہ ہوں، دو دن سے آپ کو لگاتار ایسے ہی پریشانی میں خاموش دیکھ رہی ہوں۔''
''دو دن سے مجھے موتیا بہت یاد آ رہی ہے۔'' دادی نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''اب موتیا کا مومو سے کیا لینا دینا۔'' اماں ان کی بات پر الجھیں۔

''بچی تو نہیں سمجھے گی۔'' دادی زیر لب مسکرائیں۔

اس وقت وہ واقعی نہیں سمجھیں تھیں کہ موتیا کا ذکر کیوں ہو رہا تھا، لیکن اگلے دو دنوں میں ہی انہیں سمجھ آنے لگا تھا۔

جہاں پر دادی کا اطمینان قابل دید تھا، وہیں پر مومو کے غصے کا پارہ ہائی ڈگری پہ چڑھنے لگا تھا۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے، دادی کے چہرے پر پرسکون سی مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی اور مومو کی الجھن اور غصے میں اضافہ ہوتا ہی چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''اماں! یہ موتیا کون ہے؟''

''کون موتیا؟'' اماں نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''وہی موتیا جس کے قصیدے دادی کی زبان پر رہنے لگے ہیں۔'' مومو جھنجلائی۔

''میں کیا جانوں، اپنی دادی سے پوچھو کون ہے موتیا۔'' اماں کے لہجے کا اطمینان برقرار تھا۔

''ان سے بھی پوچھا، کوئی رشتہ دار ٹائپ چیز تھی، پتہ نہیں کہاں دفعان ہو گئی مجھے تو سمجھ نہیں آئی یہ دو دنوں میں دادی کی کون سی رشتہ دار پیدا ہو گئی جس کے سگھڑاپوں کے قصے ہی دادی کی زبان سے نہیں رک رہے۔''

''مومو! کیوں ہو رہی ہے خفا۔''

''اماں! کیا آپ کو نظر نہیں آ رہا۔''

''کیا نظر نہیں آ رہا۔'' اماں نے جیسے سارے معاملے سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

''دادی کو میرے ہر کام میں نقص نظر آنے لگا ہے، بلکہ انہیں تو میرے اٹھنے بیٹھنے پر بھی اعتراض ہونے لگا، کل کہہ رہی تھیں کرکٹ لڑکوں کا کھیل ہے، میں لڑکی ہوں مجھے نہیں کھیلنا چاہیے، اب آپ ہی سوچیں، میں ٹھہری ٹیم کی کپتان اگر کپتانی چھوڑ دی تو ٹیم کا کیا بنے گا؟'' مومو کی فکریں ہی الگ تھیں۔

''اک تیری کپتانی نہ ہونے سے زندگی رک نہیں جائے گی۔''

''اور آپ کو پتا اماں یہ سب کچھ موتیا کے آنے کے بعد ہوا ہے، نہ وہ جادوگرنی دادی کو یاد آتی نہ یہ سارا کھڑاگ پیدا ہوتا، اچھی خاصی زندگی گزر رہی تھی، اس فسادن نے آ کر ساری تباہی پھیر دی، دادی جو صبح دوپہر شام میری محبت کا دم بھرتی تھیں اب لگی ہیں اس چمک چھلو موتیا کی مالا جپنے۔''

''پہلے فیصلہ تو کر لو، موتیا ہے کون؟''

''کیا مطلب؟'' مومو چونکی۔

''وہ جادوگر ہے، فسادن ہے یا پھر چمک چھلو۔'' اماں نے ایک اور پہلو پر مومو کی توجہ دلائی۔

''ہاں ہاں کہہ دیں اب آپ کی بھی موتیا پہ پیار آنے لگا ہے، لے آئیں اسے بیٹی بنا کر میری جگہ، اب تو میری کوئی اہمیت ہی نہیں، ابا آتے ہیں شام میں، تو بتاتی ہوں ابا کو، آ لینے دیں انہیں۔'' اماں کی بات سن کر مومو نے تن فن کرتی ان کے پاس سے اٹھ گئی۔

شام ہونے کی دیر تھی کہ ابا کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ شام کی چائے لئے ان کے پاس چلی آئی۔

''مومو، خیریت ہے۔''

''کیوں ابا، میں آپ کے لئے چائے نہیں لا سکتی۔'' لہجے میں زمانے بھر کی اداسی سموئی، شکوہ

الگ، کہیں ابا کو شک نہ ہو جائے۔
"نہیں ایسی بات نہیں ہے، لیکن اس وقت تو کرکٹ کا میچ ہو رہا ہوتا ہے۔"
"ہوں، لیکن اب آپ کی مومو کی کپتانی خطرے میں ہے۔"
"ہیں..... کیا ہوا..... خیریت ہے، یہ میری رعایا تو خاصی پریشان دکھائی دے رہی ہے۔"
جواب میں مومو کی آنکھوں میں آنسو آئے۔
"کوئی ایسی ویسی پریشان اور راجہ کو خبر ہی نہیں رعایا پریشان ہے۔" مومو کے آنسوؤں میں شدت آگئی وہ جو صبح سے کئی مرتبہ رو کر پھر نہ رونے کا تہیہ کر چکی تھی، اب پھر رو رہی تھی۔
"پریشانی کی وجہ؟" ابا نے وجہ جاننی چاہی۔
"ریاست کے وزرا کی رعایا کے خلاف سازشیں۔" مومو کے آنسو پھر سے آنکھوں کی حدود توڑ کے گالوں پر لڑھک آئے۔
"سازشوں کا عنصر۔" ابا کا لہجہ مشکوک ہوا۔
"موتیا!" مختصر جواب آیا۔
"موتیا!"
"سارے فساد کی جڑ۔"
"ہے کون؟" ابا نے اگلا سوال کیا۔
"میں کیا جانوں، آسمان سے ٹپکی یا زمین کھود کر نکلی، کہاں سے آئی، ٹینشن کی پڑیا، دادی کے کہنے کے مطابق ان کی دور دراز کی رشتہ دار ہے سچ میں ابا، اب تو میں دادی کو دکھائی نہیں دیتی، سارے زمانے کی خوبیاں جو پہلے دادی کو مجھ میں نظر آتی تھیں، اس موتیا کی یاد نے بھلا دیں۔" مومو نے دل کا درد بیان کیا۔
"یاد نے، کیا مطلب؟"
"اچانک سے بیٹھے بٹھائے یاد آگئیں، دادی کو اس عمر میں تو خدا یاد آتا ہے اور یاد آئی بھی تو موتیا۔" اکھڑے لہجے میں مومو نے جواب دیا، لہجے میں حد درجہ تلخی تھی۔
"ایسے نہیں کہتے مومو۔" ابا نے دبے الفاظ میں سمجھایا۔
"تو اور کیا کہوں۔" مزید کڑواہٹ لہجے میں در آئی۔
"مسئلہ گمبھیر ہے۔" ابا نے مسئلے کا نئے سرے سے جائزہ لیا۔
"بہت۔" مومو نے زور دے کر کہا۔
"گویا دادی کی آنکھ کا تارا صرف مومو کو ہونا چاہیے۔" ابا جیسے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولے۔
"سو فیصد، میری تو ویلیو ہی ختم کر دی اس موتیا نے۔"
"دیکھتے ہیں۔" ابا پرسوچ انداز میں بولے۔
اسی شام کمرہ عدالت لگی، فرد جرم عائد کی گئی، چشم دید گواہ مومو کو بھی بلایا گیا اور پھر مومو کو کمرہ عدالت سے باہر بھیج دیا گیا، نجانے اماں دادی اور ابا کے مابین کیا بات ہوئی، کہ کچھ دیر بعد عدالت برخواست ہوئی تو اسے اکیلے میں بلایا گیا اور ابا نے بھی اس معاملے سے برطرفی کا کھلا اعلان کر دیا۔
"ابا! مومو کا برے وقت میں ساتھ چھوڑ دیا۔"
"تمہاری دادی کے آگے میری نہیں چلی۔" ابا نے بے بسی ظاہر کی۔
"آپ نے ٹھیک نہیں کیا، رعایا کی پریشانی دور کرنا راجا پر فرض ہے۔" وہ اپنی امیدوں پر پانی پھرتا دیکھ کر خفگی سے بولی۔
"اس معاملے میں راجا بے بس ہے۔" ابا نے صاف انکار کیا، تو وہ چپ سی ہو گئی۔

''ابا ایک بات تو بتائیں۔'' چند لمحوں بعد اس کی چپ ٹوٹی۔

''ہوں۔'' انہوں نے ہنکارا بھرا۔

''آپ جانتے ہیں موتیا کو؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہ کیا بیٹھے بٹھائے سوال سوجا۔'' ابا چونکے۔

''بھئی دادی کی دور پرے کی رشتہ دار ہیں تو کبھی تو ملے ہونگے آپ ان سے۔'' بڑی امیدوں سے جاننا چاہا کہ ہو نہ ہو ابا کو علم ہوگا موتیا کے بارے میں لیکن جواب ندارد وہ پوچھتی ہی رہ گئی لیکن ابا نے اس معاملے میں صاف لاعلمی کا اظہار کیا۔

بس ابا ایک آخری امید تھے جو اس موتیا سے اس کی جان خلاصی کر سکتے تھے، اب وہ امید بھی ختم ہو گئی، لیکن انجانے میں ایک مقابلے بازی چل پڑی۔

''مومو اور موتیا کے مابین۔''

کہیں یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی کہ وہ دادی کو بتا کر ہی دم لے گی کہ وہ موتیا سے لاکھ درجے بہتر ہے، بلکہ اس میں موتیا سے زیادہ صفات موجود ہیں۔

ایک دن آئے گا دادی کو بھول جائے گا کہ موتیا کون تھی، یاد رہے گی تو صرف مومو اور مومو کا سگھڑاپا۔

☆☆☆

ایک چیلنج تھا جو اس نے کیا تھا، لیکن چند ہی دنوں میں وہ ہارنے لگی تھی، ہر کام دل سے کرنے کی کوشش کرتی لیکن کہیں نہ کہیں دادی موتیا کا ذکر لے کر اس کے کیے کام میں کیڑے نکالنے لگتیں۔

کپڑے دھو کر تار پر سکھانے ڈالتی کہ دادی کو یاد آ جاتا کہ موتیا کپڑوں کو ڈال کر چٹکیاں بھی لگاتی تھی۔

وہ سالن جی جان سے پکا کر ابھی چولہے سے ہٹتی بھی نہیں تھی کہ دادی کو یاد آ جاتا، موتیا کچن میں کھانا پکا کر چولھا بھی صاف کرتی۔

سخت تھکن کے باوجود وہ موتیا سے سبقت لینے کی خاطر، نہ چاہتے ہوئے بھی چولھا صاف کرنے بیٹھ جاتی۔

ابھی باورچی خانہ سے نکلتی بھی نہ کہ دادی کو موتیا کی کچن کے کیبنٹ کی صفائی یاد آ جاتی۔

موتیا کی سلائی کی صفت نے اس کو دنوں میں ہی کپڑوں کی کٹائی سے لے کر سلائی کا ماہر کر دیا تھا۔

پہلی قمیض دادی کی سی اور داد لینے کے پاس پہنچی تو چند لمحے تو دادی خاصی گہری نظروں سے معائنہ کرتی رہیں، کہ مومو کو یقین ہو گیا کہ اب اس نے سلائی کے میدان میں موتیا کو بچھاڑ دیا، لیکن اگلے ہی لمحے اس کا خواب کرچی کرچی ہو گیا۔

''موتیا ہوتی تو قمیض کے دامن کی ترپائی کرتی، مومو اگلی مرتبہ ترپائی کرنا، دامن پر ترپائی سے قمیض کی خوبصورتی دکھائی دیتی ہے اور سینے والے کی مہارت۔''

اسی موتیا سے جلاپے نے اس کی کرکٹ کپتانی ختم کرائی، شام میں اس نے اماں کو کہہ کر سلائی سکول میں داخلہ لیا۔

تین ماہ کا کورس ایک ہی ماہ میں پورا کر کے سرٹیفکیٹ لیا لیکن دادی کی زبان سے موتیا کا نام نہیں ہٹا۔

''کسی دن صبح سویرے دادی سو کر اٹھیں اور ان کی یادداشت سے موتیا نکل جائے۔'' اس کے دل کی حسرت حسرت ہی رہی، وہ اس دن کا

انتظار ہی کرتی رہ گئی اور اگلے تین ماہ میں اس نے بیکنگ کنگ کے سرٹیفکیٹ نہ صرف حاصل کیے بلکہ باورچی خانے کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اماں کو کچن سے ریٹائر کر دیا۔

''میری بیٹی کتنی سگھڑ ہو گئی ہے۔'' اماں کی ماماتا انڈی۔

''ہمیشہ سے تھی پر کبھی آپ نے میرے ٹیلنٹ کی قدر ہی نہیں کی۔'' نکا جواب آیا، جواب میں اماں مسکرائیں۔

''ایک دن دادی بھی کریں گئیں۔'' بے خیالی میں سوچ کو الفاظ کا روپ دے بیٹھی۔

''کیا؟'' اماں نے پوچھا۔

''میرے ٹیلنٹ کی قدر اور اس دن موتیا انہیں یاد بھی نہیں رہے گی۔'' یوں مومو اور موتیا کی جنگ میں اس نے بی اے کیا تو ساتھ ہی گھر میں اس کی شادی کا ذکر شروع ہو گیا۔

اس کی شادی طے ہونے کی دیر تھی کہ دادی اور اماں کی ڈانٹ ڈپٹ کرتی زبان بالکل ہی خاموش ہو گئی، خاموش ہونا تو دور کی بات، انداز ہی بدل گئے۔

پہلے جن رشتہ داروں اور ہمسایوں کے سامنے اس کے نکما اور شرارتی ہونے کے قصے خوب بڑھ بڑھ کر سنائے جاتے تھے انہی کے سامنے اس کی ان ان صفات کا بیان کیا جاتا تو کبھی وہ خود بھی سن لیتی تو شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک مرتبہ خود سے پوچھتی ضرور تھی۔

''کیا مجھ میں بھی اتنی خوبیاں ہو سکتیں ہیں۔''

ابھی آئینے میں اس کا نظر آتا عکس پہلے سوال کا جواب بھی نہ دے پاتا کہ فٹ سے وہ خود سے دوسرا سوال کر بیٹھی۔

''آخر دادی کو اس میں یہ گن کیسے دکھائی دیے گیا۔''

''اور اماں کو کیسے علم ہوا کہ اس کی ذات میں یہ خوبی بھی ہے۔''

اس کی گرہستی کے وہ قصے بیان کیے جاتے کہ کبھی کبھی تو وہ خود ہی خوش ہو کر اپنا کندھا تھپتھپا دیتی۔

دادی اور اماں کی زبان سے اس کی تعریفیں شروع ہوئیں تو اس کے دل و دماغ سے موتیا بھی غائب سی ہونے لگی۔

☆☆☆

شادی ہوئی تو وہ سب کچھ بھول گئی کبھی کبھار اسے خیال بھی آجاتا تو اس کی ساس اور نند گھر میں آئے گئے کے سامنے اس کی تعریف کے انبار میں موتیا کا کبھی کا خیال بھی محو ہو جاتا، اسی اثناء میں وہ ایک بیٹی کی ماں بن گئی، اس کے وجود اور ذات کو ایک بہت ہی انوکھے جذبے نے اپنے حصار میں لے لیا۔

''مائرہ۔'' اس کے شوہر نے نام رکھا۔

خود اس کے وجود پر ماں بننے کے ساتھ ہی ایک متانت اور سنجیدگی در آئی، کبھی کبھار اپنا بچپن سوچتی تو حیرت ہوتی۔

زندگی بھی کیسے کیسے اپنے رنگ دکھاتی ہے، لڑکپن سے لے کر ماں کی ماماتا تک کا سفر۔

کوئی یقین ہی نہ کر پاتا کہ بچپن کی نکھٹو اور شرارتوں سے گھر اور محلے والوں کا ناک میں دم کرنے والی اب ماں کے روپ میں ایک بردبار سی خاتون کیسے ہو سکتی ہے، معجزہ ہی تو تھا، لیکن یہی اصل حقیقت تھی۔

بیٹی کی ماں بن کر اسے صحیح معنوں میں پتہ چلا تھا کہ بیٹی کی پرورش کس قدر جان جوکھوں کا کام ہے۔

☆☆☆

دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا، اس گزرتے وقت کے ہر پل میں اس پر آگہی کا ایک نیا دور اہوتا تھا۔

کبھی کبھی مائرہ کی شرارتوں سے تنگ آجاتی تو اماں سے ملتے ہی سوال کرتی۔

''اماں سچ بتائیں مجھے کیسے سنبھالتی تھیں، میرا تو ناک میں دم کر رہی ہے مائرہ۔''

''تجھ پر گئی ہے، تو بھی ایسی ہی تھی، سارے گھر میں کوئل کی طرح کوکتی۔'' صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اماں نے جواب دیا۔

''توبہ ہے اماں، آپ کو اس کو رولا کوئل کی کوک سنائی دیتا ہے۔'' جواب میں اماں نے خاموشی سے چپل اتاری اور ٹانگیں چارپائی پر کر لیں۔

''اور اماں اگر یہ مجھ پر گئی ہے تو میں کس پر چلی گئی؟'' موموکی سوئی کہیں اٹک سی گئی، وہ سخت عاجز تھی مائرہ کی شرارتوں سے۔

''اپنی پھپھو پر، تیری دادی کہتی ہیں تیری سکینہ پھپھو تیری طرح تھی۔'' اماں چارپائی پر نیم دراز ہوتے ہوئے ماضی کی بھول بھلیوں میں گم سی ہوگئیں۔

''اماں!'' موموان کے قریب چارپائی پر ٹکی اور ان کا گھٹنا ہلایا۔

''ہوں۔'' اماں نے دھیمے سے ہنکار بھری۔

''اب تو زندگی گزر گئی لیکن کبھی تو میں موتیا سے نہیں ملی، مجھے تو خیر اب سسرال کے جھمیلوں سے فرصت نہیں لیکن پھر بھی موتیا گھر آئی تو مجھے فون کر دینا، مجھے اس سے ملنا ہے۔''

''موتیا، آج تجھے کیسے یاد آگئی۔'' اماں ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولیں۔

''بس ایسے ہی۔''

''اس سے اب کیا ملنے کا فائدہ اور پھر مل کر کیا کرے گی۔'' اماں دوپٹے کا پلو منہ پر ڈال کر بڑبڑائیں۔

''بس دل کرتا ہے حسرت ہے کبھی تو اسے جاگتی آنکھوں سے دیکھوں ایک خواب پیکر بنالیا تھا آپ کی اور دادی کی باتوں کو سن سن کر، کبھی خواب سے نکل کر نظروں کے سامنے بھی تو دیکھوں، کون ہے موتیا؟ دیکھنے میں کیسی ہے؟ ویسی ہی جیسا میں نے اس کا خواب میں پیکر تراشا یا پھر اس سے الگ۔'' سالوں پرانا دل کے کسی کونے کھدرے میں دبا تجسس پھر سے سر ابھارنے لگا۔

''سمجھ جائے گی۔'' اماں نے دوپٹے کا پلو منہ پر سے اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''کیا سمجھ جاؤں گی؟''

''کبھی تو موتیا کے ذکر کو لے کر تنگ ہوتی تھی تو میں تیری دادی سے کہتی کہ موموسمجھ نہیں سکی موتیا کو، تو جواب میں تیری دادی کہتی تھیں سمجھ جائے گی وقت آنے پر، ایک دن تو سمجھے گی موتیا کو، میری مومو بہت سمجھ دار ہے لیکن ابھی بچی ہے، اسے ایک عمر چاہیے موتیا کی ذات کو سمجھنے میں، دھیرے دھیرے جان جائے گی موتیا کو پہچان لے گی موتیا کو۔'' دوبارہ سے دوپٹے کا پلو منہ پر ڈالا اور پھر سے صرف بند آنکھوں تک محدود کیا۔

''یہ کیا بات ہوئی اماں، جب میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں موتیا کو تو میں اس کو کیسے پہچانوں گی؟'' جواب میں اس نے بہت عرصے بعد اماں کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ دیکھی تھی جو پہلے بھی ان کے ہونٹوں پر پھیل کر چہرے کے سکون میں محلول ہو کر عجب انوکھا سا رنگ نکالتی تھی، جب جب بھی موتیا کے بارے میں اس کے ذہن میں تجسس نے سر ابھارا اور اس نے اماں سے اس کے متعلق جاننا چاہا۔

اماں کا چہرہ ایسی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ سے جگمگا اٹھتا کہ وہ بے ساختہ ہی سوچتی۔

''اماں مسکراتے ہوئے کتنی پیاری دیکھتی ہیں۔''

ایک مرتبہ پھر سے وہ موتیا کو جاننے میں ناکامی لئے گھر واپس آ گئی، زندگی میں بہت فرق آ گیا تھا۔

شادی سے پہلے وہ موتیا کو جاننے میں کبھی کبھی تو انتہا کی حد تک چلی جاتی تھی، بھری دوپہر میں گھر کی بالکنی میں دو دو گھنٹے بیٹھی موتیا کے بارے میں ہی سوچتی رہتی، رات گئے خیال آ جاتا تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور چلی جاتی اور وہ بے چین اٹھ کر آدھی رات جلے پیر کی بلی کی مانند چک پھیریاں لیتی، پورے گھر میں۔

لیکن شادی کے بعد خصوصاً مائرہ کی پیدائش کے بعد کبھی موتیا کا خیال آتا تو بس چند لمحوں کے لئے، پھر روزمرہ کے کاموں میں الجھ کر وہ موتیا کو بھول جاتی اور مائرہ کی کلکاریوں میں زندگی کی خوشیاں ڈھونڈنے لگتی، مائرہ اب چودھویں سال میں لگی تھی اور مائرہ کے گھر بھر میں لاڈلا ہونے کی وجہ سے وہ خاصی خودسر اور ضدی ہو گئی تھی۔

ایک دن مومو نے اپنی ساس کے سامنے مائرہ کو لے کر اپنی پریشانی بیان کی، کچھ دن بعد ہی مومو کی ساس نے مائرہ کو مومو کے وجود سے روشناس کرایا۔

مومو اس کے میکے کا دیا نام تھا، اس کا اصل نام میمونہ تھا اور اس کا رشتہ طے ہونے پر اس کی دادی نے سختی سے سارے گھر بھر کو کہہ دیا کہ آئندہ مومو کو اپنے پورے نام سے بلایا جائے۔

اس کا رشتہ اس کے دادی کے چچا زاد کے پوتے سے ہوا تھا، اس لئے اس کی ساس جانتی تھیں کہ میمونہ میکے میں شادی سے پہلے مومو کے نام سے جانی جاتی تھی، مائرہ کو نہیں معلوم تھا کہ اس کی ماں موموتھی۔

اس کی ساس جب بھی مائرہ کے سامنے موموکا ذکر کرتی تو وہ تلملا جاتی اور بے اختیار ہی اسے اپنا زمانہ یاد آجاتا اور پھر ایک دن اسے موتیا یاد آگئی، تو وہ چونک اٹھی، ٹھٹکی اور اگلے ہی لمحے چادر اٹھائی اوڑھی اور باہر کو چل دی۔

''کہاں جارہی ہو میمونہ بھری دوپہر میں۔'' ساس نے پوچھا۔

''آرہی ہوں۔'' عجلت میں جواب دیا۔

''اس کے قدم جو اٹھنے شروع ہوئے تو پھر میکے آکر ہی رکے۔''

''ارے میمونہ خیریت ہے اس وقت اتنی سخت گرمی میں۔'' اماں کے دروازہ کھولتے ہی وہ تیر کی مانند اندر بڑھی۔

''اماں اندر تو آنے دو۔'' صحن میں بچھی کرسی کی جانب بڑھی۔

''ہاں ہاں آؤ لیکن خیریت ہے نا۔'' دروازہ بند کرکے اماں اس کے پیچھے چلی آئیں۔

''ہاں اماں خیریت۔'' اپنے وجود پر اوڑھی چادر اتار کر کرسی کی پشت پر رکھی، اتنے دنوں سے اس کے دل پہ چھایا غبار چھٹنے لگا تھا، چٹختے اعصاب ایک دم پرسکون ہونے لگے۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن نہ فون نہ اطلاع، شام میں تیرے ابا تجھے جاکر لے آتے، بھری دوپہر رکشے کے دھکے کھاتی آئی ہے گرمی لگ جائے گی۔'' اماں نے لہجے میں فکر سموئے کہا۔

''نہیں لگتی گرمی مجھے اور میں کوئی بچی نہیں ہوں جو ابا مجھے میرے سسرال سے جاکر لاتے، دل کیا تو آگئی ملنے۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ابھی دو دن پہلے یہ تو ملی تھی مجھ سے۔'' قریبی چارپائی پر اماں ٹکیں۔

''آپ سے ملنے نہیں آئی۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''تیرے ابا تو شام میں لوٹیں گے نوکری سے۔''

''میں ابا سے بھی ملنے نہیں آئی۔'' ایک مرتبہ پھر انکار ہوا۔

''مجھ سے ملنے نہیں آئی ابا سے ملنے نہیں آئی تو پھر کس سے ملنے یوں جھٹ پٹ چلی آئی ہے۔'' اب کی بار اماں نے الجھی نظروں سے موموکو دیکھا۔

''میں تو موتیا سے ملنے آئی ہوں۔''

''پھر دورہ پڑ گیا موتیا کا، تیری دادی اس دنیا سے چلی گئیں لیکن تیرے ذہن سے موتیا نہیں نکلی، تجھے علم نہیں تجھ میں تیری دادی کی جان تھی، موتیا تیرے آگے کچھ نہیں تھی، تیری دادی کہتی تھیں سمجھ جائے گی موموکو لیکن تو نہیں سمجھی۔'' ایک گہری سانس اماں نے بھرتے ہوئے کہا۔

''سمجھ گئی موتیا کو اماں، مائرہ بڑی ہوئی تو موتیا بھی سمجھ آگئی۔''

''اماں! موتیا ہوسکتی ہے تو میمونہ موموبھی ہوسکتی ہے۔'' اس کی بات پر اماں نے اس کی جانب چونک کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے دونوں ماں بیٹی معانی خیزی سے مسکرادیں۔

☆☆☆

طیبہ مرتضیٰ

آلو کے پراٹھوں کی مزیدار خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئی تھی اور گھر کے سوئے ہوئے افراد کو جگا رہی تھی، میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو سات بج کے چالیس منٹ ہو رہے تھے اور علی ابھی تک کمرے سے باہر نہیں آیا تھا، میں نے جلدی سے ناشتہ ٹیبل پر رکھا اور دروازے کو ناک کیا اور بولی۔

''علی وین آجائے گی جلدی کرو ابھی ناشتہ بھی کرنا ہے۔'' علی دروازہ کھول کے ٹائی کی ناٹ لگتا ہوا باہر آیا ساتھ ہی وین کا ہارن سنائی دیا، میں غصہ میں بولی۔

''آپ کو نہیں پتا تھا کہ کیا وقت ہو رہا ہے اور یہ آج جلدی کیوں آ گیا ہے، اس کا ٹائم تو سات پینتالیس کا ہے۔'' علی نے میرے ہاتھ کو چوما اور بولا۔

''اماں پریشان نہ ہوں میں اسکول میں کھا لوں گا۔'' میں پریشان ہوتے ہوئے بولی۔

''سکول میں کیا کھاؤ گے اس وقت کے گئے تین بجے سے پہلے کب آتے ہو، ایک منٹ رک جاؤ میں رول بنا کے پکڑاتی ہوں۔'' مگر علی نے میری ایک نہ سنی اور تیزی سے اللہ حافظ کہتا ہوا چلا گیا، اب اس کے بابا نے باہر نکل کے مجھے ہی سنانا تھا، کہ میں بچوں کے کھانے پینے کا دھیان نہیں رکھتی، میں بڑبڑاتے ہوئے کچن میں چلی گئی، علی سے چھوٹا حمزہ مجھے کھانے پینے کے معاملے میں بالکل بھی پریشان نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆

میرے دونوں بیٹوں میں علی پڑھائی میں اور حمزہ کھیلوں میں آگے رہتا ہے، حمزہ تو صحیح معنوں میں کھانے پینے کا شوقین ہے اس کے بچپن کی ایک دو باتوں پر تو سب ہی ہنستے ہیں ایک دفعہ گرمیوں میں دوپہر میں میری آنکھ لگ گئی، جب اٹھی تو دیکھا بچوں کے بخار کا سیرپ میرے سرہانے پڑا ہے میں نے حمزہ سے پوچھا کہ یہ یہاں آپ نے رکھا ہے، اس نے کھیل میں مگن جواب دیا۔

''مجھے بھوک لگی تھی فریج میں کھانے کی چیزیں نہیں تھیں اس لئے میں نے اس کو پی لیا۔'' اس کی اس حرکت کو جو بھی سنتا تھا خوب ہنستا کہ جو بھی کھانے کو ملے کھالو خواہ دوائی ہی کیوں نہ ہو۔

میں نے میاں صاحب کے رات ڈنر کے لئے پہننے والے کپڑوں کو سیٹ کر کے رکھا، رات کو ان کے بچپن کے دوست نے نئی فلور مل لگانے کی خوشی میں ڈنر دیا تھا، حمزہ کا چونکے فٹ بال میچ تھا، ویک اینڈ پر اس لئے وہ پریکٹس کرنے چلا گیا، علی نے ہمارے ساتھ جانا تھا، میاں صاحب اس معاملے میں بہت سخت ہیں ان کے خیال میں ملتے ملاتے رہنا بہت ضروری ہوتا ہے اور یہ کہ جب کوئی آپ کو دعوت پر بلاتا تو اس کو مان ہوتا ہے کہ آپ ضرور اس کو عزت دیں گے۔

ساڑھے آٹھ بجے ہم گھر سے نکلے، میں علی کا رویہ دیکھ رہی تھی کہ وہ مارے بندھے ہی ہمارے ساتھ آیا تھا زیادہ تر وقت وہ کھڑکی سے باہر سائن بورڈوں پر نظر جمائے ہوئے تھا، مجھے

کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا خاص طور پر خوشی اور ہنسی کی بات کو تو بالکل نظر انداز کر رہا تھا، جب ہم دعوت میں پہنچے تو محفل عروج پر تھی، شہر کے معزز افراد ایک دو سیاست دان، بزنس مین اور شوبز کے کئی نامی گرامی لوگ موجود تھے، میں نے اپنے میاں سے کہا کہ آپ کے دوست نے تو خوب میلہ لگا رکھا ہے، ہر طرف رنگ و بو اور خوشی پھیلی ہوئی تھی، علی جا کے نسبتاً پرسکون گوشے الگ تھلگ بیٹھ گیا جیسے اس شور سے فرار چاہ رہا ہو، اس کے چہرے میں کرب نمایاں تھا، مجھے دور

سے دیکھ کر غصہ چڑھ رہا تا، کہ ابھی اس کے باپ دھیان اس پر گیا تو ان کا پارہ اس پر تو جو اترے گا ہی مجھے بھی خوب سنائے گا، دل کر رہا تھا کہ جا کر ایک لگاؤں کہ کس بات کا غم منایا جا رہا ہے مگر لوگوں کی وجہ سے دل ہی میں کھول رہی تھی۔

دعوت میں شہر کے معزز لوگوں کی موجودگی کے علاوہ جس چیز نے اس سے خاص بنایا تھا وہ اس دعوت کا مینو تھا کسی بڑے فائیو سٹار ہوٹل کا اشتہا انگیز کھانا اور کھانوں کی کوئی بیس پچیس ڈشز تھیں، جن میں سے کئی تو میں نے چکھی بھی نا اور فش کا تو جواب ہی نہ تھا اتنی خستہ اور لذیز کہ مزہ آ گیا، مجھے یقین تھا کہ چند دن تک تو سرکل میں ان کھانوں کا خوب تذکرہ رہے گا۔

☆☆☆

اگلا پورا ہفتہ بہت مصروف ہونے کی وجہ سے میں علی کے مسئلے پر توجہ نہ دے سکی، آج اتوار کی صبح میں بہت خوش تھی، ہمارے گھر اتوار والے دن چھٹی ہونے کی وجہ سے اسپیشل ناشتہ بنتا تھا اور آج تو بات بھی بہت اسپیشل تھی میرا چھوٹا بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ لندن سے آیا تھا میں نے اس کو بھی ناشتے پر مدعو کیا ہوا تھا، سب کے دیر سے سو کر اٹھنے کی وجہ سے ناشتہ برنچ کی شکل اختیار کر گیا، میں نے کڑاہی گوشت اور کافتہ کباب گھر میں بنا لئے، حلوہ پوری، نان چنے اور رولز بازار سے منگوائے، بریڈ جیم انڈے مکھن تو لازمی برنچ کے مینو میں تھے، ایسے میں میاں صاحب کی انوکھی فرمائش کہ قیمے کے پراٹھے بھی بناؤں، انہوں نے میرے اس اعتراض کو بھی ختم کر دیا کہ قیمہ فریز ہے وہ تازہ قیمہ لے آئے تھے اور میری طرف مسکرا کے دیکھا کہ جیسے بول رہے ہوں کہ تم لاکھ دامن چھڑانے کی کوشش کر دو ہم نے بھی انتظام کیا ہے، کوئی اور موقع ہوتا تو میرا غصہ میں آنا لازمی تھا مگر چونکے میرا بھائی آ رہا تھا اس لئے مجھے نہ تو تھکاوٹ تھی اور نہ بیزاری تھی، میں گرم گرم پراٹھے ڈائننگ ٹیبل پر رکھنے شروع کیے اتنے میں بھائی بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پہنچ گیا، کھانے کی میز پر ڈھیر سارے کھانے دیکھ کر بولا۔

''پاکستان کے امراء کا سارے جہاں سے نرالا ڈھنگ ہے چاہے زلزلے آئیں چاہے سیلاب یا قحط پڑ جائے ان کے دستر خوانوں کی رونق کبھی ماند نہیں پڑتی، اگر یہ قحط لندن میں پڑا ہوتا تو ایوان زریں سے لے کر ایوان بالا تک سب ہل جائے اور ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہالی ووڈ سے انجلینا جولی سیلاب سے متاثر افراد کے ساتھ اظہار یک جہتی کے لئے آئی ہے تو سابق وزیراعظم اس کے اعزاز میں دیئے جانے والے ڈنر میں بیس سے زائد ڈیشز رکھواتے ہیں جس پر انجلینا جولی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ سیلاب زدہ ملک کے وزیراعظم کے دستر خوان پر اتنے کھانے؟'' وہ انتہائی رنجیدہ لہجے میں بولا، میں نے اسے ٹوکا۔

''بھئی یہ سنجیدہ باتیں بند اتنے عرصے بعد آئے ہو کوئی خوشی کی بات کرو۔'' بھائی نے میرے میاں کو اشارہ کر کے بولا۔

''میں بتا رہا تھا نا کہ پاکستان کے لوگوں کے نرالے ڈھنگ ہیں۔'' علی آج پھر اتنے اہم موقع پر غائب تھا، میں نے فون کیا تو بولا۔

''ماما ہم سب دوست ایک اہم پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں میرا آنا اس وقت مشکل ہے۔''

میں دل میں پکا ارادہ کیا کہ جو مرضی ہو جائے آج تو میں اس سے بات کر کے رہوں گی، علی صبح کا گیا رات پونے نو بجے گھر آیا، غصہ تو بہت تھا، لیکن ماما کے ہاتھوں مجبور ہو کر پہلے ٹرالی پر کھانا سیٹ

کیا اور اس کے کمرے میں لے گئی میں چاہتی تھی کہ اکیلے میں ہی بات کر کے پوچھوں کہ مسئلہ کیا ہے، کمرے میں علی اپنے شوز کو ریک پر رکھ رہا تھا مجھے دیکھ کر بولا۔

''ماما آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی میں کچن میں سے ہی کھانا لے لیتا، ایک روٹی اور تھوڑا سا سالن ہی تو چاہیے تھا۔''

''کیوں تمہیں ڈاکٹر نے کھانا پینا منع کیا ہے؟ کچھ اور کھانے سے علی مجھے سچ بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے۔'' بیچارا علی ایکدم سے بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ پڑا میں پریشان ہو کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی، علی میرے شانے پر سر رکھ کر روتے ہوئے بولا۔

''ماما میں کیسے کھاؤں بھوک سے بلبلاتے تھر کے بچوں کی آواز میرے دل کو چیرتی ہے، میں کیسے کھاؤں ماما تھر کے جوان جو رزق کی کمی سے وقت سے پہلے ہی بوڑھے ہو گئے ہیں ان کے قحط زدہ جسم اور پتھرائی ہوئی آنکھیں جو زمین و آسمان میں پانی کی بوند اور خوراک کی متلاشی ہیں، بھوک سے تڑپتے ہوئے بچوں کی نڈھال مائیں اور وہ جانور جو اپنی بھوک اور پیاس بتا نہیں سکتے تھے اور اس تکلیف سے مر گئے جا بجا تھر میں بکھرے ہوئے ان کے ڈھانچے ماما، اتنی ہولناکی مگر پھر بھی ہم لوگ مزے میں ہیں ماما یہ بریانی، کڑاہی گوشت، کباب پکاتے ہوئے آپ لوگوں کی روح کیوں نہیں کانپتی، ماما یہ کھانے تو چھوڑیں خالی دال روٹی بھی انسان ایسی حالت میں کیسے بنا لیتا ہے، آپ سپر جناح لبرٹی مارکیٹ، طارق روڈ کسی بھی ہوٹل پارک یہ کسی گیدرنگ میں چلے جائیں وہاں جا کے لگتا ہی نہیں کہ یہاں سے میلوں دور لوگ روٹی کے عام نوالے کو بھی ترس رہے ہیں، ماما مجھے تو لگتا ہے قحط تھر میں نہیں ہمارے احساسوں میں ہے، ہم لوگوں کو فرق ہی نہیں پڑا چند لمحوں کی بریکنگ نیوز سننے کے بعد کچھ لمحے اظہار افسوس کرتے ہیں اور ہم پھر سے اپنے عیش آرام میں پڑ گئے ہیں، ماما میں نہیں کھا سکتا میں جب میں نوالہ منہ میں ڈالتا ہوں تو مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔'' کہتے کہتے وہ پھر رو پڑا۔

میں علی کو گلے سے لگائے تسلیاں دینے لگی اور خود نوالہ بنا کے اس کے منہ میں ڈالا اور اس کی خوشی کے لئے اس کے دوستوں کے ساتھ تھر کے لوگوں کے لئے جو فنڈ اکٹھے کیے تھے اس میں دس ہزار کا چیک بھی دیا، سچ بتاؤں بات تو علی کی ٹھیک تھی کہ قحط ہمارے احساسوں میں پڑا ہے میں نے دس ہزار اپنے بیٹے کی خوشی کے لئے دیا تھا نہ کہ تھر کے لوگوں کے لئے، بیٹے کی خوشی نہ ہوتی تو میں دیتی بھلا، آپ ہی بتائیں علی نے سچ کہا ہے نا؟

قحط ہماری سوچ ہماری احساس میں ہی پڑا ہے نہ۔

☆☆☆

تحریم محمود

القرآن

- ''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''
(سورۃ الحجرات)
- ''اے اہل ایمان (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے رہو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ مراد حاصل کرو۔'' (سورۃ ال عمران)
- ''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی، مگر اس وقت کہ خدا کے لئے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' (سورۃ النجم)
- ''پردہ شب کو چاک کرکے وہی صبح نکالتا ہے، اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔'' (سورۃ الانعام)
- ''اللہ کی راہ میں جہاد کر جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی سی بات میں) تنگی نہیں ہے۔''
(سورۃ الحج)
- ''اور لوگو! تمہارا معبود خدائے واحد ہے، اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' (سورۃ البقرہ)

سارا حیدر، ساہیوال

حدیث مبارکہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''تم میں سے ہر شخص کی جنت اور دوزخ لکھی جاچکی ہے۔''
لوگوں نے اس پر کہا۔
''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پھر ہم اپنے لکھے ہوئے کا سہارا کیوں نہ لیں اور عمل چھوڑ دیں۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''نہیں عمل کرو کیونکہ ہر شخص کو اسی چیز کی توفیق ملتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، جو خوش نصیب ہے اس کو جنتی کاموں کی توفیق ملتی ہے، جو بدنصیب ہے اس کو جہنمی کاموں کی توفیق ملتی ہے۔''
پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ واللیل کی یہ آیات پڑھیں۔
''جس نے مال خرچ کیا اور تقویٰ کی راہ اختیار کی اور بہترین بات کی تصدیق کی تو ہم اس کو اچھی زندگی کی توفیق دیں گے اور جس نے اپنا مال دینے میں بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا، تو ہم اس کو تکلیف والی زندگی بخش دیں گے۔'' (بخاری و مسلم)

ساجدہ احمد، ملتان

نماز

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا۔
''نمازی کے لئے تین خصوصی عزتیں ہیں،

پہلی کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سر سے آسمان تک رحمت الٰہی گھٹا بن جاتی ہے اور اس پر انوار بارش کی طرح برستے ہیں، دوسری یہ کہ فرشتے اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور تیسری یہ کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ ''اے نمازی اگر تو ایک دیکھے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو خدا کی قسم تو قیامت تک سلام نہ پھیرے۔''

حفصہ خورشید، لاہور

شان رحیمی

منصور بن عماد کو کسی نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ ''تم پر کیا گزری؟''

انہوں نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا، اے منصور! تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں بخش دیا ہے؟''

میں نے جواب دیا۔

''نہیں اے میرے خدا میں نہیں جانتا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''اے منصور ایک دن تو بیٹھا ہوا بہت سے لوگوں کو وعظ اور نصیحت کر رہا تھا اور یہ باتیں کر کے انہیں رلا رہا تھا ان بندوں میں سے ایک میرے خوف سے خوب رویا حالانکہ وہ زندگی میں کبھی نہ رویا تھا، میں نے اسے بخش دیا اور اس کی وجہ سے تجھے اور ساری محفل کو بخش دیا۔''

عابدہ حیدر، بہاول نگر

صحت کا راز

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کا خواہش مند ہو کہ وہ زیادہ عرصے تک صحت مند رہے تو اس کو چاہیے۔

1 صبح و شام کو کھانا لازمی کھائے۔
2 قرض سے سبک دوش رہے۔
3 ننگ پاؤں نہ پھرا کرے۔
4 عورت سے قربت کم کیا کرے۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

محبت ایک سمندر

☆ محبت ایک ایسی چیز ہے جو سیکھنے اور کسی سے بتانے کی نہیں ہے۔
☆ محبت آنکھوں سے نہیں دل سے دیکھی جاتی ہے۔
☆ محبت ایک خوبصورت پھول ہے جو ہر جاندار کے دل میں کھلتا ہے، اس میں سے پیار کی خوشبو آتی ہے۔
☆ محبت ایک خوبصورت جذبے کا نام اور کائنات کا راز ہے۔
☆ محبت زندگی کا سرچشمہ اور دلوں کی دھڑکن ہے۔
☆ محبت وہ مقدس پھول ہے جس کی لطیف خوشبو روح کو مسرت بخشتی ہے۔
☆ محبت چاند کی کرن اور ستاروں کی چمک ہے۔
☆ محبت پھولوں کی خوشبو اور ہوا کی موج ہے۔
☆ محبت ایک ایسا پھول ہے جو اگر کسی کے دل میں کھل جائے تو پھر وہ کبھی نہیں مرجھاتا۔
☆ محبت سمندر کی لہریں اور قوس وقزح کا رنگ ہے۔

فرینہ اسلم، میاں چنوں

نیک عورت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دنیا متاع ہے اور اس کی سب سے بہترین متاع نیک عورت ہے۔'' (بخاری)

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

انمول محبتیں

دوستو! ایک بات جو کہنے کو تو بہت چھوٹی سی ہے اگر اگر ہم ذہن میں رکھیں تو زندگی میں شامل انمول محبتیں بچا سکتے ہیں جو ہم اپنی انا کے نام کر دیتے ہیں۔

دوستو! اگر کبھی آپ کو کوئی دوست جو آپ کے بہت قریب ہے آپ سے کسی مسئلے پر سوری کرتا ہے تو اس کی اس معذرت کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنایئے اس کے معذرت کرنے میں کوئی مجبوری بھی ہو سکتی ہے اس لئے آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے ذہن کے بڑے پن کو سامنے لاتے ہوئے دوست کی مجبوری کو سمجھیں تا کہ آپ کا قیمتی سرمایا آپ کے پاس رہے جو کہ اچھے دوست کی صورت میں آپ کو میسر ہے، اچھا دوست اچھے نصیب سے ملتا ہے اور اچھا نصیب خوش قسمت انسان کے لئے خدا کا انعام ہوتا ہے۔

راحیلہ فیصل، سرگودھا

خواہشات

☆ وہ بھنور ہے جس میں پھنس کر انسان اپنا مقصد حیات بھول جاتا ہے۔

☆ وہ آگ ہے جو انسان کو جھلسانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

☆ وہ سیاہ رات ہے جو انسانی زندگی میں کبھی سویرا نہیں کرتی۔

☆ وہ سمندر ہے جس کے ساحل تک پہنچنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

☆ وہ جام ہے جس کو جتنا زیادہ پیا جائے پیاس اتنی ہی زیادہ بڑھتی ہے۔

آمنہ خان، راولپنڈی

روشن کرنیں

O عقیدہ محبت سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے، وہ تو آدمی کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے، پالنے میں ہی رگ رگ میں گھل جاتا ہے، وجود میں رچ جاتا ہے، اسے الگ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

O جوگی کا حسن اس کے عشق کا خمار ہوتا ہے وہ آگ ہوتی ہے جو ہر لمحہ اس کے دل کی آرزو کو دہکاتی رہتی ہے۔

O خوشبو وجود کی محتاج نہیں ہوتی، وہ تو پوروں میں بس جاتی ہے۔

O محبت کا ہدف مقصدیت نہیں یہ تو پروسس ہے شناسائی کا، عرفان کا، یہ عطائے ربانی ہوتی ہے جو عام کو خاص اور خاص کو مقبول بنا دیتی ہے۔

O محبت تو محبوب کی خوشی کا نام ہے، اس کی رضا پر راضی ہونے اور اس کی خوشی پر جوش ہونے کا۔

O عشق کی بھٹی میں جل کر وفا نہیں مرتی، وفا مر ہی نہیں سکتی۔

صابرہ سلطانہ، کراچی

وقت

جو وقت گزر جاتا ہے اس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں، آنے والے وقت کا بھی کوئی بھروسہ نہیں، لیکن "حال" ہی ایسا وقت ہے جو آپ کے ہاتھ میں ہے، اس سے جس قدر ہو فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

کٹھن وقت

زندگی میں دو وقت بہت کٹھن ہوتے ہیں ایک جب کسی کی خواہش کی جائے اور وہ نہ ملے، دوسرا وہ جب کسی کی خواہش نہ کی جائے تو وہ مل جائے۔

حنا شاہین، حیدر آباد

☆☆☆

حنا
بلقیس بھٹی

قطعہ

ہزار بار مجھے شوق سے برا کہہ لے
تو لاکھ بار کہے جا ذرا سیاپا ہوں
تیری نظر میں ، میں پاپی سہی مگر بیگم!
یہ یاد رکھ کہ میں بچوں کا تیرے پاپا ہوں
سدرہ خانم، ملتان

احتیاط

علیحدگی پسند سکھ کار میں بم لے کر چلے تاکہ سرکاری عمارت کو اڑایا جاسکے، سڑک ناہموار تھی اسی لئے کار میں مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے۔
''سردار! کار آہستہ چلاؤ۔'' پہلے سردار نے کہا۔
''ورنہ جھٹکوں سے بم پھٹ جائے گا۔''
''گھبراؤ نہیں سردار۔'' دوسرے نے جواب دیا۔
''میں نے اس خطرے کے پیش نظر کار کی ڈگی میں احتیاطاً دوسرا بم بھی رکھ لیا ہے۔''
آسیہ فرید، خانیوال

دو جھوٹے

اردلی نہایت تندہی سے کرنل صاحب کے بوٹ پالش کر رہا تھا، کرنل صاحب اسے دیکھ کر مسکرائے اردلی تاڑ گیا کہ صاحب کا موڈ ٹھیک ہے جھٹ بولا۔
''سر! میرا گھر سے خط آیا ہے کہ گندم کی فصل تیار ہے اور میری بیوی اکیلی فصل کی کٹائی نہیں کر سکتی اگر ہو سکے تو مجھے دس دن چھٹی پر بھیج دیں۔''
کرنل صاحب نے کہا۔
''رحیم ایک خط میرے پاس بھی آیا ہے تمہاری بیوی نے لکھا ہے کہ اسے چھٹی مت پر بھیجیں کیونکہ گھر آ کے سوائے سونے کے اور کوئی کام نہیں کرتا۔'' رحیم چپ ہو گیا۔
جب کرنل صاحب دفتر جانے لگے تو بولا۔
''صاحب ہماری یونٹ میں دو آدمی جھوٹے ہیں ایک تو جناب میں خود ہوں کیونکہ میری ابھی شادی نہیں ہوئی اور دوسرے کا جناب مجھے نام یاد نہیں آ رہا......!''
مریم انصاری، سکھر

نمک حلالی

پنجاب کا مشہور و معروف راجہ رنجیت سنگھ ایک دن کسی دیہی علاقے سے گزر رہا تھا، وہاں بینگن کا کھیت تھا، مہاراجہ نے بینگن کو دیکھ کر ناک سکوڑی اور اپنے وزیر سے کہا۔
''کیا واہیات سبزی ہے۔''
جواب میں وزیر نے بینگن کی پوری ہجو کہہ ڈالی۔
دو چار دن بعد مہاراجہ کا پھر اس جگہ سے گزر ہوا، اس نے دوبارہ بینگن کو دیکھا، اس بار وزیر نے ان کا رجحان بھانپ لیا اور قصیدہ شروع کر دیا۔
مہاراجہ نے تعجب سے پوچھا۔
''چند روز پہلے تو تم بینگن کی برائی کر رہے تھے۔''
وزیر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''حضور! میں آپ کا نوکر ہوں بینگن کا نہیں۔''

میرا نام محبت ہے

پھولوں نے مسکرا کر پوچھا۔
''کیا نام ہے تیرا؟ کیوں شوخ ہے تو؟ کیوں بے باک ہے تو؟ کس کے دل کی امنگ ہے؟ کس کے سینے کی سانس ہے؟ تو کس دیس سے آئی ہے؟ کس کی نگاہوں کی جستجو ہے؟ کس کی تمناؤں کی یادگار ہے؟''
میں نے اٹھلا کر غرور سے کہا۔
''تقدس سے میری تخلیق ہوئی، ستاروں میں، میں نے پرورش پائی، پھولوں سے رنگینی لی، کلیوں کی سانس بنی اور موسیقیوں سے ترنم لیا، ہر ذرے اور ہر فضا میں، میں ہوں، پاکیزگی میں روح ہے، اس دل کی جستجو کرتی ہوں جہاں صداقت کے اجالے ہوں اور ان اجالوں میں شرافت کی نگاہیں اور انتظار کی بانہیں ہوں، شوخ اس لئے ہوں کہ شاعر کے دل کی آواز ہوں، بے باک اس لئے ہوں کہ حسن کے انداز سے آشنا ہوں اور اس تمنا کی یادگار ہوں جس پر پروانوں نے راکھ ہونا سیکھا، محبت میرا نام ہے میں کائنات کے ہر ذرے میں حکمران ہوں۔''
عزہ فیصل، قصور

تکلیف

بستر مرگ پر پڑے ہوئے شوہر نے بیوی سے پوچھا۔
''اگر میں مر گیا تو کیا تم دوسری شادی کر لو گی؟''
بیوی نے کہا۔
''کوئی دوسری بات کرو تمہارے سوال کا جواب بڑا نا مناسب اور تکلیف دہ ہے۔''
''کیوں......؟'' شوہر نے کہا۔
بیوی بولی۔
''کیونکہ اگر میں نے ہاں کی تو تمہیں تکلیف ہوگی اور نہیں کہنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔''
نور انور، فیصل آباد

طوطا

ایک صاحب کو معلوم ہوا کہ ایک طوطا بازار میں بکنے کے لئے آیا ہے جو تین زبانیں جانتا ہے، وہ صاحب آزمانے کے لئے گئے اور جاتے ہی طوطے سے دریافت کیا
''ہاؤ آر یو؟''
طوطا بولا۔
''فائن۔''
صاحب بولے۔
''کیا حال ہیں؟''
طوطا بولا۔
''ٹھیک ٹھاک۔''
پھر وہ صاحب بولے۔
''کی حال اے؟''
طوطا کافی برہم ہو کر بولا۔
''او کھوتے دے بچے حال ہی پچھی جائے گا کہ کوئی ہور وی گل کرے گا۔''
فاریہ سلیم، شرقپور

قطعات

آدے سکھ دا ساہ نہیں بیگم
کدی تے پیکے جا نہیں بیگم
کنوارے ساں تے چنگے ساں
گیئے آں کر کے دیاہ تہیں بیگم

....

یہی دعا ہے کہ میرے مولا
ہم کنواروں کو کوئی فرشتہ مل جائے
جو دیں گاڑی بھرتے کیش ہمیں
ایسا ہی کوئی رشتہ مل جائے

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

بدلہ

بیوی: تمہارا دوست ایک پھوہڑ، بدتمیز، جھگڑالو اور بدصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، تم اسے روکتے کیوں نہیں؟

شوہر: میں اسے کیوں روکوں کیا اس نے مجھے تمہارے ساتھ شادی کرنے سے روکا تھا؟

عالیہ بٹ، لاہور

نیا دور نئے تقاضے

☆ مجنوں نے لیلیٰ سے ملنے کے لئے بھکاری کے بھیس میں جانا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب وہ اپنا موبائل استعمال کرتا ہے۔

☆ رانجھے نے بھینس چرانا چھوڑ دی ہے کیونکہ اب اس نے ملک پیک کا دودھ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

☆ پنوں نے سسی کی خاطر تھر میں جانا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب وہ ہوائی جہاز سے سفر کرتی ہے۔

☆ سوہنی نے مہینوال سے ملنے کے لئے گھڑے پر بیٹھ کر جانا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس کے باپ نے موٹر بوٹ خرید کر دے دی ہے۔

☆ فرہاد نے شیریں کی خاطر پہاڑ کاٹنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب وہ کام بلڈوزر اور بلاسٹنگ کی مدد سے کرتا ہے۔

فریحہ گیلانی، اوکاڑہ

ساتھ

ایک چرچ تعمیر ہو رہا تھا کہ ایک مزدور خاصی بلندی سے گر گیا، اس کی جان تو بچ گئی لیکن خاصی چوٹیں آئیں، ایک پادری صاحب جو دور کھڑے اسے گرتا دیکھ چکے تھے لپک کر اس کے پاس گئے اور بولے۔

"خدا تمہارے ساتھ تھا بیٹے۔"

مزدور نے کراہتے ہوئے کہا۔

"ہاں کوئی نہ کوئی تو میرے قریب ضرور تھا ورنہ مجھے اوپر سے دھکا کون دیتا؟"

صوبیہ توحید، گلشن راوی لاہور

رانگ نمبر

میں نے وقت معلوم کرنے کے لئے ٹیلی فون پر مخصوص نمبر ڈائل کیا تو ریکارڈ کیے گئے جواب کی جگہ نسوانی "ہیلو" سنائی دی۔

"معاف کیجئے شاید غلط نمبر مل گیا۔"

اس نے معذرت کی۔

"دراصل میں نے وقت معلوم کرنے کے لئے۔"

"کوئی بات نہیں اس وقت چار بج کر تیس منٹ اور بیس سیکنڈ ہوئے ہیں، ویسے تم کب آ سکتے ہو؟" بڑی ملائمت سے جواب دیا گیا۔

سارا حیدر، ساہیوال

خبطی

کرکٹ کا ایک شوقین ہر وقت کھیل کے خیالوں میں کھویا رہتا تھا، رفتہ رفتہ صورت حال یہ ہوگئی یہ خیالات خواب میں بھی اسے مجسم نظر آنے لگے اور وہ دیکھنے لگا کہ وہ دنیا کے نامور کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہے۔

کچھ عرصے کے بعد اس کی ملاقات ایک ماہر نفسیات سے ہوئی، اس نے ماہر نفسیات کی صورت حال بتائی اور اس سے مشورہ طلب کیا۔

"رات کو تم جیسے ہی سونے کے لئے بستر پر لیٹو، آنکھیں بند کر لو اور سوچو کہ تم کسی حسین لڑکی کی رفاقت سے لطف اندوز ہو رہے ہو۔"

"کیا......؟"

کرکٹ کا شوقین اچھل پڑا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ لڑکی کے خیالوں میں الجھا رہوں اور اپنی بیٹنگ کی باری ضائع کر دوں۔"

ساجدہ احمد، ملتان

☆☆☆

تسنیم طاہر

فاریہ سلیم ---- شرقپور

اک شام کے سائے تلے بیٹھے رہے وہ دیر تک
آنکھوں سے کی باتیں بہت منہ سے کچھ کہا نہیں
احساس کی خوشبو کہاں آواز کے جگنو کہاں
خاموش یادوں کے سوا گھر میں رہا کچھ بھی نہیں

....

مدت سے ریت کے صحرا میں آیا نہ گیا بادل کوئی
کس دیس گئے سارے پنچھی سوکھا ہے شجر تنہا
پھولوں میں چھپ کر پریوں کی آنکھیں روتی ہیں
یوں رات برات اکیلے میں جیو نہ ادھر تنہا

....

تو بھی نہ ملا تو کدھر جاؤں گا
سوکھے پتوں کی طرح بکھر جاؤں گا
یوں بھی ہو گا تم دیکھنا اے صنم
تم سے بچھڑوں گا اور مر جاؤں گا

عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

بے وجہ ہی جو لوگ بیگانے ہو جاتے ہیں
وہ لوگ پھر ماضی کے افسانے ہو جاتے ہیں
کرتے ہیں جو دوسروں کی زندگی کو برباد
ان کے اپنے گھر بھی ویرانے ہو جاتے ہیں

....

چلو شکر ہے تیرا دیدار تو ہوتا ہے
حقیقت میں نہ سہی خوابوں میں ہی سہی

....

تیرے شیشے میں مے باقی نہیں
بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

عالیہ بنت ---- لاہور

محبت کے ہر جذبے سے وہ انکار کرتا ہے
وہ خود نفرت ہے اور نفرت کا کاروبار کرتا ہے
اسے گر موت پیاری ہے تو وہ مر کیوں نہیں جاتا
وہ سارے شہر کو جینے سے کیوں بے زار کرتا ہے

....

خواہش دیپ جلانے کی ہوئی
محبت میں تمہیں آزمانے کی ہوئی
کوشش ترک مراسم نہ کرو تو بہتر
بارش میں خواہش سوکھ جانے کی ہوئی

....

اے کاش کے بن باس مل ہی جائے
تیری محبت کا آکاش مل ہی جائے
عرض کروں اور میں کیا اس کے سوا
تو ملے نہ ملے محبت کا ادراک مل ہی جائے

فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ

ہم نہ ہوں گے تو کہو کون منائے گا تمہیں
یہ بری بات ہے ہر بات پہ روٹھا نہ کرو

....

آپ ساحل پہ ہمیں دیکھ کے حیران کیوں ہیں
ہم وہی ہیں جنہیں چھوڑ آئے تھے طوفانوں میں

....

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاند ندی پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور

اپنوں سے مکھ موڑے نہیں جاتے
سلسلے یوں ہی توڑے نہیں جاتے
جن کو پایا ہو دل کی مرادوں سے
علی ناصر وہ لوگ چھوڑے نہیں جاتے

....

زندگی بے امان ہے شاید
تو بھی میرا گمان ہے شاید
بات بے بات ٹوٹ جاتا ہے
دل بھی کچا مکان ہے شاید

....

خوشبو خوشبو بات ہو تم
پورے چاند کی رات ہو تم
نرم ہوا کے جھونکے کی مانند
ہر لمحہ میرے ساتھ ہو تم
سارا حیدر ---- ساہیوال

یادوں سے تیری دل میرا غافل نہیں رہا
تو نے جلایا یوں کہ وہ دل دل نہیں رہا
دیتا رہا جو درس محبت ہزار بار
وہ شخص بھی خلوص کا قائل نہیں رہا

....

کبھی کہا نہ کسی سے تیرے فسانے کو
نہ جانے کیسے خبر ہو گئی زمانے کو
دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ ملی میرے آستانے کو

....

ہمیں آ کر منا لینا کسی بھی شام سے پہلے
اداسی ٹھہر جاتی ہے تمہارے نام سے پہلے
ساجدہ احمد ---- ملتان

مغرور جو کہتی ہے تو کہتی رہے دنیا
ہم کسی شخص کو مڑ کر دیکھا نہیں کرتے

....

میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

....

جب بھی تیرے ستم کی بات چلی
میرے ہمراہ یہ کائنات چلی
ذکر بے وفاؤں کا تھا سر محفل
جھک گیا ہمارا سر جب تیرا نام آیا
صفیہ خورشید ---- لاہور

ذرا سی دیر کو جو آتا ہے گلے شکوے کرنے
جی چاہتا ہے اسی لمحے کو امر کر لوں

....

مجھ سے اچھی غزل کوئی تجھ سا غزل سرا کوئی
دنیا میں ہو کہیں اگر واضح کرو مثال سے
مجھے تو ہیں کام اور بھی کچھ تو میرا خیال کرو
آتے ہو جب خیال میں جاتے نہیں خیال سے

....

اس سمت جانا تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنیں تنہا اسے کہنا
کچھ لوگ سفر کے لئے موزوں نہیں ہوتے
اک راستہ کتنا نہیں تنہا اسے کہنا
عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

ساحل ساحل آ پہنچا تھا میں صحرا تھا حالانکہ
پھر بھی اس نے پیاسا رکھا وہ دریا تھا حالانکہ
جیون بھر نہ پیاس بجھی تو آخر یہ احساس ہوا
تن کی پیاس بجھا بیٹھا من پیاسا تھا حالانکہ

....

ترے بھی مشورے شامل تھے ترک خواہش میں
اپنے میری وحشت دل اب یہ اضطراب ہے کیا
ابھی تو سارے ہی موسم تمہارے ہاتھ میں ہیں
ابھی تمہیں نہیں معلوم احتساب ہے کیا

....

اس لئے صرف خدا سے ہے تخاطب میرا
میرے جذبات کو سمجھے گا فرشتہ کیسے
آصفہ نعیم ---- نورث عباس

تشنگی دل کی یہ کہتی ہے کہ پی لے دریا
بے بسی اتنی کی قطرہ بھی نہ چکھا جائے

....

مجھے چمن سے قفس میں کسی طرح بھیجو
مرے بغیر تو صیاد مر گیا ہو گا

....

یقین آتا ہی نہیں اس کی بے وفائی کا
وہ آ ہی جائے گا یہ ہی گمان رہتا ہے

ریحانہ ا م ---- میاں چنوں
آؤ پھولوں سے جھولیاں بھر لیں
لوگ ہنستے ہیں بار بار کہاں

....

شاید کسی جہاز کے ٹوٹے ہیں بادباں
پاگل ہوئی ہے ریت سمندر کے آس پاس

....

اک مدت سے ہے مسلسل بارش آنکھوں میں ہیں
گر رکے پانی تو چہرے پر کٹاؤ ختم ہو
جذبہ دل سے تھا جو آشنا
آج آنکھوں سے وہ کیا کچھ کہہ گیا
مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد
اب وہ منظر نہ وہ چہرے ہی نظر آتے ہیں
مجھ کو معلوم نہ تھا خواب بھی مر جاتے ہی
نہ جانے کس حال میں ہیں کہ ہمیں دیکھ کے سب
ایک پل کے لئے رکتے ہیں گر جاتے ہیں

....

عمر رشتوں کے تقاضے ہی نبھاتے گزری
زندگی نے مجھے اپنا بھی ہونے نہ دیا
سب سے محفوظ مقام غم تنہائی ہے
فکر دنیا نے اکیلا بھی ہونے نہ دیا

....

کون بانٹے گا دکھ تیرے محسن
دوستوں سے بھی چھپ کر رویا کر
راحیلہ فیصل ---- سرگودھا
افسوس یہ نہیں ہے کہ وعدے بھلا دیے
حیرت یہ ہے کہ وہ اب بھی صف معتبر میں ہے

....

کم کی بھیک نہ دے اپنا تخت بخت سنبھال
ضرورتوں کا خدا تو تو فقیر ہم بھی نہیں
ہماری ڈوبتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ
سخی تو ہیں مگر اتنے امیر ہم بھی نہیں

....

ان سے ملنا ہی نہیں دل میں تہیہ کر لیں
وہ خود آئے تو بہت سر درد یہ کر لیں
اک ہی بار یہ گھر راکھ ہو جاں تو چھوٹے
آگ کم ہے تو ہوا اور مہیا کر لیں
آمنہ خان ---- راولپنڈی
پرندوں میں بھی آ گئی شاید انسان کی خصلت
کہ بچھڑی کونج کو لینے کوئی لشکر نہیں آیا

....

جن سفینوں نے کبھی توڑا تھا موجوں کا غرور
اس جگہ ڈوبے جہاں طغیانی نہ تھی

....

ذرہ خاک ہوں ذروں سے الجھنا کیسا
تجھ میں ہمت ہے تو ٹکرا کبھی اصنام کے ساتھ
صابرہ سلطانہ ---- کراچی
گھر جانے سے اتنے خوفزدہ ہیں لوگ
رات گئے تک بازاروں میں پھرتے ہیں

....

قافلے دلدلوں میں جا ٹھہرے
رہنما پھر بھی رہنما ٹھہرے

....

تھوڑا تھوڑا جھوٹ ملا لے اپنی سچی باتوں میں
ورنہ جھوٹے لوگوں تو میں کیسے عمر گزارے گا
شہر کے چوراہے پہ آئینہ لے کر مت جانا
اپنی صورت دیکھ کر تجھ کو ہر کوئی پتھر مارے گا
حنا شاہین ---- حیدرآباد
کہیں فرقے کہیں ذاتیں کہیں کنبے کہیں گوتھ
ہم بھی رکھتے ہیں بکھرنے میں مہارت کیسی

....

شاید کوئی آ جائے خریدار تمنا
اس دل کو بنا رکھا ہے بازار تمنا
تم کو میرے کہنے کا یقیں آئے گا کیونکر
دیکھو تو سجا کے کبھی دربار تمنا

☆☆☆

سارا حیدر ---- ساہیوال

س: زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے کون سا پٹرول استعمال کیا جاتا ہے؟

ج: محبت کا سپریم پٹرول۔

س: بدتمیزی کی حد کہاں سے شروع ہو کر کہاں پر ختم ہوتی ہے؟

ج: یہ برداشت کی حد کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔

س: آیا رے..... آیا کوئی آیا رے، چپکے سے دل میں سمایا رے، بھلا کون؟

ج: بجلی کا بل۔

س: اگر کوئی شادی شدہ مرد خواب دیکھے کہ وہ کنوارا ہے تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

ج: اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی بیوی گھر نہیں ہے، وگرنہ تو ایسا خواب دیکھنے کی اس کی ہمت نہ پڑے۔

س: عاشق الو ہوتا ہے یا محبوبہ؟

ج: عاشق جو ساری رات محبوب کے عشق میں جاگتا ہے۔

رافعہ وحید -------- جھنگ

س: محبت جیسی بیماری ہو جانے پر کون سی دوائی کھانی چاہیے؟

ج: اس کے لئے ماں باپ سے رجوع کرو وہ حالات کے مطابق بہتر دوا دے تجویز کریں گے۔

س: اگر آپ کی شیطان سے ملاقات ہو جائے تو آپ کیا کریں گے؟

ج: پوچھوں گا جھنگ سے کب آئے۔

س: زیادہ تر لوگ اپنے ملکی چینل دیکھنے کے بجائے غیر ملکی چینل کیوں دیکھتے ہیں کوئی خاص وجہ؟

ج: ہمیں غیر ملکی اچھے لگتے ہیں۔

س: یہ میرے شہر کے لوگوں کی سماعتوں کو کیا ہوا؟

ج: تمہارا شور سن سن کر ان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔

ساجدہ احمد ---- ملتان

س: پریشانیاں کب ختم ہوتی ہیں؟

ج: اچھا...... ایسا بھی ہوتا ہے۔

س: اکثر یادیں رات ہی کو کیوں آتی ہیں؟

ج: رات کو روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

س: کامیاب زندگی گزارنے کا راز کیا ہے؟

ج: پیسہ بناؤ...... پیسہ بناؤ۔

س: کیا دنیا اسی کو کہتے ہیں؟

ج: اور کسے۔

صفہ خورشید ---- لاہور

س: وہ دن کب آئے گا جب ہم حقیقتاً جشن آزادی منانے کے اہل ہوں گے؟

ج: جس دن ہم ذہنی طور پر آزاد ہو جائیں گے۔

س: ہم ذاتی ترقی کو ملکی ترقی پر فوقیت دینے سے کب باز آئیں گے؟

ج: ذاتی ترقی ہی ملکی ترقی ہے۔

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

س: کل پولیس آپ کے پیچھے کیوں بھاگ رہی تھی؟

ج: میرے پیچھے کہاں وہ تو میرے ساتھ مل کر تم سے بچ کر بھاگ رہے تھے۔
س: کیا چرایا تھا آپ نے؟
ج: دل۔
س: بچپن کی عادتیں اب ختم کریں اب آپ بڑے ہو گئے ہیں؟
ج: یہ چوری تو بڑے ہو کر ہی ہوتی ہے۔
س: حنا کی محفل والے ضمانت پر لے آئے ہیں تو اب احتیاط کرنا؟
ج: میں تو احتیاط کروں گا مگر کیا کروں دوسرے شور مچا دیتے ہیں۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

س:
ہم تو ایسے انا پرست لوگ بس حنا
دو قدم کوئی دور ہو ہم چار قدم دور جاتے ہیں
محبت سے جو بولے دو چار لفظ بھی
ہم تو خوشی سے دیوان سنا دیتے ہیں
ج:
غلط فہمی نے باتوں کو بڑھا ڈالا یونہی ورنہ
کہا کچھ تھا وہ کچھ سمجھا مجھے کچھ اور کہنا تھا
س:
سائبان دے کر مری کشتی کو وہی ڈبوتے ہیں
جس پہ ہم نے بھروسہ کیا تھا زندگی کے بعد
ج:
تم نے تو کہا تھا کہ چلو ڈوب مریں گے
اب ساحل دریا پہ کھڑے کرتے ہو ٹاٹا

رضا اسلم ---- حافظ آباد

س: عین غین کیسے ہو..... بدلے ہو یا؟
ج: بدلتے وہ ہیں جو طوطا چشم ہوں۔
س: میں نے تمہیں بہت دفعہ کہا کہ حافظ آباد آؤ تم آخر کیوں نہیں آتے؟
ج: خود لاہور آ کر مجھے حافظ آباد بلا رہے ہو خدا کا خوف کرو۔
س: میں لاہور ریڈیو اسٹیشن جاب کرنے آ گیا ہوں ویلکم کہو گے کہ نہیں؟ سیریس بتانا؟
ج: یہ سوال تو ریڈیو والوں سے پوچھو جنہیں تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔
س: کل میں نے تمہیں لکشمی چوک میں فلموں کا پوسٹر جھانکتے دیکھا تھا کیا تم ہی تھے؟
ج: اب تم مجھے دیکھ کر پوسٹروں کے پیچھے خود کو چھپا لو گے تو جھانکنا ہی پڑے گا۔
س: ساری دنیا کے رنج و غم دے کر، مسکرانے کی بات کرتے ہو؟
ج: دنیا کے رنج و غم سے کیا اپنی نبیڑ تو۔
س: دل کچے مکان کی طرح ہوتا ہے اور جگر؟
ج: اس کے کچے صحن کی طرح۔
س: میں لاہور ریڈیو اسٹیشن آ گیا ہوں اب تمہاری خیر نہیں تیار رہنا؟
ج: لاہور ریڈیو اسٹیشن آ تو گئے ہو یہ بتاؤ اندر بھی جانے دیا یا باہر ہی کھڑے ہو۔

مہیں آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں آنکھوں پہ بٹھائیں گے یا پلکوں پر؟
ج: سر آنکھوں پر۔
س: عین غین بھیا کل میں نے آپ کو لنڈے بازار میں دیکھا کیا خرید رہے تھے؟
ج: آپ کو بٹھانے کے لئے کپڑا خرید رہا تھا۔
س: میرے سامنے والی کھڑکی میں؟
ج: ہر وقت بند رہتی ہے۔
س: شعر مکمل کریں۔
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
ج:
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

☆☆☆

صفہ خورشید: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

یہ کسک دل کی دل میں چھپی رہ گئی
زندگی میں تمہاری کمی رہ گئی
اک میں اک تم اک دیوار تھی
زندگی آدھی آدھی بٹی رہ گئی
رات کی بھیگی بھیگی چھتوں کی طرح
میری پلکوں پر تھوڑی نمی رہ گئی
میرے گھر کی طرف دھوپ کی پیٹھ تھی
آتے آتے ادھر چاندنی رہ گئی
ریت پر آنسوؤں نے تیرے نام کی
جو کہانی لکھی بے پڑھی رہ گئی

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

بچپنے کے دکھ بھی کتنے اچھے تھے
جب صرف کھلونے ٹوٹا کرتے تھے
اپنے جلنے کا احساس نہ ہوتا تھا
جلتے شعلوں کو جب چھیڑا کرتے تھے
پاؤں مار کے خود بارش کے پانی میں
اپنی ناؤ آپ ڈبویا کرتے تھے
اب سوچیں تو چوٹ سی پڑتی ہے دل پہ
تتلی کے پر نوچ کر اچھالا کرتے تھے
خوشبو کے اڑتے ہی کیوں مرجھایا پھول
ہم اس بات پہ اکثر سوچا کرتے تھے
اب تو اک آنسو بھی رسوا کر جاتا ہے
بچپن میں جی بھر کے رویا کرتے تھے

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

رات کی جلتی تنہائی میں
اندھیاروں کے جال بنے تھے
دیواروں پر تاریکی کی گرد جمی تھی
خوشبو کا احساس فضا میں ٹوٹ رہا تھا
دروازے بانہیں پھیلائے اونگھ رہے تھے
دور سمندر پار ہوا میں بادلوں سے باتیں کرتی تھیں
ایسے میں ایک نیند کا جھونکا
پر بنا اور گزر گیا
پھر آنکھ کھلی تو
اس موسم کی پہلی بارش
اور تیری یادیں
دونوں مل کر
ٹوٹ کر برسیں

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''میں چپ ہوں''
میں نہ بولی کے سننے والوں کے
دلوں میں خراش آ جائے گی
بندھن ٹوٹیں گے تو
رشتوں میں دیوار آ جائے گی
سوکھے پتوں کی طرح
تنہائیاں بکھر جائیں گی
مگر آندھیوں کے ڈر نے
آنسوؤں کے ڈر نے
مجھے چپ کرا دیا
لیکن!
پھر بھی ''ٹوٹی'' میں ہی
میری چپ نے مجھے کمزور بنا دیا

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک نظم

''موڑ''
زندگی کے اس موڑ پر
تم مجھے چھوڑ کے جا رہے ہو
مگر اک بات میری سنتے جاؤ

یہ جو زندگی تمہیں اب
خوشیوں کی راہ گزر لگتی ہے
کبھی تمہیں یہ اپنا اصل رنگ دکھائے تو
جو تم نے میری سنگت میں خواب دیکھے تھے
اب تنہا ان کے حصول کے لئے نکلو تو
اور تمہیں دکھوں کے طوفان اپنی لپیٹ میں لے لیں
تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر تک جاتی شاہراہ پر خار ملے تو
کبھی بھولے بسرے تمہاری سماعتوں میں
میری یہ اب کی کہی سرگوشی ابھرے تو
تم واپس چلے آنا
میں تمہیں یہیں اسی جگہ زندگی کے موڑ پر
کھڑی ملوں گی جہاں تم چھوڑے جا رہے ہو
راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم
''کیا چیز محبت ہوتی ہے''
آؤ کہ بتائیں ہم تم کو
کیا چیز محبت ہوتی ہے
انسان کے دل پر انسان کی
پاکیزہ حکومت ہونی چاہیے
کچھ حسن میں جدت ہوتی ہے
کچھ عشق میں چاہت ہوتی ہے
دل تنہائی میں گاتا ہے
اور دور ویرانی ہوتی ہے
لمبی لمبی راتوں میں
قبول دعا ہوتی ہے
آمنہ خان: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
تجھ کو دیکھتی ہوں
تجھ کو سوچتی ہوں
تجھ کو چاہتی ہوں
ہر وقت ہر دم
دل کے آئینے میں تصویر تیری سجاتی ہوں
ہر لمحہ ہر پل
تجھے مانگتی ہوں

اپنی ہر دعا میں
وہ مجھے چاہے
مجھ سے پیار کرے
وہ مجھ سے
لاکھ خفا ہو
مگر...... جدا نہ ہو
صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے
''یارب''
کچھ ایسے ہنر دے دے
میری محنت کا تو ثمر دے دے
میں کب سے ہوں بھٹکا ہوا
میری آنکھوں کو تو نظر دے دے
تاریک سا ہے یہ من میرا
اس کو تو سحر دے دے
جو زندگی ہے وہ کاٹ لوں میں
تو جینے کا مجھے گر دے دے
کچھ نہیں تو اتنا سا کرم کر یارب
تو میری دعاؤں میں اثر دے دے
حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک نظم
''خدا سے آس''
مسافت طے کرتے پڑ گئے پاؤں میں چھالے
چلنا بن گیا اک مجبوری پڑ گئے جان کے لالے
اے اللہ! ہم کو اپنے دامن میں چھپا لے
ہم پر پڑی آفتوں سے تو ہم کو بچا لے
دشمن ہمارا جو چاہے کہ ہم کو نقصان پہنچائے
منہ کے بل گرے اور خود ہی وہ پچھتائے
ہم کو بچانا اب تیرا کام ہماری جان کے رکھوالے
اک آس، اپنا عذاب ہمارے دشمن پر الٹا دے
میری آنکھ نے جن کی وجہ سے آنسو بہائے
اے اللہ! کبھی بھی خوشیاں ان کے گرد نہ سمائے
انصاف کر دے دشمن پر قہر کا بھونچال اب لا دے
مرتے وقت بھی کر دینا ان کے منہ تو کالے
جانے کتنے گھر ان جاہلوں نے اجاڑے
ان کو عدل و انصاف کی چکی میں پسوا دے

دنیا والوں کے دم سے اب عبرت دلوا دے
تباہی کی طرف جاتے قدم اب تو ہی رکوا دے
سدرہ خانم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''اک شام''
شام کی ڈھلتی ہوئی پر چھائیوں میں
ایک دھندلی سی پرچھائی کو دیکھا
بہت پیاری لگ رہی تھی
دھیرے دھیرے آنکھوں میں آ رہی تھی
مگر کیا تھا؟
وہ اپنی زندگی کی تلاش میں تھی
وہ جو کسی کے نام کرنے والی تھی
وہی اس کی زندگی کی تمام تھی
جو رات کے سائے میں سمٹ رہی تھی
وہی اک شام تھی
آسیہ فرید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''حسن یوں ہم سے ملاقات کرے''
حسن یوں ہم سے ملاقات کرے
جیسے تصویر کوئی بات کرے
دل میں یوں پیار کی دنیا جاگے
ساتھ رہنے کی تمنا جاگے
گفتگو تاروں بھری رات کرے
حسن یوں ہم سے ملاقات کرے
اس طرح نور کا منظر دیکھا
چاند کو ہم نے زمیں پر دیکھا
اک یہی چاند ہمیں مات کرے
حسن یوں ہم سے ملاقات کرے
اپنی آنکھوں کو چراغاں کرے
آئے جو رخ کو گلستان کرکے
نذر اک پھولوں کی سوغات کرے
حسن یوں ہم سے ملاقات کرے
مریم انصاری: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
یہاں چہروں پہ حیرانی بہت ہے
شہر دل میں ویرانی بہت ہے
بہا لے جائے گا کچے گھروں کو
اس دریا میں طغیانی بہت ہے
دشمن کا بھلا کیوں خوف ہو مجھ کو
مجھے رب کی نگہبانی بہت ہے
ارادوں میں دراڑیں ڈالنے کو
کسی کی آنکھ کا پانی بہت ہے
خزاں سب پھول پتے لے گئی گل
درختوں پہ اب عریانی بہت ہے
عزہ فیصل: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
عجیب درد کا رشتہ تھا سب کے سب روئے
شجر گرا تو پرندے تمام شب روئے
ہزار گریہ کے پہلو نکلنے والے ہیں
اس کہو کہ وہ یوں ہی نہ بے سبب روئے
کسی کا بھی نہ چراغوں کی سمت دھیان گیا
شب نشاط وہ کب کب بجھے تھے کب روئے
ہمارے زادسفر میں بھی درد دکھا گیا
سو ہم بھی ٹوٹ کے روئے سفر میں جب روئے
کسی کی آنکھ ہی بھیگی نہ سیل درد گیا
تمہاری یاد میں اب کے برس عجب روئے
ترے خیال کی لو ہی سفر میں کام آئی
مرے چراغ تو لگتا تھا جیسے اب روئے
نورانور: کی ڈائری سے ایک نظم
''وہ آئے تو سہی''
میں اس کے سارے غم سمیٹ لوں گی
اپنی ساری خوشیاں اسے دے دوں گی
میرے ذہن میں جو اچھے خیال ہیں
اس میں اسے ہی تصور کروں گی
اگر میرا آوارہ ذہن ماضی کی ناخوشگوار یادوں
میں بھٹک گیا تو اسے جھٹک دوں گی
فقط یاد ہوں گی خوشگوار یادیں
ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھنٹوں کی جانے والی
باتیں
وہ دوستیوں کی بے مثال باتیں
بے سبب روٹھنا اور ماننے پر یونہی گلے شکوے
☆☆☆

افراح طارق

مسالے دار دہی والی چانپ

اشیاء

چانپ	ایک کلو
لہسن پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
دہی	آدھا کلو
پیاز پسی ہوئی	دو عدد
ادرک پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	ایک پاؤ

ترکیب

دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں، تمام پسے ہوئے مسالے دہی میں ملا دیں۔

اب چانپ کو اچھی طرح دھولیں اور ان کو مسالے ملے دہی میں ڈبو دیں، کم از کم آدھا گھنٹہ ان کو پڑا رہنے دیں تاکہ مسالا جات اچھی طرح چانپوں میں جذب ہو جائے، ساس پین، کڑاہی میں گھی کو گرم کریں اور اس میں چانپیں ڈال کر تل لیں، لذیذ مسالے دار دہی کی چانپ تیار ہے، سلاد اور چٹنی کے ساتھ تناول کریں۔

ملتانی چانپ

اشیاء

چانپ	آدھا کلو
گرم مسالا پسا ہوا	چائے کا ایک چمچہ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
لونگ	چار عدد
گھی، تیل تلنے کے لئے	حسب ضرورت
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	آٹھ جوے
میدہ	کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب

چانپ کو نمک، لونگ اور لہسن ڈال کر ابال لیں، جب چانپ گل جائے تو اتار لیں، انڈوں کو پھینٹ لیں اور اس میں گرم مسالا، نمک، سرخ مرچ اور میدہ ملا لیں، فرائنگ پین میں گھی، تیل گرم کریں، ابلی ہوئی چانپ کو انڈے والے آمیزے میں ڈبو کر تل لیں، ملتانی چانپ تیار ہے۔

چٹ پٹا قیمہ

اشیاء

قیمہ گائے یا بکرے کا	ایک کلو
ٹماٹر درمیانہ سائز	دو عدد
انار دانہ پسا ہوا	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہری مرچ	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک پاؤ
دہی	ایک پیالی
گھی، تیل	ایک پیالی
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی

سفید زیرہ پسا ہوا	ایک چمچہ
لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

پیاز کو آملیٹ کی شکل میں کاٹ لیں یعنی چوپ کرلیں گرم گھی، تیل میں پیاز فرائی کریں جب تک نرم نہ ہو جائے زیادہ براؤن نہ کریں، اس دوران آدھا چائے کا چمچہ نمک بھی ڈال دیں، پیاز نرم ہو جائے تو گھی میں سے نکال لیں، اسی گھی میں لہسن، ادرک ڈال کر بھون لیں، جب یہ بھن جائے تو قیمہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی نمک ڈال دیں۔

قیمہ اپنا رنگ چھوڑے گا، دو منٹ بعد دہی اور ٹماٹر ڈال دیں، اس کے ساتھ ہی سرخ مرچ، کالی مرچ اور سفید زیرہ بھی ڈال دیں، چمچہ ہلا کر ڈھکن ڈھک دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو دوبارہ سے بھوننا شروع کر دیں لیکن چیک کرلیں قیمہ گل چکا ہے اگر نہیں تو ایک پیالی ڈال کر ڈھک دیں جب گل جائے تو بھوننا شروع کر دیں، اب اس میں فرائی کی ہوئی پیاز اور انار دانہ ڈال لیں انار دانے کا کچا پن ختم ہونے تک بھون لیں اور اتنا بھونیں کہ قیمہ گھی چھوڑ دے۔

اب اس میں ہرا دھنیا ہری مرچیں کاٹ کر ڈال دیں اوپر سے گرم مسالا چھڑک دیں اور دس منٹ کے لیے دم پر رکھیں، دس پندرہ منٹ بعد قیمہ مکس کر کے دوبارہ پانچ منٹ کا دم لگائیں، پھر چولہے پر سے اتار لیں، دہی کی چٹنی اور نان کے ساتھ پیش کریں۔

پشاوری گوشت

اشیاء

گوشت بغیر ہڈی کے	آدھا کلو
آلو درمیانہ سائز	تین عدد
مٹر	ایک پاؤ
ٹماٹر	ایک پاؤ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا	3/4 چائے کا چمچہ
ہری مرچ	حسب پسند
ہرے دھنیے کی پتیاں	دو ٹیبل اسپون
ادرک پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
پیاز درمیانہ سائز	دو عدد
گھی	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

گوشت کے ایک ایک انچ کے چوکور ٹکڑے کر کے دھولیں اور کسی صاف کپڑے سے خشک کرلیں، ٹماٹروں کے چار چار ٹکڑے کرلیں، آلو کو چھیل کر گول قتلے کاٹ لیں، ہری مرچوں کے چھ چھ ٹکڑے کرلیں، پیاز چھیل کر اس کے بھی آلو جیسے گول چھلے کاٹ لیں، مٹر کو چھیل کر دانے نکال لیں۔

ایک بڑی کڑاہی میں گھی ڈال کر آنچ پر رکھ دیں، گھی گرم ہو جائے تو اس میں آلو ڈال دیں، آلو نرم پڑ جائیں بادامی نہ ہوں تو گھی سے نکال لیں، پھر ٹماٹر ڈال دیں، ایک یا دو منٹ بعد ٹماٹروں کو بھی گھی سے نکال لیں اور اس گھی میں گوشت ڈال دیں۔

گوشت ہلکا بادامی ہو جائے تو کڑاہی کو آنچ سے اتار لیں، ایک دیگچی میں گوشت کالی مرچیں، دھنیا ادرک، نمک، پاؤ پیالی گھی اور پاؤ پیالی ڈال کر آنچ پر رکھ دیں، پانی خشک ہو جائے تو اچھی طرح بھون کر گوشت گلنے کے اندازے کا پانی ڈال دیں، گوشت ادھ گلا ہو جائے تو مٹر ڈال دیں، گوشت گل جائے اور تھوڑا سا پانی باقی ہو تو آلو، پیاز، ٹماٹر، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر

دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

بادامی قورمہ

اشیاء

گوشت بغیر ہڈی کے	آدھا کلو
بادام	دس عدد
سرخ مرچ ثابت	ایک چائے کا چمچہ
خشخاش ثابت	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ ثابت	ایک چائے کا چمچہ
ناریل چوکور ٹکڑا	دو انچ
بھنے ہوئے چنے	دو چائے کے چمچ
چھوٹی الائچی	تین عدد
لونگ	تین عدد
کالی مرچ	چھ عدد
بڑی الائچی	ایک عدد
دہی	ایک پیالی
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز درمیانہ سائز	دو عدد
گھی	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

گوشت کو دھو لیں، پیاز چھیل کر لچھے دار کاٹ لیں، بادام، لال مرچ، دھنیا، سفید زیرہ، خشخاش اور ناریل کو فرائی پین میں بغیر گھی کے بھون لیں، پھر چنے ملا کر سل پر باریک پیس لیں، دہی کو خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔

ایک دیگچی میں گھی اور پیاز کے لچھے ڈال کر آنچ پر رکھ دیں، پیاز بادامی ہو جائے تو گھی سے نکال کر وہ بھی سل پر باریک پیس لیں، گھی میں چھوٹی و بڑی الائچی، لونگ اور کالی مرچ ڈال دیں، الائچیاں پھول جائیں تو ادرک، لہسن، تمام پسے ہوئے مسالے، نمک اور پاؤ پیالی ڈال کر مسالہ بھون لیں، پھر گوشت ڈال دیں، گوشت کا پانی بھن جائے تو دہی ڈال دیں۔

دہی کا پانی بھن جائے تو گوشت گلنے کے انداز کا پانی ڈال دیں، گوشت گل جائے اور تھوڑا سا شوربا باقی رہ جائے تو آنچ سے اتار لیں۔

بھنا ہوا گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
گھی	آدھا پاؤ
پیاز	آدھا پاؤ
لہسن	چھ جوے
[illegible]	پندرہ گرام
ٹماٹر	ایک پاؤ
گرم مسالہ پسا ہوا	چائے کا ایک چمچہ
ہلدی	آدھا چمچہ
لال مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچیں	چھ عدد
دہی	آدھا پاؤ
زیرہ	ایک چٹکی

(اگر گھر کے افراد زیادہ ہیں تو آپ ان ہی تمام اجزا کو مقدار میں ڈبل کر کے پکا سکتی ہیں)

ترکیب

گوشت دھو کر دیگچی میں ڈال لیں، آدھی پیاز اور لہسن پیس کر ڈال دیں، ادرک کتر کر ڈال لیں، نمک، ہلدی، لال مرچ، گرم مسالہ اور ہری مرچ کاٹ کر ڈال دیں، تین پیالی پانی اور آدھ پاؤ دہی ڈال دیں، ہرا دھنیا کترا ہوا دو چمچے ڈال دیں، ڈھکن مضبوطی سے بند کر کے ہلکے آنچ پر رکھ دیں۔

گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں، ایک دیگچی میں گھی کڑکڑائیں، اس میں

آدھی پیاز کے لچھے باریک کتر کر تل لیں، اس میں ٹماٹر ڈال دیں، ٹماٹر کا پانی خشک ہو جائے اور چھلکا گل جائے تو زیرہ ڈال کر بھونیں، اس کے بعد گوشت ڈال دیں اور اچھی طرح بھونیں، گوشت بھن جائے تو اتار لیں، مزے دار بھنا ہوا گوشت تیار ہے۔

گولا کباب

اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
کچا پپیتا	دو انچ کا ٹکڑا
لونگ	چھ عدد
جاوتری	دو ٹکڑے
خشخاش	چار کھانے کے چمچ
بھنا چنا پسا ہوا	چار چمچے
ہرا دھنیا کترا ہوا	تھوڑا سا
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن	چار جوے
بڑی الائچی	دو عدد
چھوٹی الائچی	ایک انچ کا ٹکڑا
سرخ مرچ پسی ہوئی	ایک چمچہ چائے کا
پیاز آملیٹ کی طرح باریک کتر لیں	ایک عدد

ترکیب

قیمہ میں نمک اور پپیتا پیس کر ملا لیں اور تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں، پھر اس میں باقی تمام مسالے پیس کر اور دھنیا ہرا، پودینہ اور باریک کٹی ہوئی پیاز ملا دیں، سب کچھ ملانے کے بعد دو گھنٹے تک رکھ دیں، پھر گول ٹکیاں بنا کر گھی میں فرائی کر لیں، بہت ہلکی آنچ پر ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ ڈالیں، مسالہ پیستے ہوئے زیادہ پانی نہ ڈالیں، اسی طرح تمام گولا کباب تل لیں۔

کلیجی کے تکے

اشیاء

بکرے کی کلیجی	ایک عدد
ادرک	ایک چھوٹی گانٹھ
لہسن	ایک پوتھی
پسی ہوئی لال مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
دہی	ایک پاؤ

ترکیب

سب سے پہلے کلیجی کو صاف پانی سے تین مرتبہ دھوئیے، پھر اس کی بوٹیاں بنا لیجیے، ادرک اور لہسن کے جووں کو پیس کر لال مرچ اور نمک ان میں ملا دیجیے، پھر اس مرکب کو دہی میں ڈال کر ہاتھ سے ملائیے، یہاں تک کہ سب اجزا یک جان ہو جائیں، یہ مرکب کلیجی کی سب بوٹیوں پر اس طرح ملیے کہ کسی بوٹی کا کوئی حصہ اس کے بغیر نظر نہ آئے، ان بوٹیوں کی کئی گھنٹے تک اسی حالت میں رہنے دیں، اگر یہ تکے رات کے وقت کھانے ہوں تو بوٹیوں پر یہ مرکب دوپہر کے وقت لگا دینا چاہیے، (لوگ اس کے بغیر بھی بوٹیاں سیخوں پر چڑھا کر آگ پر پکا کر کھا لیتے ہیں مگر اس قسم کے تکے بعض معدوں کے لئے مضر ثابت ہو سکتے ہیں، جب کہ یہ مرکب لگے ہوئے کلیجی تکے سب قسم کے انسانوں کو بڑی آسانی سے ہضم ہو جاتے ہیں اور ان کے جسموں میں خون پیدا کرتے ہیں)۔

غرض یہ بوٹیاں کئی گھنٹے تک مسالے لگی ہوئی رکھی رہنے کے بعد سیخوں پر چڑھائیں اور آگ پر پختہ کریں، صرف چند منٹ کی سینک سے پک کر کھانے کے قابل ہو جائیں گی، یہ نہ صرف لذیذ ثابت ہوتی ہیں بلکہ کبھی کبھی کھانے کی صورت میں خون صالح بھی پیدا کرتی ہیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کی خوشیوں سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں۔

ان گنت مسائل کے بوجھ تلے دبی زندگی میں عدم تحفظ کا بڑھتا احساس ذہنوں کو شدید ذہنی اذیت سے دوچار کیے ہوئے ہے، حالات کی اس سنگینی میں اہل اقتدار کی بے حسی، مایوسی کی کیفیت میں مزید اضافہ کر رہی ہے۔

ایسے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ ہمارا انتخاب تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی خالات کی تلخیوں اور موسم کی شدتوں کو کم کر دے اور آپ کے ذہنوں میں خوشگوار تاثر پیدا ہو، ہماری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ حنا میں، میں ایسی تحریریں شائع کی جائیں جو مایوسی کے اندھیروں کو دور کر کے دلوں میں خوش آمیدی اور زندگی کی آمنگ کو پیدا کریں، بے شک زندگی کو ایک دم تبدیل نہیں کیا جا سکتا لیکن سوچ کی تبدیلی سے کچھ بہتری ضرور لائی جا سکتی ہے۔

ہماری اپنی مصنفین سے بھی یہی گزارش ہے کہ زندگی کے تلخ حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن خوابوں کو زندہ تو رکھا جا سکتا ہے نہ، کیونکہ ہمارے خواب ہی تو ہیں جنہیں تعبیر دینے کے لئے ہم کوشش، محنت اور جدوجہد کرتے ہیں۔

آپ لوگ اپنی تحریروں میں زندگی کے روشن پہلو کو اجاگر کیا کیجئے، کیونکہ کبھی کبھی مایوسی میں گھرے انسان کے لئے روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن بھی زندگی کا پیغام بن جاتی ہے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے اور آپ کو زندگی میں خوش اور کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔

چلیں آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں ہمیشہ کی طرح درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حامی و ناصر ہو آمین۔

پہلا خط ہمیں زارا سحر کا چکوال سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ سادہ مگر بے حد خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ موصول ہوا، ہمیشہ کی طرح ابتدا سردار صاحب کے سلسلے، ''باتیں ہماریاں'' سے ہوئی جو کہ بے حد پسند آئیں، اس کے بعد حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے استفادہ حاصل کیا، آگے بڑھے اور ابن انشاء کے کالم میں جا پہنچے ان کے مزاح کی طرح ان کی شاعری بھی اعلیٰ ہے، سلسلے وار ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' کی اس مرتبہ کی قسط انتہائی دلچسپ تھی پڑھ کر مزہ آیا، سدرۃ المنتہیٰ اس ماہ وہ غائب کیوں ہیں؟ پلیز ایسا نہ کیا کریں، کہانی کا مزہ خراب ہو جاتا ہے، مکمل ناول میں صبا جاوید کی تحریر دلچسپ لگی جبکہ ثروت انمول نے بھی اچھی کوشش کی، ناولٹ دو عدد اور دونوں ہی عید کے حوالے سے تھے، تحسین اختر کی تحریر ''گلابی عید اور تیری دید'' کا عنوان جتنا خوبصورت تھا، تحریر اتنی اچھی نہ تھی، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فوزیہ آپی نے زبردستی کاغذ قلم

دے کر تحسین آپی کو بٹھایا ہو، یہ کہہ کر کہ لکھو ورنہ تمہارے حصے کی محبت میں کسی اور کو دے دوں گی، سچ میں تحریر پڑھ کر مزہ نہیں آیا۔

مبشرہ انصاری اس مرتبہ آپ نے اچھی تحریر دی قارئین کہ، افسانوں میں کافی عرصے بعد مصباح نوشین نظر آئیں مگر ان کا بھی حال تحسین جیسا ہی تھا جبکہ قرۃ العین ہاشمی کا ''تم شیشہ دل ہو'' سعدیہ عابد کا ''تو پیام بہاروں کا اور شگفتہ شاہ کا افسانہ ''ادھوری تصویر'' پسند آئے، نورین شاہد اور حمیرا نوشین بھی اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں ''میری ڈائری'' سے صفہ خورشید اور عابدہ حیدر کا انتخاب پسند آیا، حاصل مطالعہ میں ساجد احمد اور حنا شاہین کی تحریروں نے متاثر کیا، بیاض اور دستر خوان بھی ہمیشہ کی طرح اے ون رہا، جبکہ قیامت کے یہ نامے میں سبھی نے خوبصورت تبصرے ارسال کیے، فوزیہ آپی مصنفین سے ملاقات کا سلسلہ کیوں بند کیا آپ نے، پلیز اس کو دوبارہ شروع کریں اور پلیز افراح صاحبہ تک ہماری فرمائش پہنچا دیں کہ وہ ہمیں سادہ کپ کیک، بنانا سکھا دیں۔

زارا سحر اگست کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو پہنچا دی ہے، پچھلے ماہ سدرہ کچھ ذاتی مصروفیت کی وجہ سے ناول کی قسط لکھ نہ پائیں اس ماہ شامل اشاعت ہے، آپ کی فرمائش افراح کو مل گئی انشاء اللہ جلد پوری ہوگی، عید سروے کی وجہ سے ایک دن حنا کے ساتھ کا سلسلہ شائع نہیں ہوا اس میں ماہ سے دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

فرح راؤ: لاہور کینٹ سے لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ملا سب سے پہلے اسلامیات سے فیضیاب ہوئے، اس کے بعد انشاء جی کی شاعری سننے کو ملی، زبردست آگے بڑھے تو عید گنگناتی ہوئی ملی، جس میں سعدیہ عابد، نازش امین، شگفتہ شاہ، سدرۃ المنتہیٰ، تحسین اختر، فرزانہ حبیب، حیا بخاری اور ام ایمان قاضی قارئین کو اپنے لفظوں کی صورت میں عید کی خوشیاں بانٹتی ہوئی ملیں۔

سب نے بڑے اچھے اور محبت بھرے انداز میں جوابات دیئے، عید سروے کو پڑھ کر ہم ایک بات تو جان گئے کہ یہ کراچی والوں کو لب شیریں بے حد پسند ہے۔

آگے بڑھے اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' میں جا پہنچے، بہت خوب نایاب جیلانی آپ کی تحریر مزے دار ہوتی جا رہی ہے، یقیناً آگے چل کر یہ مزید دلچسپ ہو جائے گی، سدرۃ المنتہیٰ کا ناول اس ماہ شامل نہیں تھا یقیناً کوئی اہم وجہ ہوگی ورنہ سدرۃ المنتہیٰ بلاوجہ غائب ہو کر اپنی اہمیت بڑھانے والوں میں سے نہیں، ناولٹ میں تحسین اختر کا نام اور وہ اتنے رومانٹک ٹائٹل کے ساتھ دیکھ کر جلدی سے تحریر میں غرق ہوئے مگر یہ کیا؟ تحریر میں کوئی پختگی نہیں تھی، فوزیہ آپی کہیں پروف کی غلطی سے تو اس تحریر پر تحسین کا نام شائع نہیں ہو گیا، یہ تحسین اختر کا انداز تحریر نہیں پلیز اس سلسلے میں ضرور وضاحت کیجئے گا، مبشرہ انصاری نے بتایا کہ ''سامنے ہے سویرا'' تحریر پسند آئی، مکمل ناول میں صبا جاوید اور انمول ثروت دونوں کی ہی تحریر پسند آئیں۔

افسانے سبھی نے عید کے حوالے سے بہترین لکھے، سچ پوچھیں جو ہمیں جولائی کا نہیں اگست کا شمارہ زیادہ عید نمبر محسوس ہوا، مستقل سلسلے سبھی بہترین تھے، قیامت کے یہ نامے میں ہمیشہ کی طرح سبھی چمکتے ہوئے ملے، آخر میں فوزیہ آپی ایک فرمائش کہ پلیز فوزیہ غزل، طیبہ ہاشمی،

مدیحہ تبسم سے بھی لکھوائیں، کافی عرصہ ہو گیا ان کو پڑھے ہوئے۔

فرح راؤ کیسی ہو؟ کافی لمبے گیپ کے بعد تمہاری آمد ہوئی ہے ایک وقت تھا کہ ہر دوسرے ماہ آپ کا تبصرہ موصول ہوتا تھا اگست کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ پوری کرنے کی کوشش کریں گے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔

نورین شاہد: رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔

کافی ماہ بعد خط لکھ رہی ہوں کچھ مصروفیات نے روک رکھا تھا مگر حنا سے رشتہ برقرار تھا، سدرہ جی کا ناول بھی کمال کا ہے بہت خوبصورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں، نایاب جیلانی کا ناول بہت منفرد ہے خاص طور پر کرداروں کے نام پاکستان کے خوبصورت علاقوں پر مشتمل ناول بہت زبردست ہے، عید کے انٹرویوز پسند آئے، افسانے ناول، ناولٹ سب کمال کے تھے، عید نمبر واقعی شاندار تھا۔

تین کہانیاں بھیجیں تھیں پلیز بتا دیں کیا وہ ناقابل اشاعت ہیں۔

نورین شاہد خوش آمدید، اگست کے شمارے میں آپ کی کہانی شائع ہوئی ہے، آپ اپنی تحریروں پر اپنا ایڈریس لکھ کر بھیجا کریں تاکہ شمارہ آپ کو بھجوایا جا سکے، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کا خط ہمیں لیٹ موصول ہوا ہے، اس لئے اس ماہ جواب دے رہے ہیں شکریہ۔

ثمینہ امتیاز: کی ای میل سرگودھا سے موصول ہوئی ہے لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ سرورق سے لے کر آخر تک بے حد پسند آیا، حمد و نعت اور پیاری باتیں کی تو خیر کیا ہی بات ہے، انشاء نامہ میں اس مرتبہ شاعری سے لطف اندوز ہوئے، آگے عید سروے کا بقیہ حصہ تھا جلدی پڑھا، تمام مصنفین نے بے حد اچھے جوابات دیئے، شگفتہ آپی آپ کا بنایا ہوا شیر خورمہ یقیناً مزے کا ہوگا اس کی ترکیب پڑھ کر ہی منہ میں پانی آ گیا اور یہ سدرہ آپی ہمیشہ یہ کہہ کر جان چھڑاتی ہیں کہ انہیں کچھ پکانا نہیں آتا۔

خیر آگے بڑھے نایاب جیلانی سے ان کی تحریر کے ذریعے ملے، نایاب جی پلیز تھوڑا کہانی میں رومانس ڈالیں، لیں جی اس ماہ سدرہ پھر غائب ہیں، ان کے اس سلسلے وار ناول میں دوسری غیر حاضری ہے، مکمل ناول میں صبا جاوید کی تحریر پسند آئی جبکہ انمول ثروت نے بھی اچھی کوشش کی، ناولٹ دونوں ہی پسند نہیں آئے،

ثمینہ امتیاز خوش آمدید، اگست کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

عالیہ رحمان: اوکاڑہ سٹی سے لکھتی ہیں۔

میں کافی عرصے سے حنا پڑھ رہی ہوں خط لکھنے کا اتفاق پہلی مرتبہ ہوا، اگست کا شمارہ بہترین تھا، سدرۃ المنتہیٰ کی کمی بے حد محسوس ہوئی جبکہ نایاب جیلانی بھی اس مرتبہ کہانی میں نیا موڑ لائی ہیں، مکمل ناول میں انمول ثروت کی تحریر نے متاثر کیا، ناولٹ بھی پسند آئے افسانوں میں تمام مصنفین نے اچھی کوشش کی، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہترین تھے۔

فوزیہ آپی میں افسانے وغیرہ لکھتی ہوں، اخبارات میں کالم بھی، میں ماہنامہ حنا میں لکھنا چاہتی ہوں پلیز آپ مجھے بتائیں کہ اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا

آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کاغذ کے ایک طرف ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اپنا نام اور ایڈریس مکمل اور صاف لکھ کر بھیجیں، قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شائع ہوں گی، شکریہ۔

☆☆☆